

خانوادہ نبوت حضور ﷺ کی ازواج مطہرات، صاحبزادوں اور صاحبزادیوں، نواسیوں،
نواسیوں اور جملہ اہل بیت کا دلکش، معلومات افزا اور ایمان افروز مفصل و مکمل تذکرہ

تذکرہ اہل بیت اطہار



مولانا محمد عبدالمعبود

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾
(القرآن)

تذکرہ اہل بیت اطہار علیہم السلام

خانوادہ نبوت حضور ﷺ کی ازواج مطہرات، صاحبزادوں
اور صاحبزادیوں، نواسوں، نواسیوں اور جملہ اہل بیت کا
دکھ، معلومات افزا اور ایمان افروز مفصل و مدلل تذکرہ

مؤلف

مولانا محمد عبدالمعبدو

الفتح پبلی کیشنز ❖
راولپنڈی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ
اشاعت اول ۲۰۱۰ء

انتساب

خبر کون و مکان، سلطان زمین و زمان، سید الاولین والآخرین
حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ

صلی اللہ علیہ علی آلہ واصحابہ وازواجہ وذراریہ واجتہاد جمعین
کے نام نامی اسم گرامی سے اس حقیر سی خدمت کو منسوب کرتا ہوں،
جن کی سچی محبت اور کامل اتباع سے خاندانوں، قبیلوں اور قوموں کو دینی،
دنیوی اور اخروی سعادت، عظمت اور فلاح و کامرانی حاصل ہوئی۔

بندہ بیٹوا

محمد عبدالمعبود عفا اللہ عنہ

۲۹۷.۶۳

مرح م محمد عبدالمعبود مولانا

تذکرہ اہل بیت اطہار / مولانا محمد عبدالمعبود - راولپنڈی: الفتح پبلی کیشنز ۲۰۱۰ء

۳۲۸ ص

۱۔ محمد - اصحاب

297.64

MUH Muhammad Abdul Ma'bood, Maulana

Tazkara Ahl e Bait Athaar/ by Maulana Muhammad Abdul
Ma'bood.- Rawalpindi: Al-Fath Publications, 2010

328 p.

ISBN 978-969-9400-03-2

1. Muhammad - Companions

■ + 92 322 517 741 3

■ alfathpublications@gmail.com

الفتح پبلی کیشنز

distributor

VPrint Book Productions

■ + 92 51 581 479 6

■ vprint.vp@gmail.com

■ + 92 300 519 254 3

■ www.vprint.com.pk

فہرست

۹	میراث کا سوانحی خاکہ
۱۳	نگاہ اوقلیس
	آل اور اہل بیت کی توضیح
۱۹	آل کی لغوی تحقیق
۲۱	”آل“ قرآنی تائید میں
۲۳	آل رسول ﷺ
۲۴	اہل کا مصداق
۲۸	قرآنی تصریحات
۲۹	احادیث کے آئینہ میں
۳۱	آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم
۳۵	ہر مقلی آل ہے
۳۶	آل، دو جنم پر صدقہ حرام
۳۹	حدیث کساہ
۴۱	علامہ شوکانی کی تصریحات
۵۰	مفسرین کی تصریحات
۵۵	محدثین کی تصریحات
۵۹	قول فیصل

خلاصۃ الکلام و خاتمۃ المرام

آیۃ تطہیر کا مصداق

عترتہ رسول ﷺ

۶۳

۶۶

۷۷

آل بیت نبی

اقسام آل

آل نبی

عبدالمطلب بن ہاشم

حارث بن عبدالمطلب

سید الشہداء و سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ

ابولہب بن عبدالمطلب

سیدنا عباس بن عبدالمطلب

فضل بن عباس رضی اللہ عنہ

عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

قثم بن عباس رضی اللہ عنہ

عبد اللہ بن عباس

ابوطالب بن عبدالمطلب

طالب

عقیل

جعفر الطیار رضی اللہ عنہ

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

محمد بن حنفیہ

اتم بانی رضی اللہ عنہا

جرانہ بنت ابوطالب

۸۵

۸۶

۸۶

۸۶

۸۸

۹۰

۹۰

۹۵

۹۵

۹۶

۹۶

۹۹

۱۰۳

۱۰۳

۱۰۴

۱۰۷

۱۱۵

۱۱۶

۱۱۶

سید عالم ﷺ کے ماموں

علی بن عبد اللہ

عباس بن عبد اللہ

۷

۱۱۷

۱۱۷

۱۱۸

آل بیت سکنی

اتم المؤمنین سیدہ و خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

۱۲۱

۱۳۹

۱۵۲

۱۶۰

۱۶۶

۱۶۹

۱۷۹

۱۹۵

۲۰۲

۲۰۷

۲۱۸

۲۲۲

آل بیت ولادت

شاہ کوثرین ﷺ کی شہزادیاں

شہزادی زینب رضی اللہ عنہا

شہزادی رقیہ رضی اللہ عنہا

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا

۲۲۹

۲۲۹

۲۳۷

۲۴۳

۲۶۰

نبی ﷺ کے شہزادے

۲۸۳

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

۲۸۳

حضرت عہد اللہ رضی اللہ عنہ

۲۸۳

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

۲۸۴

شاہ کوئین ﷺ کے نواسے، نواسیاں

۲۸۹

نواسہ رسول ﷺ بنی بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ

۲۹۱

نواسی رسول امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ عنہا

۲۹۲

نواسہ رسول عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ

۲۹۳

نواسہ رسول حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

۲۹۳

نواسہ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

۲۹۷

امام زین العابدینؑ

۲۹۸

نواسی رسول سیدہ ام کلثومؓ علیہ

۲۹۹

نواسی رسول سیدہ زینبؓ علیہ

۳۰۱

حواشی

۳۰۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مؤلف کا سوانحی خاکہ

راولپنڈی سے جنوب کی جانب علاقہ پٹھوار کے ایک چھوٹے سے گاؤں ”بارغ فقیریا“ میں مقیم راجپوت خاندان کی ایک نامور شخصیت مولوی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ۱۵ جولائی ۱۹۳۶ء / ۱۳۵۵ھ کو ایک بچے کی ولادت ہوئی۔ والد گرامی قدر نے نام ”عبدالمعبود“ رکھا۔ بعد میں ایک اللہ والے بزرگ نے اس کی ابتداء میں ”محمد“ کا اضافہ فرما دیا، اس طرح پورا نام محمد عبدالمعبود قرار پایا۔

والد گرامی قدر قطب الاقطاب سیدی و مولائی حسین علی نور اللہ مرتدہؒ، و ان تھجراں، ضلع میانوالی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ شیخ کی تعلیمات اور روحانی فیض سے اللہ تعالیٰ نے شرک و بدعت سے سخت متنفر بنا دیا اور اتباع سنت ان کی عادت بن گئی تھی۔ سخت مخالفت اور نامساعد حالات کے باوجود توحید و سنت کی تبلیغ میں مصروف رہے اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو راہ راست پر لانے میں کامیاب ہو گئے۔

راقم الحروف کے دو بڑے بھائی بھی تھے۔ والد صاحب نے انہیں بھی دینی تعلیم دلانے کی کوشش کی، لیکن پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ میں نے ناظرہ قرآن مجید والد بزرگوار سے پڑھا۔ ڈل تک تعلیم ہائی سکول بندہ، ضلع راولپنڈی سے حاصل کی۔ ۱۹۵۱ء / ۱۳۷۱ھ میں علاقہ سواں، اڈیالہ روڈ پر واقع موضع ”منٹھہ“ کی معروف علمی شخصیت حضرت مولانا احمد دین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں علوم اسلامی کے حصول کی غرض سے حاضر ہوا۔ دو سال ان سے علمی استفادہ کیا۔ فارسی میں گریما، شیخ عطار، گلستان سعدی، بوستان سعدی، اور فقہ میں نور الایضاح اور مالا بدمنہ اور صرف میں قانونیچہ زراعی، زنجانی اور سراج الارواح پڑھیں۔ مولانا موصوف نے بڑی محنت اور حسن تدبیر سے قانونیچہ مرتب فرمایا تھا، جس میں صرف کے علاوہ نحو کے بھی بہت سے

اسم اور مفید قواعد حسن انداز سے سمودینے تھے۔

۱۹۵۳-۵۵ء/۱۳۷۳-۷۴ھ میں موضع بھیس، ضلع چکوال میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ مولانا ظلیل الرحمن ہزار دی سے فتون اور فقہ کی کتب پڑھیں۔ بعد ازاں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان برد اللہ مضجع سے دورہ تفسیر قرآن پڑھا، پھر بقیہ علوم دارالعلوم تعلیم القرآن میں حاصل کیے اور ۱۹۶۸ء/۱۳۸۸ھ میں سند فراغ حاصل کی۔

۱۹۶۰ء/۱۳۷۹ھ میں قلب الزمان، خسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوری طیب اللہ ثراہ و جعل الجہۃ ماود سے شرف بیعت حاصل ہوئی، اور مرشد کے رحلت فرما جانے کے بعد ان کے جانشین اور خلف الرشید حضرت مولانا عبید اللہ انور نور اللہ مرقدہ سے سلوک کی تکمیل کی اور بوساطت صوفی کامل حضرت محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ کے اجازت کی خلعت سے نوازا۔

۱۹۶۳ء/۱۳۸۳ھ میں جامع مسجد پھولوں والی، رحمن پورہ، راولپنڈی میں امامت و خطابت کی خدمت کا موقع اللہ نے دیا۔ اگرچہ ۱۹۹۶ء میں اوقاف کی ملازمت سے ریٹائر ہو گیا، مگر اہل محلقہ کے شدید اسرار کے باعث یکم دسمبر ۲۰۰۶ء تک یہ خدمت انجام دیتا رہا۔ اسی اثناء میں ۱۹۶۸ء/۱۳۸۷ھ کو جمعیت علماء اسلام میں شمولیت اختیار کی، جس کے اس وقت امیر، سیدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ تھے۔ اسی سال یعنی ۱۹۶۸ء میں علوم جدیدہ میں میٹرک اور علوم شرقیہ میں فاضل فارسی کے امتحانات میں کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

جمعیت علماء اسلام میں شمولیت کے بعد ملک میں پاپا ہونے والی قحطی اور سیاسی انتشار یک میں بھرپور حصہ لیا، مثلاً ۱۹۶۸ء/۱۳۸۸ھ میں بحال جمہوریت ۱۹۷۳ء/۱۳۹۳ھ میں تحریک ختم نبوت اور ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ میں تحریک نظام اسلام وغیرہ۔

۱۹۷۳ء/۱۳۹۳ھ میں پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت سے سرفراز فرمایا، جس کے باعث ان مقدس مقامات کی تاریخ لکھنے کا شوق دل میں شعلہ نوا ہوا۔ چنانچہ سفر حج سے واپسی پر تاریخ ”مدینۃ المنورہ“ لکھی، جو اب تک بجز شد ہزار ہا کی تعداد میں چھپ چکی ہے، اور اب اس کا اضافہ شدہ ایڈیشن بھی طبع ہو گیا ہے۔ ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ میں دوسری مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کے دوران بعض مقتدرہ شخصیات سے مکہ مکرمہ اور حرم شریف سے متعلق تاریخی دستاویز حاصل کیں اور اس موضوع پر بعض ناوہ تاریخی کتب خرید لیا، اور تاریخ مکتہ المکرمہ کی تدوین میں

مصر و قہ ہو گیا، جس کی ختم دو جلدیں تارکین کی خدمت میں پیش کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ تیسری جلد، جو نظام تعلیم پر تھی اور عرصہ تک طبع نہ ہو سکی تھی، اب مکتبہ رحمانیہ نے تینوں جلدیں یکجا بعد اضافہ کے شائع کر دی ہیں۔

۱۹۸۰ء/۱۴۰۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ فقید المثل تاریخی کانفرنس میں پاکستان کے پانچ سوچید علماء کرام کی جماعت کے ساتھ ہندوستان کا سفر کیا، جہاں کانفرنس میں شرکت کے علاوہ دارالعلوم دیوبند، سہارنپور اور دہلی کی شہرہ آفاق اسلامی درسگاہوں میں حاضری دی۔ دہلی کے محبوبہ روزگار تاریخی مقامات دیکھے، متعدد اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوا اور بعض تاریخی کتابوں کا ذخیرہ بھی حاصل کیا۔ ۱۹۸۶ء/۱۴۰۶ھ کو دہلی میں ”شیخ الہند سمینار“ میں شرکت کی اور آگرہ کے تاریخی مقامات بھی دیکھے۔

۱۹۸۲-۸۳ء/۱۴۰۲-۰۳ھ میں اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت عطا فرمائی۔ اس سفر کے دوران بعض قدیم اور نایاب تاریخی کتب حاصل کرنے میں کامیاب ہوا، جن کی روشنی میں ”تاریخ مدینۃ المنورہ“ کی تدوین جدیدہ کی۔ پہلے اس کے ۳۸۰ صفحات تھے اور اضافہ کے بعد ۶۸۰ صفحات ہو گئے ہیں۔ بعد میں بھی اللہ تعالیٰ نے حج و عمرہ کی سعادت بار بار نصیب فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائی ہیں۔ بچہ لفظ، قاری اور عالم ہیں۔ بیٹے اپنے مدرسہ جامعہ قاسم العلوم میں اور بیٹیاں جامعہ عائشہ صدیقہ میں تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

اب تک مطبوعہ کتب حسب ذیل ہیں:

- ۱- تاریخ مدینۃ المنورہ
- ۲- تاریخ مکتہ المکرمہ
- ۳- عمدۃ المناسک
- ۴- شاہکل و خصال نبوی
- ۵- سوانح شیخ القرآن
- ۶- نماز کی مکمل کتاب
- ۷- خواتین کی نماز
- ۸- مسائل میت
- ۹- مسلک السادات فی الدعاء بعد المکتوبات
- ۱۰- خواتین کا حج و عمرہ
- ۱۱- عید نبوی میں نظام تعلیم
- ۱۲- سیرت اہمات المؤمنین
- ۱۳- سیرت سید الشہداء سیدنا حمزہ

- ۱۳۔ مسواک کی فضیلت
 ۱۶۔ شاہ کوئین کی شہزادیاں
 ۱۸۔ ایصالِ ثواب کی شرعی حیثیت
 ۲۰۔ عظمت والدین
 ۱۵۔ خواتین کا قیمتی انسائیڈو پیڈیا
 ۱۷۔ بچوں کا اسلامی انسائیڈو پیڈیا
 ۱۹۔ تذکرہ اہل بیت اطہار
 ۲۱۔ خالق عظیم

نگاہِ اولیں

محمد عبدالمعبود عفا اللہ

۱۸ اگست ۲۰۰۶ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبٰی بَعْدَہٗ، اَمَّا بَعْدُ:
 اللہ رب العزت نے سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر اُن کی قلبی تسکین اور اُنس و
 مودت کے لیے حضرت حوا کو پیدا فرمایا، پھر اُن کی اولاد کا سلسلہ قائم فرمایا۔

اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْہَا زَوْجَہَا وَوَسَّ مَیْنُہُمَا
 وَجَنًّا کَثِیْرًا وَّیَسَّاءُ. (سورۃ النساء: ۱)

ترجمہ: جس نے تم کو پیدا کیا ایک شخص سے، اور اسی سے پیدا کیا اس کے جوڑے کو، اور ان
 دونوں سے پھیلایا بہت سے مردوں اور عورتوں کو۔

جب سیدنا آدم اور سیدہ حوا کی اولاد کی تعداد بڑھ گئی اور زمین کے مختلف حصوں میں پھیل
 گئی تو اُن کی باہمی پہچان اور تربط کی خاطر اللہ جل مجدہ نے انہیں قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم کر
 دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

یَا اَیُّہَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقَکُمْ مِنْ ذَکْرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلَکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗئِلَ
 لِتَعَارَفُوْا. (سورۃ الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تمہاری مختلف
 قومیں اور خاندان بنائے، تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرو۔

چنانچہ شعب اور قبائل کا سلسلہ جاری رہا، جن میں انبیاء و اولیاء، سلاطین و رؤساء اور مختلف
 انواع و اقسام کے لوگوں کا تعارف قبائل ہی کے ذریعے ہو رہا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ السَّۃَ خَلَقَ الْخَلْقَ لِجَعَلَنِیْ مِنْ خَیْرِ فِرَقَیْمٍ، وَحَیْرِ الْفِرَقَیْنِ، لِمَ

اس شرف میں برابر کی شریک و ہمکن ہیں۔ ان مقدس ہستیوں کو اہل بیت میں شامل نہ سمجھنا صریح ظلم و زیادتی ہے، بلکہ قرآن و حدیث کی تصریحات سے چشم پوشی اور حقائق سے روگردانی ہے۔ لفظ "آل" تو پوری امت کے اقتیاء کو اپنی وسعتوں میں سمیٹے ہوئے ہے، لیکن بعض لوگ اس کی لامحدود وسعتوں کو صرف "بچپن" میں منحصر کرنے کے درپے ہیں۔ جس طرح آفتاب عالم تاب ساری دنیا کو ضیاء کر رہا ہے، لیکن کوئی ناداں یا شیرہ چشم اس کی تابانی کو اپنے گھر کی چار دیواری میں مقید کرنے کی سعی یا مشکور کرے تو یہ اس کی حماقت ہے۔

آیہ تطہیر "وَنُظَافِرُكُمْ فَتُطَهَّرُونَ" کا سیاق و سباق بڑی صراحت کے ساتھ ازدواج مطہرات ہی کو اس کا مصداق بیان کر رہا ہے۔ اور "حدیث کساء" بھی صراحتاً اسی پر دلالت کرتی ہے کہ اہل بیت کا حقیقی مصداق تو ازدواج مطہرات ہی ہیں۔ لیکن رقیب عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس دعائے "کلی" والی برگزیدہ ہستیوں کو بھی "اہل بیت" میں شامل کر دیا ہے۔

اللَّهُمَّ هُوَلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي. فَأَذْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا.
ترجمہ: اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان سے بھی رخص کو دور کر کے انہیں پاک صاف فرما دے۔

اگر آیت کا مصداق یہی چار ہستیاں ہوتیں تو پھر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ دعا بخود باللہ، بے معنی اور بے تحمل ہو جاتی ہے۔

بہر حال کتاب میں اسے پوری وضاحت و صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت عقل سلیم اور فہم و فراست کی پاکیزگی عطا فرمائیں تو اس مسئلہ کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ ان ہی حقائق کو درود شریف کے مبارک کلمات میں بیان کیا گیا ہے:

اَللّٰہُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ تَحْمِلُنَا مِنْہَا صَلَٰوَتُ عَلٰی
اِبْرَہٰمَہِمْ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَہٰمَہِمْ اِنَّکَ خَمِیْمٌ مُّجِیْدٌ. اَللّٰہُمَّ بَارِکْ
عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ تَحْمِلُنَا مِنْہَا بَارَکَاتُ عَلٰی اِبْرَہٰمَہِمْ وَ عَلٰی
آلِ اِبْرَہٰمَہِمْ اِنَّکَ خَمِیْمٌ مُّجِیْدٌ.

ترجمہ: اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و اولاد پر رحمت نازل فرما، جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی، بے شک تو بڑی شان والا قاطع تعریف

خیر المقابِل فِیْجْعَلُنِیْ مِنْ خَیْرِ الْقَبِیْلَةِ، ثُمَّ خَیْرِ الْبِیْوَتِ، فَجْعَلُنِیْ مِنْ خَیْرِ بَیْوَتِہُمْ، فَاَنَا خَیْرُہُمْ نَفْسًا وَ خَیْرُہُمْ بَیْتًا. (سنن ترمذی، ج ۳، ص ۲۰۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا، اور مجھے ان میں سے بہترین فرشتہ میں پیدا کیا۔ پھر وہ فرقوں کو پسند کیا، پھر قبیلوں میں سے پسند کیا اور مجھے بہترین قبیلہ میں کیا۔ پھر گھروں کو چنا اور مجھے ان میں سے بہترین گھر میں پیدا کیا۔ چنانچہ میں ان سے ذات میں بھی بہتر ہوں اور گھرانے میں بھی۔

اللہ جل مجدہ نے جس طرح آپ ﷺ کے خاندان کو دینی و دنیوی سیادت و قیادت سے سرفراز کیا، آپ ﷺ کے گھرانے کو بھی دنیا جہان کے گھرانوں میں افضل، محترم اور اشرف بنایا۔ چونکہ خاندان متعدد افراد پر مشتمل ہوتا ہے، جس میں ایسی، صلیبی سب افراد پائے جاتے ہیں، خاندان میں موروثی اعلیٰ اور جد اعلیٰ کے افکار و نظریات کے ہم نوا بھی اور اس کے مشن اور کام سے اختلاف رکھنے والے بھی ہوتے ہیں۔ ان کی کسی عملی یا نظریاتی لغزش کے باعث انہیں خاندان کی فہرست سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ انعامات، اکرامات اور نوازشات کی بارش اطاعت گزار اور نظریاتی ہم آہنگی رکھنے والے افراد پر ہی ہوا کرتی ہے۔

جس خاندان کا تذکرہ پیش نظر ہے، اُس کے مورث اعلیٰ اور جد اعلیٰ "باشم" ہیں۔ لیکن اُن کا تعارف سید کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی "عظیم نسبت" سے کرنا چاہیں گے، اور اس معروف اصطلاح "خاندان" کے بجائے "آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم" اور "اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم" جیسی پاکیزہ اور ارفع نسبت سے تذکرہ کیا جائے گا۔

ہم نے قرآن و حدیث کے تناظر میں دیکھا ہے کہ "آل اور اہل بیت" کا استعمال کن معنوں میں ہوا ہے، اور "آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم" اور "اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کن خوش نصیب، ذی وقار اور محترم ہستیوں کو قرار دیا گیا ہے۔ "سیرت اہل بیت الطہار" میں اس پر مفصل اور مدلل بحث کی گئی ہے، جس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لفظ "آل" اپنے وسیع تر معنوں میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان، ازدواج مطہرات، اولاد اطہار، صحابہ کبار اور ہر پرہیزگار متقی آدمی پر محیط ہے، جبکہ "اہل بیت" کی حقیقی اور اصلی مصداق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج مطہرات ہیں، اور انہی کی اولاد یعنی چاروں صاحبزادیوں بھی ان کے ساتھ

ہے۔ اے اللہ! محمد مصطفیٰ اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و اولاد میں برکت عطا فرما، جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل میں برکت عطا فرمائی، بے شک تو بڑی شان والا قاطبِ تعریف ہے۔
اللہ رب العزت ہمیں ان مقدس ہستیوں کی کامل اطاعت اور سچی محبت عطا فرمائے، اور
اس کتاب کو شرفِ قبولیت سے نوازا، جو بے مفید عام بناوے۔

بند ہے نوا

محمد عبدالمعبود عفا اللہ عنہ

آل اور اہل بیت کی توضیح

آل کی لغوی تحقیق

”آل“ کی لغوی تحقیق و تشریح ملاحظہ ہو:

آل کا لفظ اصل میں ”أَهْلٌ“ تھا۔ ہا کو ہمزہ سے بدل دیا اور دو ہمزے ہوئے۔ دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا تو ”آل“ ہو گیا۔
چنانچہ مشہور لغوی محقق علامہ ابن منظور افریقی مصری (م ۱۱۷۰ھ) اس کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں:

وَأَلُّ الرَّجُلِ: أَهْلُهُ: وَاللَّهُ وَالْ رَسُولُ: أَوْلِيَاءُهُ أَصْلُهَا أَهْلٌ. ثُمَّ
أَهْلَبْتُ الْيَمَاءَ هَمْزَةً. فَصَارَتْ فِيهِ التَّضْيِيقُ أَلٌّ. فَلَمَّا تَوَالَتْ الْهَمْزَتَانِ
أَهْلَلُوا الثَّانِيَةَ أَلْفًا. كَمَا قَالُوا أَهْلُوا أَهْلًا وَآخَرُ^(۱).

ترجمہ: آدمی کی آل اس کی اہل و عیال ہوتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی آل ان کے دوستوں کو کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ آل دراصل اہل تھا، پھر ہا کو ہمزہ سے بدل دیا گیا تو آل بن گیا۔ جب لگا تار دو ہمزے آئے تو اہل عرب نے دوسرے ہمزے کو الف میں بدل دیا، جیسا کہ آدم اور آخر میں کیا گیا ہے۔

موصوف مزید لکھتے ہیں:

اهل المذهب، من يدين به و اهل الاسلام من يدين به، و اهل الامر
و لائتہ، و اهل البيت: سُكَّانُهُ، و اهل الرجل: اخصُّ الناس به، و اهل
بيت النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ازواجُهُ و بنَاتُهُ و جِہْرُهُ. اُغْنَى
عَلَيْهَا عَلَيْهِ السَّلَام: و قيل نساء النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
و اهل كل نبي اُمَّتُهُ^(۲).

كُلُّ تَقَى وَهُوَ مِنْ أَهْلِي

ہمایاں آں صدف کہ چتاں پروردگار
آبا از د مکرم و ابنا عزیز تر

ترجمہ: اہل ائمتہ حب اور اہل الاسلام سے مراد مذہب اور اسلام کے پیروکار ہیں۔ اہل الامر سے مراد ارکانِ مملکت ہیں۔ اہل بیت سے مراد گھر میں رہنے والے لوگ ہیں۔ اہل الرجل: کسی آدمی کے خاص تعلق دار، اہل بیت النبی سے مراد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں، آپ ﷺ کی بیٹیاں اور آپ ﷺ کے داماد ہیں۔ داماد سے میری مراد علی علیہ السلام ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل بیت سے مراد صرف آپ ﷺ کی بیویاں ہیں۔ اور آل سے مراد نبی کی امت ہے۔

علامہ محمد بن یعقوب قیروند آبادی (م ۸۱۷ھ) لکھتے ہیں:

أَهْلُ الرَّجُلِ: عَشِيرَتُهُ، وَذُو قُرْبَاهُ..... وَأَهْلُ الْأَمْرِ: وَلَاتُهُ، وَلِلْبَيْتِ: مُكَالَتُهُ، وَلِلْمَذْهَبِ: مَنْ يَدِينُ بِهِ، وَلِلرَّجُلِ: زَوْجَتُهُ، كَأَهْلَتِهِ.

وَلِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَزْوَاجُهُ، وَبَنَاتُهُ وَصِهْرُهُ عَلَى رَضَى اللَّهِ تَعَالَى حَتَّى أَوْ تَسَانَدَهُ وَلِكُلِّ نَبِيٍّ ائِمَّةٌ. (۲)

ترجمہ: آدمی کی اہل اس کا کنبہ، قبیلہ اور رشتہ دار ہیں۔ اور اہل الامر سے مراد ارکانِ مملکت ہیں۔ اہل بیت سے مراد گھر میں رہنے والے لوگ ہیں۔ اور اہل مذہب سے مراد دین کے پیروکار ہیں۔ اور اہل الرجل سے مراد اُس کی بیوی ہے۔ اور اہل النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپ ﷺ کی بیویاں، بیٹیاں اور داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یا اُن کی بیویاں۔ اور آل سے مراد ہر نبی کی امت ہے۔

امام راغب اصفہانی (م ۵۳۸ھ) لکھتے ہیں:

”الْأَهْلُ“ بعض نے کہا ہے کہ ”آل“ اصل میں ”أَهْلٌ“ ہے، کیونکہ اس کی تصریح ”أَهْلٌ“ آتی ہے۔ مگر اس کی اضافت ناظمین انسان میں سے ہمیشہ ”عَظْمٌ“ کی طرف ہوتی ہے۔ کسی اسم کمر، یا زمانہ یا مکان کی طرف اس کی اضافت جائز نہیں ہے۔ اس لیے آل ثنان (عِظْمٌ) تو کہہ سکتے ہیں، مگر آل رجل۔ آل زمان کذا و آل مکان کذا بولنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ہمیشہ صاحب شرف اور افضل ہستی کی طرف متضاف ہوگا، اس لیے آل الخياط بھی نہیں کہہ سکتے، بلکہ آل اللہ یا آل السلطان کہا جائے گا۔ مگر اہل کذا کا لفظ مذکورہ بالا میں سے ہر ایک کی طرف منسوب ہو کر آ جاتا ہے۔ چنانچہ جس طرح اہل زمن کذا و بلد کذا بولا جاتا ہے، اسی طرح اہل اللہ و اہل الخياط بھی کہہ سکتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ لفظ ”آل“ دراصل بمعنی شخص ہے۔ اس کی تصریح ”أَوْصِلُ“ آتی ہے، اور

یہ اس شخص کے متعلق استعمال ہوگا جس کو دوسرے کے ساتھ ذاتی تعلق ہو، مگر قرینی و رشتہ داری یا تعلق والا ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

وَأَنَّى يُؤْذِيهِمْ وَآلٌ عِزٌّ زَانٌ.

ترجمہ: خاندانِ ابراہیم اور خاندانِ عمران۔

أَذْخِلُوا آلَ لُحْيَانَ أَشَدَّ الْعَذَابِ.

ترجمہ: فرعون والوں کو نہایت سخت عذاب میں داخل کر دو۔ (۳)

”آل“ قرآنی تناظر میں

اللہ جل مجدہ نے اپنے کلام مقدس میں لفظ ”آل“ تقریباً پچیس مرتبہ استعمال فرمایا ہے، اور ہر ایک مرتبہ کسی معرّف و مشہور شخصیت کے ساتھ بطور متضاف استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ فرعون کے ساتھ اس لفظ کو چودہ مقامات پر بیان فرمایا ہے، ”آل لُحْيَانَ“:

۱۔ سورۃ البقرۃ: ۳۹۔ ۲۔ سورۃ البقرۃ: ۵۰۔

۳۔ سورۃ آل عمران: ۱۱۔ ۴۔ سورۃ الاعراف: ۱۳۰۔

۵۔ سورۃ الاعراف: ۱۴۱۔ ۶۔ سورۃ الانفال: ۵۲۔

۷۔ سورۃ الانفال: ۵۴ (دو مرتبہ)۔ ۸۔ سورۃ ابراہیم: ۶۔

۹۔ سورۃ القصص: ۸۔ ۱۰۔ سورۃ المؤمن: ۲۸۔

۱۱۔ سورۃ المؤمن: ۳۵۔ ۱۲۔ سورۃ المؤمن: ۳۶۔

۱۳۔ سورۃ القمر: ۴۱۔

● سیدنا لوط علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا لوط علیہ السلام کے ساتھ لفظ آل کو قرآن مجید میں چار مقامات پر بیان کیا گیا ہے:

۱۔ سورۃ الحجر: ۵۹۔ ۲۔ سورۃ الحجر: ۶۱۔

۳۔ سورۃ النمل: ۵۶۔ ۴۔ سورۃ القمر: ۳۳۔

● سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نام کے ساتھ صرف ایک مرتبہ سورۃ آل عمران: ۳۳ میں لفظ

”آل“ استعمال ہوا ہے۔

• سیدنا یعقوب علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا یعقوب علیہ السلام کے نام کے ساتھ ”آل“ دو مرتبہ آیا ہے:

۱۔ سورۃ یوسف: ۶۔ ۲۔ سورۃ مریم: ۶۔

• سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ ”آل“ ایک مرتبہ سورۃ البقرہ: ۲۴۸ میں آیا ہے۔

• سیدنا ہارون علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا ہارون علیہ السلام کے ساتھ سورۃ البقرہ: ۲۴۸ میں ایک مرتبہ لفظ ”آل“ آیا ہے۔

• سیدنا داؤد علیہ السلام کے ساتھ

سیدنا داؤد علیہ السلام کے ساتھ لفظ ”آل“ ایک مرتبہ سورہ سبأ: ۱۳ میں آیا ہے۔

• سیدہ مریم علیہا السلام کے ساتھ

سیدہ مریم بنت عمران کے واقعہ میں سورۃ آل عمران: ۳۳ میں لفظ ”آل“ ایک مرتبہ

آیا ہے۔

مذکورہ بالا تمام آیات میں سیاق و سباق اور شان نزول کے مطابق لفظ ”آل“ گروہ،

براعت، اتباع و انصار، پیروکار، قوم اور حمایت کے معنی و مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ بعض آیات

میں اولاد کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے، لیکن وہاں بھی اتباع اور پیروی کا وصف زیادہ نمایاں

ہے۔ لیکن پورے قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی صرف اولاد یا رشتہ دار کی وجہ سے ”آل“ کا

اطلاق نہیں کیا گیا۔

اسی طرح لفظ ”آل“ میں بیوی بھی شامل ہے۔ جیسا کہ سیدنا لوط علیہ السلام کے واقعہ میں

بیوی کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

إِلَّا آلَ لُوطٍ حَاطًا إِنَّهُ صَبَحَ نَجْمٍ مِّنْ نَّجْمٍ. (سورۃ الحجر: ۵۹-۶۰)

اگر لفظ ”آل“ میں بیوی شامل نہ ہوتی تو استثناء کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا:

لَا تَقْطَعُ آلُ هَارُونَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَذَابٌ وَخِزْيَانٌ. (سورۃ القصص: ۸)

ترجمہ: فرعون کی بیوی آسیہ نے دریا سے موسیٰ کو نکالا۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں لفظ ”آل“ سیدنا ابراہیم، سیدنا لوط، سیدنا یعقوب، سیدنا موسیٰ،

سیدنا ہارون اور سیدنا داؤد علیہم السلام کے ساتھ تو استعمال ہوا ہے، یعنی آل ابراہیم، آل لوط، آل

یعقوب اور آل موسیٰ وغیرہ، لیکن پورے قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی

کے ساتھ استعمال نہیں کیا گیا۔ ”آل محمد“، آل نبی یا آل رسول قرآنی اصطلاح نہیں ہے۔

آل رسول ﷺ

سیدنا قاسم ثمود کہتے ہیں:

”آل رسول“ رسول کی اولاد، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے تعلق رکھنے

والے لوگ۔ ”آل“ ایک وسیع المعنی لفظ ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اس لفظ کے آجانے

سے اس کے معنی قوم، اولاد، خاندان اور وارث کے مشہور ہیں، جیسا کہ آل ابراہیم، آل عمران،

آل لوط، آل ہارون اور آل فرعون وغیرہ قرآنی تراکیب سے ظاہر ہے۔

علمائے اسلام نے آل رسول کو دو طرح بیان کیا ہے: ایک جسمانی، جس کا تعلق ماضی سے

ہے، اور دوسرے روحانی، جس کا تعلق حال سے ہے۔ ایک گروہ ماضی کے تعلق سے آل رسول کا

معنی پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و آپ کی نخب جگر سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا،

آپ ﷺ کے داماد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ کے دونوں نواسے: سیدنا حسن

ابن علی اور سیدنا حسین ابن علی کی ذات والا صفات قرار دیتا ہے۔

پھر اسی کے ساتھ ہی اسی نقطہ نظر کا ایک اور گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم بچپا

سیدنا عباس بن عبدالمطلب، آپ کی اولاد اور سیدنا علی ابن ابی طالب کے دونوں بڑے بھائیوں:

سیدنا عقیل ابن ابی طالب اور سیدنا جعفر طیار ابن ابی طالب اور ان کی اولاد کو بھی آل رسول قرار

دیتا ہے۔

اب رہے وہ لوگ جو اس لفظ کے روحانی پیلو کو نکاہوں کے سامنے رکھتے ہیں، ان کے

خود یک علاوہ ان پاکیزہ نفوس کے رجن کی تعظیم کرنا ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی تمام امت یعنی فرزندانِ توحید، ملتِ اسلامیہ پر آل رسول کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور ان

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد تمام قریش ہیں، جیسا کہ ابن رافعہ نے "الکفایہ" میں کہا ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ آل سے آپ ﷺ کی ساری اطاعت گزار امت ہے۔ (۹)

علامہ احمد بن حجر المہندی (م ۸۵۹ھ) فرماتے ہیں:

آپ تطہیر میں "اہل بیت" سے مراد اہل بیت سکنی ہیں، مثل آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے۔ اور آپ ﷺ کے اہل بیت نسب تمام بنی ہاشم اور مطلب ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

وَأَنَا مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ الَّذِينَ أَذْهَبَ اللَّهُ عَنْهُمْ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيرًا.
تو یہ اہل بیت سکنی مراد ہیں۔

اور امام مسلم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے:

إِنَّهُ لَمَّا سَأَلَ أَنَسَؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، فَقَالَ نِسَاؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ وَلَكِنْ أَهْلُ بَيْتِهِ مِنْ حَرَمِ اللَّهِ الصَّدَقَةِ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: جب ان سے پوچھا گیا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اہل بیت میں سے ہیں؟ انہوں نے کہا، جی ہاں، آپ ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں سے ہیں، لیکن اہل بیت وہ بھی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کی آل بیت سکنی ہیں، ان کی عزت و تکریم اور خصوصیات کی بنا پر۔ مگر وہ نسب کی وجہ سے آل بیت نہیں ہیں۔ اور اہل بیت وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ (۱۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) رقم طراز ہیں:

"اہل بیت" کا اطلاق چند معنوں میں ہوتا ہے:

(۱) وہ لوگ جن پر زکوٰۃ کھانا حرام ہے۔ اور یہ بنو ہاشم ہیں، جو آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث پر مشتمل ہیں۔

(۲) کبھی یہ لفظ "اہل بیت" اہل و عیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوا ہے، جو خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو بھی شامل ہیں، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو اہل بیت سے اکالنا جنگ کرتا ہے، اور آیت کریمہ کے سیاق کے خلاف بھی ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا.

کیونکہ اس آیت میں ابتدا سے آخر تک ازواج مطہرات ہی کو خطاب کیا گیا ہے، لہذا درمیان سے ان پاک بیویوں کو آیت کے مصداق سے خارج کرنا کلام اللہ کی ترتیب کے بالکل خلاف ہے۔

امام فخرالدین رازی کہتے ہیں کہ یہ آیت تو نازل ہی ازواج مطہرات کے حق میں ہوئی ہے، کیونکہ آیت کا سیاق و سباق اس پر دلالت کرتا ہے، اس لیے ازواج مطہرات کو اس آیت کے مصداق سے خارج کرنا اور دوسروں کا خصوص کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اہل بیت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اور اولاد ہیں۔ حسن اور حسین بھی ان میں شامل ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔ کیونکہ سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی بود و باش تھی اور ان ہی کے ساتھ زندگی بسر فرمائی۔

(۳) اور کبھی "اہل بیت" کا مصداق سیدہ فاطمہ زہراء، سیدنا علی، حسن و حسین ہوتے ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہؓ کے گھر کے پاس سے نماز فجر کے لیے گزرے تو فرمایا:

الصَّلَاةُ بِأَهْلِ الْبَيْتِ، إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا.

اس روایت کو ترمذی اور ابن شیبہ نے روایت کیا ہے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی کہ خادم نے اطلاع دی کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما دروازہ پر اجازت کے لیے کھڑے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا، پردہ میں ہو جاؤ۔ پس میں گھر کے اندر ایک طرف ہو گئی۔ پھر وہ حضرات اندر آئے۔ حسن اور حسینؓ کو آپ ﷺ نے اپنے پاس بٹھا لیا۔ پھر ایک ہاتھ سے حضرت علیؓ اور دوسرے ہاتھ سے حضرت فاطمہؓ کو پکڑ کر آپس میں قریب کر لیا۔ اس وقت آپ ﷺ ایک سیاہ چادر اوڑھے ہوئے تھے وہ ان پر ڈالی دی اور فرمایا:

"خداوند! یہ سب میرے اہل بیت ہیں، میں اور میرے اہل بیت تیرے حضور

حاضر ہوئے ہیں، نہ کہنا کہ جنم کی طرف گئے ہیں۔"

(۴) "اہل بیت" کا اطلاق ان چار تین پر مشہور و معروف ہے: علی، فاطمہ، حسن و حسین

رضی اللہ عنہما۔

علماء کرام ان روایات، اطلاعات اور اقوال میں تطبیق اور توجیہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "بیت" کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ بیت نسب

۲۔ بیت سکنی

۳۔ بیت ولادت

لہذا عبدالمطلب کی اولاد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے "اہل بیت نسب" ہیں۔ ازواج مطہرات "اہل بیت سکنی" ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد شریف "اہل بیت ولادت" ہیں۔ اور اہل بیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد شامل ہے۔ ان میں سے خاص کر حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات فضل و کرامت اور محبت کے لحاظ سے زیادہ ممتاز اور مخصوص ہیں۔ (۱۱)

قرآنی تصریحات

قرآن مجید کا محاورہ بھی یہی ہے کہ اہل بیت کے مفہوم میں زوجہ اصالہ داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا، جب فرشتوں نے انہیں فرزند اور جنت کی بشارت سنائی، ان کو حیرانہ سالی میں اس بشارت پر تعجب ہوا تو فرشتوں نے کہا:

﴿تَسْمِعِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ وَخُفِيَ اللَّهُ وَبَرَكْهُ عَلَيْهِمْ أَهْلُ الْبَيْتِ طَائِفَةٌ خَبِيرَةٌ مَجِيدَةٌ﴾ (سورۃ ہود: ۷۳)

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو "اہل البیت" کہا گیا ہے، یعنی گھروالی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا:

﴿قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ فَأَرَا﴾ (سورۃ طہ: ۱۰)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہیں، "لاہلہ"۔

دوسری آیت میں ہے:

﴿إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا﴾ (سورۃ نمل: ۷)

سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ہے:

﴿قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ﴾ (سورۃ یوسف: ۲۵)

زلیخانے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا، "بأهلك" تیری بیوی۔

اللہ رب العزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہیں:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (سورۃ طہ: ۱۳۳)

"أهلك" اپنے گھروالوں کو۔

احادیث کے آئینہ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں بھی "أهل" کا اطلاق بیوی پر کیا گیا ہے۔

۱۔ إذا وقع الرجل باهله وهي حائض. (۱۲)

ترجمہ: حیض کی حالت میں بیوی سے جماع کیا۔

۲۔ ان من اكمل المؤمنين ایمانا احسنهم خلفا والطفیہم باہلہ. (۱۳)

ترجمہ: بے شک کامل ایمان والا وہ آدمی ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور اپنی بیوی کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔

۳۔ لوجود عند اہلہ وجلا فرائی بعینہ وسمع باذنہ. (۱۴)

ترجمہ: پس اس نے بیوی کے پاس ایک آدمی کو پایا، اس کی آنکھوں نے دیکھا اور کان سنے سنا۔

۴۔ اذا انی احدکم اہلہ فلیستر. (۱۵)

ترجمہ: تم میں سے جب کوئی آدمی اپنی بیوی کے پاس آئے تو پردہ کر لے۔

۵۔ هل منکم الرجل اذا انی اہلہ فاعلق علیہ بابہ. (۱۶)

ترجمہ: تم میں سے جب کوئی آدمی اپنی بیوی کے پاس آئے تو دروازہ بند کر لے۔

۶۔ خیر کم خیر کم لاهلہ وانما خیر کم لاهلی. (۱۷)

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہو، اور میں تم سب سے زیادہ اچھا

ہوں اپنی بیوی کے ساتھ۔

۷۔ اِنَّ لَا اَہْلَکَ عَلَیْکَ حَقًّا (۱۸)

ترجمہ: بے شک تجھ پر تیری بیوی کا حق ہے۔

۸۔ رَقَعْتُ بِاَہْلِی فِی رَمَضَانَ (۱۹)

ترجمہ: رمضان کے روزہ کی حالت میں بیوی سے میں نے صحبت کر لی۔

۹۔ یَشْکُو اِلَیْہِ اَنَّهُ وَجَدَ مَعَ اَہْلِهِ رَجُلًا (۲۰)

ترجمہ: ایک آدمی نے شکایت کی کہ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ غیر آدمی کو دیکھا ہے۔

۱۰۔ فَاَرَادَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ مَنَیْعًا مَا یُرِیدُ الْمَرْجُلُ مِنَ الْاَہْلِ (۲۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت صفیہؓ کے) پاس جانے کا ارادہ فرمایا، جس طرح مرد اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج کے لیے بھی لفظ ”اَہْلٌ“ استعمال ہوا ہے۔

۱۱۔ حَبِ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ سَیِّدَہٗ عَاکَشَہٗ صَدِیقَہٗ طَہْرَہٗ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا پَرِ مَہْا نَقِیْنِیْنَ فِی الْاَوَامِ تَرَا شِیْءَیْ تُو رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ نَے سَحَابَہٗ سَے مَشُوْرَہٗ طَلَبَ فرمایا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ اور اسامہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ فرمایا:

یَسْتَشِیْرُہُمَا فِی فِرَاقِ اَہْلِہٖ۔

ترجمہ: ان دونوں سے اپنی بیوی کے جدا کرنے کے متعلق مشورہ فرمایا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے:

یَا رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ اَہْلَکَ وَ مَا نَعْلَمُ اِلَّا خَیْرًا (۲۲)

ترجمہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بیوی (عاکشہؓ) کے متعلق ہم بھلائی اور خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے۔

ان حضرات سے مشورے طلب کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف

فرما ہوئے اور فرمایا:

یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ مَنْ یَعْذُرْنِیْ مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغْنِیْ اِذَاہُ فِیْ اَہْلِ

بَیْتِیْ۔ فَاِنَّ اللہَ مَا عَلِمْتَ مِنْ اَہْلِیْ اِلَّا خَیْرًا (۲۳)

ترجمہ: اے مسلمانو! اس شخص سے کون بدلہ لے گا جس نے میری ”اہل بیت“ کے متعلق مجھے اذیت دی ہے۔ خدا کی قسم! میں اپنی بیوی کو یا کیا زاہر نیک ہی سمجھتا ہوں۔

”مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

اَشِیْرُوْا عَلَیْیَ فِیْ اَنَامِ اِبْنِوْا اَہْلِیْ۔ وَ اِیْمَ اللہِ مَا عَلِمْتُ عَلَیْ اَہْلِیْ

مِنْ سُوْءٍ قَطُّ۔ وَ اِبْنُوْہُمْ بِمَنْ۔ وَ اللہُ مَا عَلِمْتُ عَلَیْہِ مِنْ سُوْءٍ قَطُّ۔ وَ لَا

دَخَلَ بَیْتِیْ قَطُّ اِلَّا وَاَنَا حَاضِرٌ۔ وَ لَا غَبْتُ فِیْ سَفَرٍ اِلَّا غَابَ مَعِیْ۔ (۲۴)

ترجمہ: مجھے ان لوگوں کے متعلق مشورہ دیں جنہوں نے میرے گھر والوں پر جہمت لگائی۔ اللہ کی قسم! میں اپنی گھر والی میں قطعاً کوئی برائی نہیں جانتا۔ اور جس شخص کے متعلق جہمت لگائی ہے، اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی، اور نہ ہی کبھی وہ میرے گھر میں آیا مگر میری موجودگی میں۔ اور جب میں سفر میں گیا تو وہ بھی سفر میں گیا۔

ان تمام احادیث میں اَہْلٌ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اور ”اَہْلٌ اَلْبَیْتِ“ کا لفظ صراحۃً ازواج مطہرات کے لیے استعمال ہوا ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات سب سے پہلے شامل ہیں، اور یہی اصلی اور حقیقی مصداق ہے۔

آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

احادیث طیبہ میں ”آل محمدؐ“ کا اطلاق صراحۃً ازواج مطہرات پر بھی پایا جاتا ہے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰہُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قَوْتًا (۲۵)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے کئی مرتبہ یہ فرماتے سنا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ مُحَمَّدٌ بَیْدَہٗ مَا اصْبَحَ عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ صَاعٌ خَبِثٍ

وَلَا تَمْنَحُ۔ (۲۶)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس صبح کو ایک صاع نلہ یا کھجور کا بھی نہیں ہے۔

(۳) عن عائشة قالت: ما شبع آل محمد ﷺ منذ قدم المدينة من طعام بر ثلاث لبال تباعا حتى قبض. (۳۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ کے دس سال تک کبھی بیٹ بھر کھا نہیں کھایا۔

(۴) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما شبع آل محمد من خبز شعير يومين متتابعين حتى قبض رسول الله ﷺ. (۳۸)

ترجمہ: دو دن تک تمنا ترک کی روٹی سے حضرت محمد ﷺ کے گھر والے سیر نہیں ہوئے۔

(۵) سیدہ بنی سے روایت ہے:

ما شبع آل محمد من خبز بر فوق ثلاث. (۳۹)

ترجمہ: تین دن سے زیادہ آل محمد ﷺ گندم کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے۔

(۶) ام المومنین فرماتی ہیں:

ان كنت آل محمد ﷺ لست مكث شهرا ما نستوقد بنارا نوا الا النور والماء. (۴۰)

ترجمہ: ہم آل محمد ﷺ کا یہ حال تھا کہ مہینہ مہینہ تک گزر جاتا تھا اور آگ نہ لگاتے تھے، صرف کھجور اور پانی پر گزارا تھا۔

(۷) قال رسول الله ﷺ لا تضربوا اماء الله فاجاء عمر الى رسول الله ﷺ فقال ذنوب النساء على ازواجهن لم يخص في ضربهن فاطاف بال رسول الله ﷺ نساء كثير يشكون ازواجهن فقال النبي ﷺ لقد طاف بآل محمد نساء كثير يشكون ازواجهن ليس اولنك بخياركم. (۴۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کی بندویں کو نہ پیڑ۔ پھر حضرت عمر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس عرض کیا، عورتیں اپنے خاوندوں پر جری ہو گئی ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں مارنے کی اجازت دی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں بہت سی عورتیں اپنے

خاوندوں کا شکوہ لے کر آئیں۔ پس نبی ﷺ نے فرمایا، بہت سی عورتیں آل محمد ﷺ (ختم رسالت کی ازواج) کے ہاں آئی ہیں جو اپنے خاوندوں کا شکوہ کرتی ہیں، وہ مرد تبارے اچھے لوگ نہیں۔

مذکورہ بالا تمام احادیث میں ازواج مطہرات ہی کو "آل محمد ﷺ" کہا گیا ہے۔ ان میں نہ تو سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں شامل ہیں اور نہ ہی حضرات حسنینؑ و کریمینؑ۔

(۸) عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے، آپؐ نے بیان کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے عثمانؓ کو ابو بکرؓ کے پاس بھیجا (جب وہ خلیفہ ہوئے) اور ان سے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی، اس میں سے ان کے حصے ملنے چاہئیں۔

لیکن میں نے انہیں روکا اور ان سے کہا تم خدا سے نہیں ڈرتیں؟ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں فرمایا تھا کہ ہماری میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس ارشاد میں خود اپنی ذات کی طرف تھا:

انما ياكل آل محمد في هذا المال فانتهى ازواج النبی ﷺ الى ما اخبرنيهن. (۴۲)

ترجمہ: البتہ آل محمد ﷺ کو اس جائیداد میں سے (سابق کی طرح ان کی ضروریات کے لیے) ملنا ہے، جب میں نے ازواج مطہرات کو حدیث سنائی تو انہوں نے اپنی رائے بدل دی۔

(۹) "آل محمد ﷺ" سے ازواج مطہرات اور ذریت بھی مراد ہیں۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو درود شریف پڑھنے کا حکم فرمایا:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ تَحْمِلُكَ صَلَاتُكَ عَلَى اَبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اَبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَبِيْبُهُمْ مُّجِيْبٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ تَحْمِلُكَ بَارِكُكَ عَلَى اَبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اَبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَبِيْبُهُمْ مُّجِيْبٌ.

ترجمہ: اے اللہ! اپنی رحمت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے گھر والوں پر، جس طرح تو نے رحمت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں پر، بیشک تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے گھر والوں پر، جس طرح تو نے رحمت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں پر، بیشک تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے گھر والوں پر، جس طرح تو نے رحمت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے گھر والوں پر، بیشک تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔

وسلم اور آپ ﷺ کے گھر والوں پر، جس طرح تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں پر، بے شک تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

”اس ورد و شریف میں ”آل“ کا لفظ چار وند آیا ہے۔ ہم نے اس کا ترجمہ ”گھر رانے والوں“ کیا ہے۔ عربی زبان اور خاص کر قرآن و حدیث کے استعمالات میں کسی شخص کی آل ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ان لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو۔ جیسے اس کی بیوی، بچے یا رفاقت اور عقیدت و محبت اور اتباع و اطاعت کا، جیسے کہ اس کے مشن کے خاص ساتھی اور خیمین و متبعین۔ اس لیے نفس لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

بہرحال اس عاجز کے نزدیک رائج یہی ہے کہ ورد و شریف میں ”آل محمد“ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریت مراد ہے۔ اور اسی طرح آل ابراہیم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر والے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: **وَرَحِمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ط إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ** بلاشبہ آل ابراہیم ونبی ہیں جن کو اس آیت میں اہل البیت فرمایا گیا ہے۔“ (۲۳)

(۱۰) عن ابی حمید الصاعدي انہم قالوا یا رسول اللہ ﷺ کیف نصلی علیک؟ قال رسول اللہ قولوا اللّٰهُمَّ صَلِّ علی محمد و ازواجه و ذریئہ کما صلیت علی آل ابراہیم۔ و بارک علی محمد و ازواجه و ذریئہ کما بارکت علی آل ابراہیم انک حمید مجید۔ (۲۳)

ترجمہ: صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ ﷺ پر کس طرح درود بھیجیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح کہو، اے اللہ! محمد ﷺ، آپ ﷺ کی ازواج اور آپ ﷺ کی نسل پر اپنی رحمت نازل کر، جیسا کہ تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل کی۔ اور محمد ﷺ، ان کی ازواج اور ان کی نسل پر برکت نازل کر، جیسا کہ تو نے آل ابراہیم پر برکت نازل کی۔ بلاشبہ تو ستودہ صفات پاک ہے۔ (۲۵)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ ازواج مطہرات بھی آل محمد میں داخل ہیں، اور اسی طرح ذریت میں بھی داخل ہیں۔ بلکہ اسل متفقہاً لغت یہ ہے کہ ازواج تو آل محمد میں اصلاً داخل ہوں اور ذریت میں جہاں داخل ہوں، کیونکہ آل کہتے ہیں اہل بیت کو، یعنی گھر والوں کو، اور گھر والوں کے مشہور میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے۔ پس یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ ذریت تو آل میں داخل ہو اور ازواج داخل نہ ہوں۔“ (۲۲)

ہر متقی آل ہے

”آل محمد“ صلی اللہ علیہ وسلم سے متقی، پرہیزگار اور پاکیزہ اتنی بھی مراد ہیں۔ بیہما کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱۱) ان السبی صلی اللہ علیہ وسلم لما سئل عن الآل. قال: آل محمد کل تقی. (۲۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ”آل“ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، ہر متقی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔

امام نووی (م ۶۷۶ھ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرماتے ہیں:

(۱۲) انه سئل من آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال: کل مومن تقی. (۲۸)

ترجمہ: آپ سے دریافت کیا گیا، آپ ﷺ کی آل کون لوگ ہیں؟ فرمایا، ہر متقی مسلمان میری آل ہے۔

(۱۳) علامہ جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں روایت نقل کی ہے کہ ابن مردودہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، آپ ﷺ کی آل کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

مکل مومن. (۲۹)

ترجمہ: ہر ایماندار میری آل ہے۔

آل، وہ جن پر صدقہ حرام

”آل“ میں وہ سب لوگ شامل ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱۳) عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذکرکم اللہ فی اہل بیٹی۔ فقیل لزیّد رضی اللہ عنہ، ومن اہل بیئہ؟ ائیس لساؤہ بمن اہل بیئہ؟ قال: لساؤہ من اہل بیئہ، ولكن اہل بیئہ من حرم الصدقة بعده آل علی، وآل عقیل، وآل جعفر، وآل عباس۔ (۳۰)

ترجمہ: میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟ فرمایا، آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے ہیں۔ اور وہ سب اہل بیت میں سے ہیں جن پر آپ ﷺ کے بعد صدقہ خیرات حرام ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، وہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا، حضرت علی کا خاندان، حضرت عقیل کا خاندان، آل جعفر اور آل عباس کا خاندان۔

(۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان هذه الصدقات. انما هي اوساخ الناس، وانما لاتحل لمحمد ولا لآل محمد۔ (۳۱)

ترجمہ: بے شک یہ صدقات لوگوں کے میل ہیں، اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کی آل کے لیے حلال نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک جو ہاشم اور بنو مطلب پر صدقہ حرام ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا قول ہے کہ صدقہ صرف بنو ہاشم پر حرام ہے۔ (۳۲)

قاضی غیاث رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت عباس کی اولاد اہل بیت میں شامل ہیں۔ (۳۳)

(۱۶) حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صغریٰ میں صدقہ کی کجور منہ میں ڈال لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے ان کے منہ سے کجور نکال دی اور فرمایا:

انا آل محمد لاتحل لنا الصدقة۔ (۳۴)

ترجمہ: ہم آل محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔

(۱۷) حضرت عبید اللہ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارقم بن ارقم زہری رضی اللہ عنہ کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ لے جانا چاہا۔ لیکن ابوہریرہ آپ ﷺ کی خدمت میں اجازت لینے کو حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يا ابا ارقم، ان الصدقة حرام علی محمد و علی آل محمد۔ وان مولی القوم منهم۔ (۳۵)

ترجمہ: اے ابوہریرہ! مجھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد پر صدقات حرام ہیں، اور آؤاد کردہ قلم بھی اسی قوم کے حکم میں ہوتا ہے۔

(۱۸) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنو ہاشم کے دونوں جوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ہمیں صدقات وصول کرنے کی خدمت پر مامور فرمائیں، تاکہ ہم بھی دوسروں کی طرح فائدہ اٹھا سکیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا آل محمد لاتحل لنا الصدقة. وهي اوساخ الناس۔ (۳۶)

ترجمہ: بے شک ہم آل محمد کے لیے صدقہ حرام ہے۔ یہ صدقات لوگوں کے گناہوں کا میل ہوتا ہے۔

(۱۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نوفل بن حارث نے اپنے دو بیٹوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ آپ ﷺ سے صدقات کے مال سے کچھ تعاون حاصل کریں، تاکہ گھریلو ضروریات پوری کی جا سکیں۔ دو دونوں آپ ﷺ کے دروہوت پر حاضر ہوئے اور گھر میں آنے کی اجازت چاہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ سے فرمایا، پر وہ کر لین، میرے چچا کے بیٹے آ رہے ہیں۔ ان دونوں نے اپنی ضرورت کا ذکر

کیا، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یحل لکمما اهل البيت من الصدقات شئنی۔ ولا غسالة یدئ الناس۔ (۳۷)

گدشتہ احادیث میں ”اہل بیت“ سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکباز بیوی ہونا صراحتاً ثابت ہو چکا ہے۔ اسی طرح ایسی متعدد احادیث پائی جاتی ہیں جن میں ”اہل بیت“ سے مراد صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات لی گئی ہیں، ان میں بیٹیاں وغیرہ کوئی بھی شامل نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا، لوگ کھانا کھا کر چلے گئے، مگر تین آدمی دیر تک بیٹھے یا تم کرتے رہے۔

فخرج البی صلی اللہ علیہ وسلم فانطلق الی حجرۃ عائشۃ۔ فقال السلام علیکم اهل البيت ورحمة اللہ۔ فقالت وعلیک ورحمة اللہ کیف وجدت اهلک۔ بارک اللہ لک۔ (۳۸)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے گھر سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: ”اے اہل بیت!“ تم پر اللہ کی سلامتی اور رحمت نازل ہو۔ حضرت عائشہؓ نے جواب میں عرض کیا، اور آپ ﷺ پر بھی اللہ کی سلامتی اور رحمت ہو۔

”کیف وجدت اهلک“ آپ ﷺ نے اپنی بیوی کو کیا پایا؟ اللہ آپ ﷺ کو برکت عطا فرمائے۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے:

فجعل یمر علی نساءہ فیسلم علی کل واحدة متھن سلام علیکم کیف انتم یا اهل البيت فیقولون بخیر یا رسول اللہ، کیف وجدت اهلک، فیقول بخیر۔ (۳۹)

ترجمہ: پھر آپ ﷺ ہر ایک بیوی کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک کو سلام کیا۔ اے اہل بیت! تم کیسی ہو؟ سب نے یہی کہا، یا رسول اللہ ﷺ! ہم خیریت سے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی بیوی کو کیا پایا؟ ارشاد فرمایا، خوب ہے۔

حدیث کساء

حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور اپنی کھلی میں بٹھا لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے تھے، ان پر بھی چادر ڈال دی اور اللہ کے حضور عرض کیا:

”یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے گناہ کی شجاست دور کر دے، اور ان کو خوب پاک کر دے۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تم اپنی جگہ رہو، تم خیر پر ہو۔ (۵۰)

حدیث کساء کی کسی محقق نے انتہائی نفیس تخریج فرمائی ہے۔ علمی ذوق رکھنے والے احباب کے لیے نقل کیا جاتا ہے۔

وروی عن انس وعائشۃ وام سلمۃ نحو ذلک۔

اصل الحديث. ورد عن جماعة من الصحابة،

(۱) حدیث ام سلمہ، ولہ طرق متعددہ: الاول: أخرجه الطحاوی فی ”المشکل“ ۷۶۶ من طریق الأجلح عن شہر بن حوشب عن أم سلمة، وعبد الملك عن عطية عن أم سلمة. وإسناده حسن في الشواهد، الأجلح هو ابن عبد الله، وثقه قوم، وضعفه آخرون، وقد تابعه عبد الملك بن أبي سليمان، وهو ثقة، لكن لم يسمع عطية من أم سلمة. وأخرجه أحمد ۶/۳۰۳ والترمذی ۳۸۷۱ والطبرانی ۴۳ (۷۶۹) عن زبید بن الحارث عن شہر عن أم سلمة. وإسناده لين لأجل شهر. الطريق الثاني: أخرجه الطحاوی ۷۸، والطبری ۲۸۳۹۵ و ۲۸۳۹۷ من طريق عطية العوفی عن أبي سعيد عن أم سلمة. وإسناده واه لأجل عطية العوفی. الطريق الثالث: أخرجه الطحاوی ۷۶۵ و ۷۷۲، من طريق عمرة بنت أفعی عن أم سلمة. وإسناده ضعيف لجيالة عمرة. الطريق الرابع: أخرجه الطحاوی ۷۳، والطبری ۲۸۳۹۸ من طريق عبد الله بن وهب بن زمعة. وإسناده ضعيف، فيه خالد بن مخلد القطواني، غير

حجة، و موسى بن يعقوب سىء الحفظ. الطريق الخامس: أخرجه الطحاوى ۷۶۲ والطبرى ۲۸۵۰۲ والطبرانى ۲۳ (۷۵۰). وإسناده ضعيف، فيه عننة الأعشى، وهو مدلس، وفيه جعفر بن عبد الرحمن البجلي، وهو شبه مجهول، حيث وثقه ابن حبان وحده. الطريق السادس: أخرجه الطبرى ۲۸۴۹۶ من طريق سعيد بن زريق عن ابن سيرين عن أبى هريرة عن أم سلمة. وإسناده ضعيف لضعف سعيد بن زريق، ولفظه عند الترمذى: عن أم سلمة أن النبى ﷺ جلى على الحسن والحسين وعلی و فاطمة كساء، ثم قال: اللهم هؤلاء أهل بيتى وخاصتى أذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيراً، فقالت أم سلمة: وأنا معهم يا رسول الله قال: إنك إلى غير. قال الترمذى: هذا حديث حسن، وهو أحسن شيء روى فى هذا الباب.

(۴) حديث عائشة رضى الله عنها: أخرجه مسلم ۲۴۲۳ والطبرى ۲۸۴۸۸ من طريقين عن محمد بن بشر عن زكريا به وإسناده غير قوى، فيه مصعب بن شيبة، فهو وإن روى له مسلم فقد ضعفه غير واحد، لذا ليه الحافظ فى "التقريب" لكن لم ينفرد بهذا المتن. وأخرجه الحاكم ۱۴۷/۳ من طريق عبد الله عن زكريا به وصححه الحاكم على شرطيهما ووافقه الذهبى، وليس كما قال، فقد نفرد. وأخرجه البغوى ۳۸۰۴ من طريق الوليد بن شجاع عن يحيى بن زكريا به. ولفظه عند مسلم: قالت عائشة: خرج النبى ﷺ غداة وعليه مرط مرحل من شعر أسود فجاء الحسن بن على فأدخله، ثم جاء الحسين فدخل معه، ثم جاءت فاطمة فأدخلها، ثم جاء على فأدخله ثم قال: "إِنَّمَا يَرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذَيِّبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا".

(۳) حديث والدة بن الأسقع: أخرجه أحمد ۱۰۷/۳ وفى "الفضائل" ۹۷۸ وابن أبى شيبة ۷۲/۱۲-۷۳ وابن حبان ۶۹۷۶ والحاكم ۱۴۷/۳ والطحاوى فى "المشكّل" ۷۷۳ والطبرى ۲۸۴۹۳ من طرق عن الأوزاعى ثنا شداد أبو عمار قال سمعت وائلة... بنحو الحديث المتقدم، وليس فيه ذكر أم سلمة أصلاً. وإسناده صحيح. شداد من رجال مسلم، وباقي الإسناد على شرط الشيخين، وقد صححه الحاكم على شرطيهما، وتعبه الذهبى بقوله: على شرط مسلم. وكرره الطبرى

۲۸۴۹۳ من طریق کلثوم المحاربى عن شداد به، وإسناده حسن فى الشواهد. (۳) حديث عمرو بن أبى سلمة: أخرجه الترمذى ۳۷۸۷ والطبرى ۲۸۴۹۹ والطحاوى فى "المشكّل" ۷۷۷ من طريق يحيى بن عبيد المكي عن عطاء عن عمر بن أبى سلمة به. ورجاله ثقات معروفون غير يحيى بن عبيد حيث قال الحافظ فى "التقريب": "يحيى بن عبيد عن عطاء، يحتمل أن يكون الذى قبله، وإلا فمجهول. ولما عن الذى قبله: يحيى بن عبيد المكي، مولى بنى مخزوم، ثقة من السادسة. قلت: قد توبع على أكثر هذا المتن، دون لفظ "وجعل علياً خلفه" فقد نفرد به، وهو غريب. (۵) حديث سعد بن أبى وقاص: أخرجه مسلم ۲۳۰۳ والترمذى ۲۹۹۹ و ۳۷۲۳ وأحمد ۱/۱۸۵ والنسائى فى "الخصائص" ۱۱ والطحاوى فى "المشكّل" ۷۶۱ من طرق عن حاتم بن إسماعيل عن بكير بن مسمار عن عامر بن سعد عن سعد قال: لما نزلت هذه الآية ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاتَنَا نَحْمَدُكُمْ بِمَا دَعَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا﴾ فقال: "اللهم هؤلاء أهلى". لفظ مسلم والترمذى وغيرهما دون النسائى والطحاوى حيث ذكر من الحديث الآية التى فى الأحزاب. وكرره النسائى ۵۴ والطبرى ۲۸۵۰۱ والحاكم ۱۰۸/۳ من رجه آخر، وليس فيه ذكر الآية أصلاً. بل فيه "حين نزل الوحي" وإسناده صحيح.

الخلاصة: هو حديث صحيح بمجموع طرقه وشواهده. وأصح متن وإسناد لى هذا الباب حديث سعد ثم حديث وائلة ثم حديث أم سلمة لطرفه الكثيرة ثم حديث عائشة ثم حديث عمر بن أبى سلمة.

علامہ شوکانی کی تصریحات

علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ (م ۱۲۵۰ھ) نے حدیث اہل بیت، منسبت اہل بیت اور حدیث کساء کے سلسلہ کی متعدد روایات بڑے اہتمام سے نقل کی ہیں۔ اور ذاکر حسین بن عبد اللہ العری نے جملہ روایات کی تخریج سے ان کی افادیت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ علی ذوق رکھنے والے حضرات کے لیے اسے من و عن پیش کیا جاتا ہے۔

(١) أخرج (مسلم) و (أحمد) عن زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:
 "إِنَّمَا رَأَيْتُ فَارِكَ فِيكُمْ ثَلَاثِينَ، اخْتَلَفُوا كِتَابَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، هُوَ كِتَابُ اللَّهِ الَّذِي
 فِيهِ اتَّبَعْتُكَ كَانَ عَلَى الْيَهُودِيِّ، وَمَنْ تَرَكَهُ كَانَ عَلَى الضَّلَالَةِ، وَعَرَّتَنِي أَهْلُ بَيْتِي."
 فَقُلْنَا: مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ نِسَاؤُهُ؟

قَالَ: "إِنَّمَا اللَّهُ إِنْ الْمَرْأَةُ تَكُونُ مَعَ الرَّجُلِ الْعَصْرَ مِنَ الدَّخْرِ فَيُطْلَقُهَا فَرَجِعَ إِلَى
 أَبِيهَا وَفَرَمِهَا، أَهْلُ بَيْتِهِ: أَصْلُهُ وَغُسْنُهُ الَّذِينَ خَرُمُوا الضَّادَةَ بَعْدَهُ."
 (٢) وَأَخْرَجَ (البخاري) عن ابنِ عُمَرَ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ قَالَ:
 "أَرَأَيْتُمْ مَخْمُذًا ﷺ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ؟"

(٣) وَأَخْرَجَ (مسلم) عن عَائِشَةَ، قَالَتْ:
 خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مَرَحِلٌ [مِنْ شَعْرِ] أَسْرَدَ، فَجَاءَ الْخَنَسُ
 فَأَدْخَلَهُ، ثُمَّ جَاءَ الْحُسَيْنُ فَأَدْخَلَهُ، ثُمَّ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَأَدْخَلَهَا، ثُمَّ جَاءَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَأَدْخَلَهُ، ثُمَّ
 قَالَ:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾
 (٤) وَأَخْرَجَهُ، أَيْضًا، الْحَاكِمُ وَضَحَّحَهُ.

(٥) وَأَخْرَجَ (الترمذي) مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ [١/٣٠]
 حِينَ نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ يَمُرُّ بِبَابِ
 فَاطِمَةَ إِذَا خَرَجَ لِلصَّلَاةِ قَرِيبًا مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ لِيَقُولَ:
 "الصَّلَاةُ أَهْلَ الْبَيْتِ" ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ
 وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾.

(٦) وَأَخْرَجَ (الترمذي). أَيْضًا، وَالْحَاكِمُ وَضَحَّحَهُ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ:
 نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ وَأَنَا نَجَالِيَّةٌ عَلَى بَابِ بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ
 عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾. وَفِي الْبَيْتِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَعَلَى
 وَفَاطِمَةُ وَالْحُسَيْنُ وَالْحُسَيْنُ فَجَلَّلَهُمْ بِكِسَاءٍ، وَقَالَ:
 "اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي. فَأَذْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا."

فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ؟ قَالَ: "إِنْكَبَ إِلَى خَيْرٍ، أَنْتَ مِنْ
 أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ".

(٧) وَأَخْرَجَ (الترمذي) وَضَحَّحَهُ، وَ (الْحَاكِمُ) وَضَحَّحَهُ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي
 وَقَّاصٍ قَالَ:

لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿لَا تُدْعَى أَبْنَاءُ نَا وَأَبْنَاءُ كُمْ وَبَنَاءُ نَا وَبَنَاءُ كُمْ﴾. الْآيَةُ دَعَا
 رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحُسَيْنًا وَحُسَيْنًا، وَقَالَ:
 "اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلِي."

(٨) وَأَخْرَجَ (الْحَاكِمُ) وَضَحَّحَهُ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ: لَمَّا نَظَرَ
 رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى الرَّحْمَةِ هَابِطَةً، قَالَ: "ادْعُوا لِي، ادْعُوا لِي" فَقَالَتْ صَبِيحَةُ: مَنْ يَا رَسُولَ
 اللَّهِ؟ قَالَ: "أَهْلُ بَيْتِي: عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَالْحُسَيْنَ وَالْحُسَيْنَ" فَجَاءَ بِهِمْ، فَالْقَى عَلَيْهِمْ
 النَّبِيُّ ﷺ كِسَاءً ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ:

"اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ آلِي، فَضَّلْ عَلِيَّ مُحَمَّدًا وَعَلَى آلَ مُحَمَّدٍ."
 وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ
 وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾.

(٩) وَأَخْرَجَ (الْحَاكِمُ) وَضَحَّحَهُ وَتَعَقَّبَهُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:
 "التَّحِيمَةُ أَمَانُ الْأَهْلِ الْأَرْضِ مِنَ الْغَرَقِ، وَأَهْلُ بَيْتِي أَمَانُ الْأُمَمِ مِنَ الْإِغْتِلَافِ."

(١٠) وَأَخْرَجَ (الترمذي) وَ (الْحَاكِمُ) وَقَالَ: صَحِيحُ الْإِسْنَادِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ
 قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

"اجْتَنِبُوا اللَّهَ تَعَالَى لِمَا يُغْذُّكُمْ بِهِ مِنْ بَعْمِهِ، وَاجْتَنِبُوا لِبَيْتِ اللَّهِ، وَاجْتَنِبُوا أَهْلَ
 بَيْتِي لِحُبِّي."

(١١) وَأَخْرَجَ (الْحَاكِمُ) فِي (الْمُسْتَدْرَكِ)، وَقَالَ: حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ
 (مسلم) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

"وَأَلْبَسِي نَفْسِي بِنَبِيٍّ لَا يَبْغِضُنِي أَهْلُ الْبَيْتِ أَحَدٌ إِلَّا أَدْخَلَنِي اللَّهُ النَّارَ."
 (١٢) وَأَخْرَجَ (الْحَاكِمُ) فِي (الْمُسْتَدْرَكِ) وَقَالَ: صَحِيحُ الْإِسْنَادِ عَنْ أَبِي رُوَ

أنه قال وهو آخذ باب الكعبة:

من غرني فقد غرني، ومن أنكرني فانا أبو ذر، سمعت رسول الله ﷺ يقول:
"إلا إن [مفل] أهل ينني فيكم مثل سفيني نوح من زكيتها نجا ومن تخلف عنها
(خلك)".

(١٣) وأخرج من حديثه (النزار) والطبراني في معجمه الثلاثة، وفي إسناده
النزار الحسن بن أبي جعفر الجفري، وفي إسناده الطبراني عبد الله بن زاهر وهما
متروكان، وليا في إسناده (الحاكم).

(١٤) وأخرج (النزار) والطبراني من حديث ابن عباس، وفيه الحسن بن
أبي جعفر الجفري المذكور.

(١٥) وأخرج (الطبراني) في (الكبير) عن ابن عمر أنه ﷺ قال:

"أول من أشفع له يوم القيامة [من أمي] أهل ينني، ثم الأقرب فالأقرب من
قريشي، ثم الأنصار، ثم من آمن بي وأتبعني من اليمن، ثم سائر العرب، ثم الأعاجم،
ومن أشفع له أولا وأفضل".

(١٦) [٣٠/ب] وأخرج (ابن عساکر) عن علي بن أبي طالب، عنه ﷺ:

"من صنع إلى أحد من أهل ينني إذا كافته عليها يوم القيامة".

(١٧) وأخرج (الخطيب) عن عثمان بن عفان، قال: قال رسول الله ﷺ:

"من صنع صبيحة إلى أحد من خلفي عبد المطلب ولم يكافه بها في الدنيا فعلني
مكافاته إذا لقيني".

(١٨) وأخرج (ابن عدي) و(الذهبي) في (مستدرك) في (عن علي، عنه

ﷺ أنه قال:

"أنتكم على الصراط أشدكم خبا لأهل ينني ولا صحابي".

(١٩) وأخرج (الترمذي) و(ابن ماجه) و(الحاكم) في (المستدرک) و(ابن

حبان) عن زيد بن أرقم أنه ﷺ قال لعلي وفاطمة وحسن وحسين:

"أنا خرب لمن حاربتم ويحكم لمن سألتم".

(٢٠) وأخرج (الحاكم) في (المستدرک) أيضا من حديث أبي هريرة،

وقال: هذا حديث حسن.

(٢١) وأخرج (أحمد) و(الترمذي) عن علي أنه ﷺ قال:

"من أحب هذين - يعني الحسن والحسين - وأبائهما وأمهما كان نبي في
دزجتي يوم القيامة".

(٢٢) وأخرج (ابن ماجه) و(الحاكم) في (المستدرک) عن انس عنه ﷺ أنه

قال:

"نحن بنو عبد المطلب قادة أهل الجنة: أنا وحمنة وعلي وجعفر والحسن
والحسين والمهدي".

(٢٣) وأخرج (الطبراني) في (الكبير) عن علي و(الحاكم) عن أبي سعيد أنه

ﷺ قال لفاطمة:

"إني وإياك وهذا الرافد - يعني عليا - والحسن والحسين يوم القيامة لفي
مكان واحد".

(٢٤) وأخرج (أبو نعيم) في (الجلية) عن علي عنه ﷺ:

"من آذاني في أهلي فقد آذى الله".

(٢٥) وروى (الطبراني) في (الأوسط) بإسناد به عاصم بن عبيد الله وهو

ضعيف عن ابن عمر، قال: آخر ما تكلم به النبي ﷺ:

"أخيلفوني في أهل ينني".

(٢٦) وأخرج (الطبراني) في (الأوسط) بإسناد رجاله رجال (الصحيح) غير

عبيد بن طفيل، وهو ثقة، عن علي أنه دخل على النبي ﷺ وقد بسط شملة فجلس

عليها هو وعلي وفاطمة والحسن والحسين، ثم قال:

"اللهم ارض عنهم كما أنا عنهم راض".

(٢٧) وأخرج (الطبراني) في (الكبير) و(الأوسط) عن زينب بنت أبي سلمة

أن رسول الله ﷺ كان عند أم سلمة، فدخل عليها الحسن والحسين وفاطمة، فجعل

الْحَسَنُ مِنْ بَيْتِ وَالْحُسَيْنِ مِنْ بَيْتِ، وفاطمة في حجره. وقال:

"رحمة الله وبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ، إِنَّهُ خَيْرُ مَنْجِدٍ."

فَكَثُرَ أَمْ سَلَمَةُ، فقال: مَا بَيْنَكَ؟ فقالت: يَا رَسُولَ اللَّهِ خَضَعْتُ هَؤُلَاءِ وَتَرَكْتَنِي أَنَا وَابْنِي؟ وقال: "أَنْتِ وَابْنُكَ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ."

وفي إسناد ابن أبي عمير وفيه ضعف يسير، وحديثه في الغالب حسن.

(٢٨) وأخرج (الترغيب) بإسناد فيه من لم يعرف عن شهر بن حوشب، قال:

أَقَامَ رِجَالٌ خُطْبَاءَ يُسَبِّحُونَ عَلِيًّا، حَتَّى كَانَ آخِرُ هُمْ وَخَلَّ مِنْ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ أَيْسٌ، فَقَالَ: وَاللَّهِ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ:

"إِنِّي لِأَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِأَكْثَرِ مَنْ أَعْلَى الْأَرْضِ مِنْ شَجَرٍ وَخَجَرٍ."

وَأَيْمَ اللَّهِ مَا أَخَذَ أَوْصَلُ لِرَجَائِهِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، أَفَيْرْجُوها غَيْرَهُ وَيَقْبِرُ عَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ؟

(قال ابن حجر: إسناد حسن إن كان [١/٣١] شهر سمعه).

(٢٩) وأخرج (الطبراني) في (الكبير) بإسناد رجاله ثقات عن أبي جميلة، أن

الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ جِئَ قُبْلَى عَلِيٍّ اسْتُخْلِفَ، فَبَيْنَمَا هُوَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ إِذْ وَبَّ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَطَعَنَهُ بِخَنْجَرٍ فِي رِجْلِهِ، فَتَرَضَّ مِنْهَا أَشْهَرًا، ثُمَّ قَامَ فَخَطَبَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَقَالَ:

يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ اتَّقُوا اللَّهَ لِيَا فَاثَنَا أَمْرًاكُمْ وَضِيغَانَكُمْ، وَتَحَرَّ أَهْلَ الْبَيْتِ الدِّينِ قَالِ اللَّهُ غَزَّ وَخَلَّ: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾.

لَمَّا زَالَ يَوْمُ مَبْدٍ يَتَكَلَّمُ حَتَّى مَا نَرَى فِي الْمَسْجِدِ إِلَّا بِأَكْيَا.

(٣٠) وأخرج (الطبراني) في (الأوسط) بإسناد رجاله ثقات، إِلَّا سَلَّمَ بِنَ

عُقْبَةَ فَلَمْ يَفْرَفْ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قَالَ:

يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا أَحَبُّ إِلَيْكَ أَنَا أَمْ فَاطِمَةُ؟ قَالَ: "فَاطِمَةُ وَأَحَبُّ إِلَيَّ مِنْكَ وَأَنْتِ أَعْرُ عَلَيَّ مِنْهَا، وَكَأَنِّي بِكَ وَأَنْتِ عَلَيَّ خَوْضِي تَذُودُ عَنْهُ النَّاسَ وَإِنْ عَلَيَّ لَأَنَارِي [مثل] عَذْبُ لُجُومِ السَّمَاءِ، وَإِلَى وَأَنْتِ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَفَاطِمَةُ وَعَقِيلُ

وَجَعَفَرٌ فِي الْحَجَّةِ ﴿إِنَّمَا أَنَا عَلَى سُرٍّ مُتَقَابِلِينَ﴾ لَا يَنْظُرُ أَحَدٌ فِي قَفَا ضَاحِيَةٍ."

(٣١) وأخرج (الطبراني) في (الأوسط) بإسناد رجاله ثقات، عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَعَا لِأَجْلِهِ فَذَكَرَ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَغَيْرَهُمَا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا بَيْنَ أَهْلِ الْبَيْتِ؟ قَالَ: "نَعَمْ! عَالَمٌ نَقِمَ عَلَى بَابِ سُوءَةٍ أَوْ تَأْتِي أَمِيرًا نَسْأَلُهُ."

(٣٢) وأخرج (الطبراني) في (الأوسط) و(الكبير) ورجالهما رجال الصحيح، غَيْرَ الْحَسَنِ بْنِ سَهْلٍ - وَهُوَ ثَقَّةٌ عَنْ جَابِرٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ لِلنَّاسِ حِينَ تَرَوُجُ بَيْتَ عَلِيٍّ: أَلَا تَهْتَنُونِي؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ:

"يَنْقُطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ إِلَّا سَبَبِي وَنَسَبِي."

(٣٣) وأخرج (الطبراني) في (الكبير) بإسناد رجاله ثقات، عَنْ أَبِي عَيَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ:

"كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا سَبَبِي وَنَسَبِي."

(٣٤) وأخرج (الطبراني) في (الكبير) بإسناد فيه إبراهيم بن زكريا الغدسي، وَلَمْ يَعْرِفْ حَالَهُ عَنْ أُمِّ بَكْرٍ بِنْتِ الْمُسَوِّبِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ خَطَبَ إِلَى الْمُسَوِّبِ بْنِ مَخْرَمَةَ ابْنَتَهُ فَرَوَّجَهُ، وَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ:

"كُلُّ سَبَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا سَبَبِي وَنَسَبِي." (٥١)

حواشي

(١) (مسلم): ١٠٩/٢-١٠- من حديث زيد بن أرقم بنصه، ومن طرق أخرى، وفي إحداها

بعده: "وَالطَّيِّبِينَ حَرَّمُوا الصَّلَاةَ بَعْدَهُ" قَالَ: وَمَنْ هُمْ؟ قَالَ: "هُمُ آلُ عَلِيٍّ وَآلُ عَقِيلٍ وَآلُ جَعْفَرٍ، وَآلُ الْقِيَّاسِ. قَالَ: كُلُّ هَؤُلَاءِ مُرَمَّ السُّدُقَةِ؟ قَالَ: "نَعَمْ"

وهو عبد (أحمد) من حديثه. ومن طرق أخرى: ١٤٠١٣/٣ و ٥٩٠٢٦ و ٢٢٤/٣، ٣٤١، وأخرجه (الداودي) في مسنده: (كتاب فضائل القرآن)، ٣٣١/٢-٣٣٢.

وراجع ما سبق عن حديث (غدير خم)، ص ٢٩٦

(٢) (البخاري): (فتح الباري): ٦٣/٤

(٣) (مسلم): فضائل: ١١٦/٢

و (مطرح مرحل): أي فيه ضرر الرجال، وهو منسوب من مروي عن ابن.

- وهو عند (أحمد): ١٦٢/٦ و (قسمه الأول) أبوداؤد: كتاب اللباس: ١٤٢/٢
- (٤) سيرد بعدد، والظر عن الحديث بمختلف رواياته (مشكل الآثار): ٣٣٣-٣٣٩
- (٥) (التومذی) من حديث أنس (بلفظه: تحفة تفسير سورة الأحزاب: ٦٨/٩) وانظر تفسيرها في (فتح القدير): ٢٤٨/٣-٢٤٩
- (٦) (الترمذی): ٦٦/٩ والعبارة الأخيرة بين القوسين ليست فيه، (المستدرک): ١٣٦/٣
- ورواه (الطبرانی) في (الکبیر) من عدة طرق: ٣٦/٣-٣١ (من رقم ٣٦٩٣-٣٦٤٣)
- والحديث بمختلف طرقه و شرحه في (فتح القدير): ٢٤٩/٣
- (٧) الترمذی: تفسير سورة آل عمران (تحفة: ٣٣٩/٨-٣٥٠)، وخرجه مطولاً في (مناقب علي: ١٠/٢٣٨)، والآية ٦٠ من آل عمران تمامها: ﴿...وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ هَٰؤُلَاءِ نَبْهَلُ فَتَجِبَلْ لَعَنَ اللَّهُ عَلَى الْكَلْبَيْنِ﴾ وتسمى بآية (المباعدة) من (الابتهال) وهو الاجتهاد في الدعاء باللعن وغيره.
- وانظر تفسيرها في فتح القدير: ٣٣٦/١-٣٣٤ (المستدرک): ١٣٤/٣
- (٨) (المستدرک): ١٣٨/٣ وقد تقدمت الآية (٣٣/٣٣)
- (٩) (المستدرک): ١٣٩/٣ ومقتبه فيه: "...فإذا خالفنا قبله من العرب اختلفوا فصاروا حزب إبليس." وعلق عليه الحافظ الذهبي باله (موضوع).
- (١٠) (الترمذی): تحفة: ٢٩٣/١٠ (المستدرک): ١٥٠/٣
- (١١) (المستدرک): ١٥٠/٣
- (١٢) (المستدرک): ١٥٠/٣-١٥١ ومنه [مثل]، وفيه بدل "هذلك"، "غرق"
- (١٣) عن مجمع الزوائد وتضعيف السنن له: ١٦٨/٩ وزاد على حديث (المستدرک): "ومن قاتلنا في آخر الزمان كمن قاتل مع الدجال."
- و (الطبرانی): الصغير: ١٣١/١، ١٣٥، ١٣٩
- (١٤) المجمع، أيضاً: ١٦٨/٩
- (١٥) عن (كثير العمال): ٩٣/١٢ رقم (٣٣١٣٥) عن الطبراني والحاكم، ومنه الإضافة.
- (١٦) عنه، أيضاً، رقم (٣٣١٥٢) عن (ابن عساكر) عن (علي).
- (١٧) عنه، أيضاً، عن (الخطيب) بلفظه رقم (٣٣١٥٣) عن (عثمان).
- (١٨) عنه: (عنه) برقم (٣٣١٥٤) وكثره عن الإكمال برقم (٣٣١٦٣)
- (١٩) بلفظه عنه كذلك عن (الأربعة) عن زيد بن أرقم برقم (٣٣١٥٩)، وهو عند (الترمذی): ١٠/٣٤٢، و (ابن ماجه)، مقدمه: ٦٥/١ (المستدرک): ١٣٩/٣
- (٢٠) عن (الکثر)، أيضاً، عن (المستدرک) و (أحمد) و (الطبرانی) رقم (٣٣١٦٣)، وهو نفسه.

- السابق، إلا أنه عن طريق آخر من حديث أبي خزيمة؛ (المستدرک): ١٣٩/٣
- (٢١) (أحمد): ١/٤٤٠، (الترمذی) (مناقب علي بن أبي طالب): ٢٣٤/١٠، وقال: "هذا حديث حسن غريب لا نعرفه من حديث جعفر بن محمد إلا من هذا الوجه."
- ونقله المؤلف عنهما عن (كثير العمال): ٩٤/١٢ برقم ٣٣١٦١
- (٢٢) عنهما أيضاً عن (كثير العمال)، أيضاً، برقم (٣٣١٦٢)، وهو عند ابن ماجه، "كتاب الفتن باب خروج المهدي": ٥١٩/٢ وأوله فيه: "نحن ولد عبدالمطلب سادة أهل الجنة..." الحديث
- (٢٣) عنهما عن (الکثر)، برقم (٣٣١٤٢) وذكر أيضاً (أحمد)، وهو عند الحاكم في (المستدرک): ١٣٤/٣
- (٢٤) عنه، أيضاً، عن أبي نعيم في (الحلية) برقم (٣٣١٩٤)
- (٢٥) عن (مجمع الزوائد) عن (الأوسط)، ومنه تضعيف عاصم بن عبيد الله: ١٦٣/٩
- (٢٦) عن المجمع، أيضاً: ١٦٩/٩
- و (الشملة): كساء، يشتمل فيه، وما زال اسمه في اليمن حتى اليوم.
- (٢٧) عنه، أيضاً، ١٦٨/٩، وانظر ما ورد عن أم سلمة بهذا الصدد (الکبی): ٣١/٣-٥١
- (٢٨) بلفظه عن (المجمع): ١٤٠/٩-١٤١ وما بين القوسين للمؤلف عن ابن حجر.
- (٢٩) عن المجمع، أيضاً: ١٤٣/٩
- وفي تاريخ بغداد: ١٣٨/١ لم يذكر أنه كان يصلي حين الطعمة بل كان راكعاً بقلبه، وانظر مقاتل الطالبيين.
- (٣٠) عن (المجمع) أيضاً: ١٤٣/٩، وقد أسقط المؤلف بعد "على سرور متقابلين" العبارة التالية وبما لا اعتقاده أنها مفخمة أو من حديث آخر:
- "أنت أمي وبيعتك في الجنة، ثم قرأ رسول الله ﷺ إخراجاً على سرور متقابلين"
- وعنه أخرجه مختصراً: (كثير العمال): ١٠٩/١٢ رقم (٣٣٢٢٥)
- (٣١) عن (المجمع): ١٤٣/٩
- (٣٢) نفسه: ١٤٣/٩، وهو في (الکبیر) من حديثه: ٣٦/٣ رقم (٢٦٣٣) و (٢٦٣٥) و (٢٦٣٥)
- وقد أخرجه الحاكم في (المستدرک): ١٤٣/٣، وقال: صحيح الإسناد فعليه الذهبي بقوله: "قلت منقطع" ورواه عبدالرزاق في مصنفه (١٠٣٥٣)
- (٣٣) نفسه: ١٤٣/٩، وعن (الکبیر) و (أحمد): (كثير العمال) (٣٣٢٢٣) وأضاف "وصيبي"
- (٣٤) نفسه: ١٤٣/٩-١٤٣، وهو عند (أحمد): عن (الکثر) رقم (٣٣٢٢٣)

مفسرین کی تصریحات

• ولانا اور بس کا نہ جلاوی لکھتے ہیں:

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں، یہاں بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے، وہ یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسین رضی اللہ عنہم کو اپنی عبا میں داخل کر کے فرمایا۔

اللھم هؤلاء اہل بیٹی۔

ترجمہ: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

اس سے بعض "مفسرین" نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان کو بھی پاک کر دے۔

إِنَّمَا يَرْثُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الْبَيْتَ وَيُطِيعُونَ حُكْمَ نَبِيِّهِ.

کی فضیلت میں داخل اور شامل فرما، اور ان کو بھی اس کرامت میں شریک فرما۔ آپ کا مقصود حضرت تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت نہیں۔ اور اس حدیث کے بعض مرق میں آیا ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان حضرات مذکورین کو عبا میں داخل کر کے دعا فرمائی تو اُم المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی ان میں شامل فرما لیجئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں، تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو۔ (۵۲)

کیونکہ ان تمام آیات کا نزول تمہارے ہی بارے میں ہے، اور ان آیات میں اوّل تا آخر تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں اور ازواج مطہرات ہی ان خطابات کی اولین مخاطب ہیں، لہذا ان کے لیے اس قسم کے مثل کی اور کسی قسم کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں۔ ان کا اہل بیت ہونا قطعی اور یقینی ہے۔ البتہ داماد اور داماد کی اولاد کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ قرار دیا جائے یا ان کو مستقل اور علیحدہ گھرانہ سمجھا جائے، اس لیے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر یہ دعا کی: "اللھم هؤلاء اہل بیٹی۔" الخ۔

تا کہ اس دنیا کے ذریعہ یہ حضرات بھی ازواج مطہرات کے ساتھ اس وعدہ نعمت و

کرامت میں شریک ہو جائیں جو اللہ نے نبی کے گھرانہ کے لیے ارادہ فرمایا ہے۔ اگر اس آیت کا اصل نزول حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہوتا تو آپ ﷺ کو دعا کی ضرورت نہ ہوتی۔

غرض یہ کہ عبا میں داخل کر کے دعا کرنا ان لوگوں کے لیے تھا جن کے لیے اہل بیت ہونے میں کسی قسم کا شبہ ہو سکتا تھا، اور ازواج مطہرات کا تو اہل بیت ہونا ایسا قطعی اور یقینی تھا کہ جس میں کسی قسم کے شبہ کا امکان ہی نہ تھا، اس لیے ان کو عبا میں داخل کرنے اور "اللھم هؤلاء اہل بیٹی" کہنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اجنبی تھے اس لیے ان کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عبا میں کیونکر داخل کیا جاسکتا تھا۔

اور ایک روایت یہ ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں آپ کے اہل بیت میں سے نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، کیوں نہیں۔ اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسین رضی اللہ عنہم کی دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اپنی کساء میں داخل کر کے ان کے لیے دعا فرمائی۔

اور جس طرح احادیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو عبا میں داخل کر کے دعا کرنے کا ذکر آیا ہے، اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور ان کی اولاد کو اپنی کساء (کبیل) میں داخل کر کے دعا فرمائی۔

ان مختلف دعاؤں سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہرات کے ساتھ دوسرے اعزہ و اقارب بھی اس نعمت و کرامت میں داخل ہو جائیں۔ پس ان کو اس نعمت و کرامت میں شریک کرنے کے لیے آپ ﷺ نے یہ دعائیں فرمائیں۔ پس آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور ان کی اولاد کو بھی اپنی دعا سے اس وعدہ میں داخل فرمایا۔ اگر یہ آیت ان ہی کے حق میں نازل ہوئی ہوتی تو دعا کی حاجت ہی کیا تھی، اور آپ ﷺ حصول کی کیوں دعا فرماتے۔ اور جو بات تھی اس کے حاصل کرنے کی کیوں کوشش کرتے۔ اس لیے آپ ﷺ نے پہلی بار اُم المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس دعا میں شریک نہ فرمایا، کیونکہ اس دعا کو ان کے حق میں تحصیل حاصل جانا۔ کیونکہ آیت کا نزول ہی آپ ﷺ کی بیٹیوں کے بارے میں ہوا۔

البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا سے فارغ ہو جانے کے بعد امام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا کر جو دعا کی، وہ محض ان کی دلجوئی کے لیے فرمائی، ورنہ آپ ﷺ نے صراحتاً فرمایا تھا کہ تم بلاشبہ میرے اہل میں سے ہے۔

ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کی فضیلت اور کرامت کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اور آیت ہذا سے پہلے اور اس تمام رکوع میں تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں۔ اور "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ" میں اور "وَأَذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ" میں بیعت کی نسبت بھی ان ہی کی طرف کی گئی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص عنایات پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کا دل چاہا کہ اہل بیت کے عموم میں اپنی اولاد کو داخل کر کے اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ اے اللہ! علی اور فاطمہ اور حسین یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان کو بھی اس خاص رحمت و کرامت اور عنایت میں شریک فرما۔ (۵۲)

مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۶ھ) لکھتے ہیں:

اد پر کی آیات میں نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب تھا، اس لیے یسینہ تا میت خطاب کیا گیا۔ یہاں اہل بیت میں ازواج مطہرات کے ساتھ ان کی اولاد کو آباہ بھی داخل ہیں، اس لیے یسینہ مذکر فرمایا: "عنکم، ویطہرکم"۔

اور بعض ائمہ تفسیر نے اہل بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات قرار دیا ہے۔ حضرت عکرمہ و مقاتل نے یہی فرمایا ہے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس سے بھی یہی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات کو قرار دیا ہے اور استدلال میں آگلی آیت پیش فرمائی:

وَأَذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ. (روہ ابن ابی حاتم و ابن جریر)

اور سابقہ آیات میں نساء النبی کے الفاظ سے خطاب بھی اس کا قرینہ ہے۔ حضرت عکرمہ تو بازار میں سودا کی کرتے تھے کہ آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ (۵۳)

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۰ء) لکھتے ہیں:

یہاں لفظ اہل البیت سے ردائش "شیخ تن" مراد لیتے ہیں، جو قرآن کے سیاق و سباق کے سراسر خلاف اور لغت و عربیت کی رو سے قطعاً غلط ہے۔ جس آیت میں یہ لفظ وارد ہے، اس سے پہلے پانچ آیتوں میں ازواج مطہرات سے خطاب چلا آ رہا ہے۔ ان تمام آیتوں میں جمع مؤنث مخاطب کے صیغہ استعمال کیے گئے ہیں، اور خود اس آیت میں اس لفظ سے پہلے چھ صیغہ جمع حاضر کے موجود ہیں، جن سے ازواج مطہرات مخاطب ہیں۔

اس لیے لامحالہ یہاں "اہل بیت" سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں۔ اگر اس سے شیخ تن مراد لیے جائیں تو تعلیم قرآن مختل ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عباس، عکرمہ اور عروہ سے مروی ہے کہ یہاں اہل بیت سے ازواج مطہرات ہی صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں۔ (۵۵)

ارشاد ربانی ہے:

إِنَّمَا يَرْزُقُ اللَّهُ الْبَيْتَ بِسَبَبِ غَنَمِكُمْ الزَّيْنِ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرُهُمْ تَطْهِيرًا. (سورة الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: اے پیغمبر کے گھر والو! اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کر دے اور تم کو خوب اچھی طرح پاک و صاف کر دے۔ (۵۶)

علامہ محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارک کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آیت تفسیر دراصل ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی، جیسا کہ آیت کا سیاق و سباق اس کے لیے شاہد عاقل ہے۔ جس کے لیے نہ کسی تاویل کی حاجت ہے اور نہ کسی توجیہ کی ضرورت۔ اول سے آخر تک خطاب ازواج مطہرات کو ہے۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور امام حسن اور حسین اور سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا اور ان کو جمع کر کے یہ دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي. فَأَذْهَبْ عَنْهُمْ الزَّيْنِ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا.

ترجمہ: اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان سے بھی گندگی کو دور فرما اور ان کو پاک کر۔

جس طرح آیت "لَسْتُ بِجِدِّ النَّبِيِّ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ أَوْلَىٰ يَوْمَ" دراصل مسجد قباء کے

بارے میں نازل ہوئی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا، کیونکہ دو بدرجہ اولیٰ اس کی مستحق ہے، اسی طرح آیہ تطہیر دراصل ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی، مگر چونکہ آپ ﷺ کی آل و اولاد بدرجہ اتم اس کی مستحق تھی، اس لیے آپ ﷺ نے ان کو بھی اس میں شامل فرمایا۔ باقی ازواج تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہیں، ان کو عباد میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان آیات کا نزول ہی ازواج مطہرات کے بارے میں ہوا۔

آیات میں ازل سے آخر تک تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں، بلکہ اصل مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج اصلاً داخل ہوں اور ذریت بعداً۔ کیونکہ اہل بیت کے معنی لغت میں گھروالوں کے ہیں، اور گھروالوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے، اور لفظ "آل" اصل میں اہل تھا، اس لیے اس کا اصل مصداق بھی بیوی ہے۔ (۵۷)

سورۃ الاحزاب کا چوتھا رکوع پورا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوا ہے اور نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی خطاب تھا، اس لیے بعینہ تائید خطاب فرمایا، مثلاً:

۱۔ قل لازواجک	۲۔ کنتن	۳۔ قودن
۴۔ قتعالین	۵۔ امتعن	۶۔ امر حکن
۷۔ ان کتن	۸۔ قودن	۹۔ متکن
۱۰۔ ینساء النبی	۱۱۔ من یات منکن	۱۲۔ یقنت
۱۳۔ متکن	۱۴۔ تعمل	۱۵۔ نوتھا
۱۶۔ اجرھا	۱۷۔ اعتدلتناھا	۱۸۔ ینساء النبی
۱۹۔ لستن	۲۰۔ ان اتقین	۲۱۔ فلا تخضعن
۲۲۔ قلن	۲۳۔ قون	۲۴۔ فی بیوتکن
۲۵۔ لا تبرجن	۲۶۔ القمن الصلوۃ	۲۷۔ آتین الزکوۃ
۲۸۔ اطعن اللہ	۲۹۔ واذکون	۳۰۔ بیوتکن

تیس خطابات مؤنث کے صیغہ میں ہوئے ہیں اور مذکر صیغہ صرف تین ہیں: الیہد، عتکم، یطہرکم۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت میں صرف ازواج ہی داخل نہیں کچھ رجال بھی ہیں۔ (۵۸)

محمد شین کی تصریحات

چند محمد شین کی تصریحات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) رقم طراز ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث التمشید میں "آل محمد" سے مراد آپ ﷺ کے گھرانے والے ہیں۔ اس ضمن میں دو روایتیں پائی جاتی ہیں: ایک میں کہا گیا ہے، "آل محمد" سے مراد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی اولاد ہے، کیونکہ حدیث کی اکثر روایات میں "آل محمد" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جبکہ حدیث ابی حیدر کی روایت میں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ "وازدواجہ وذریۃ" آیا ہے جس سے "آل محمد" کی تشریح و توضیح بیان ہوئی ہے کہ "آل محمد" سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی ذریت ہے۔

بخاری تمشید میں "آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں اور جن لوگوں پر صمدہ حرام ہے وہ بھی آل میں شامل ہیں۔ اور اسی طرح آپ ﷺ کی اولاد (نسل) بھی اس میں شامل ہے۔ اس طرح ان احادیث میں تطبیق دی جاسکتی ہے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں "آل محمد" سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں، "ماشیع آل محمد من خبز مادوم ثلاثاً"۔ اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، "النفیم اجعل رزق آل محمد قوتاً"۔ اس میں بھی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ازواج مطہرات مراد ہیں۔ (۵۹)

محمد شہیر علی بن سلطان محمد القاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۳ھ) فرماتے ہیں:

"اہل البیت" وفيه دليل على ان نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم

من اهل بیتہ. ایضاً لانه مسبوق بقوله "یا نساء النبی لستن کاحد

من النساء"، و ملحق بقوله "واذکون ما یملی فی بیوتکن"۔ (۶۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں، معلوم ہونا چاہیے کہ "اہل بیت" کا اطلاق چند معنی

میں ہوتا ہے:

(۱) وہ لوگ جن پر زکوٰۃ لینا حرام ہے اور وہ بنو ہاشم ہیں۔ اور ان میں آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث بھی شامل ہیں۔

(۲) اور بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال کو "اہل بیت" کہا گیا ہے، جن میں ازواج مطہرات یعنی طور پر شامل ہیں۔ لہذا جو لوگ اہل بیت سے ازواج مطہرات کو خارج کرتے ہیں، وہ مکابرہ کا شکار ہیں اور آیت کے سیاق کی مخالفت کرتے ہیں۔ فرمایا:

إِنَّمَا بَرِئْتُ اللَّهِ بِلَذِهِبُ غَنَظُكَمُ الزَّجَسُ أَهْلُ الْبَيْتِ وَتَطَهَّرُكُمْ تَطَهَّرُوا.

کیونکہ اس میں خطاب ہی ازواج کو ہے، آیت سے پہلے اور بعد میں ازواج مخاطب ہیں، لہذا درمیان کی آیات سے ان کو کیسے نکالا جاسکتا ہے! چنانچہ امام فخر الدین محمد رازی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو شامل ہے، کیونکہ آیت کا سیاق و سباق پوری شدت سے اس کا متقاضی ہے۔ پس ازواج مطہرات کو اہل بیت کے مصداق سے خارج کرنا اور ان کے علاوہ دوسروں کو اس مصداق کے ساتھ شمس کرنا صحیح نہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں، یہ کہنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے کہ "اہل بیت" کا مصداق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ازواج مطہرات ہیں، اور ان میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ نیز حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی نسبت و تعلق اور خاقی قرب رکھنے کے سبب اہل بیت میں سے ہیں۔

(۳) اور کبھی "اہل بیت" کا اطلاق یوں معلوم ہوتا ہے کہ خصوصاً ہے حضرت فاطمہ زہرا، حضرت علی اور حسین سلام اللہ علیہم اجمعین کے لیے جس پر متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں۔ وبالجملة اطلاق اہل بیت برہن چھادتن پاک شائع و مشہور است۔

ترجمہ: بلکہ ان ہی چار تن پاک پر اہل بیت کا اطلاق شائع اور مشہور ہے۔

لہذا علماء کرام ان تمام روایات میں تطبیق اور ان کے اطلاقات کی توجیہ میں یہ کہتے ہیں کہ "بیت" کی تین نوعیتیں ہیں:

۱۔ بیت نسبت

۲۔ بیت سکنی

۳۔ بیت ولادت

پس بنو ہاشم یعنی عہد المطلب کی اولاد کو کو نسب اور خاندان کے اعتبار سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بیت (اہل خاندان) کہا جائے گا۔ دراصل عرب میں جذ قریب کی اولاد کو بیت (یعنی خاندان یا گھرانہ) کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے، فلاں گھرانہ بہت معزز ہے، یا فلاں شخص شریف خاندان کا ہے۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اہل بیت سکنی کہا جائے گا، جیسا کہ عرف عام میں بھی کسی شخص کی بیویوں کو اس کے اہل بیت "گھر والی" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو اہل بیت ولادت کہا جائے گا۔ اور اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد پر اہل بیت کا اطلاق کیا جانا چاہیے، لیکن تمام اولاد میں حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین سلام اللہ علیہم اجمعین کو جو خاص فضل و شرف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کمال قرب و تعلق حاصل تھا اور یہ کہ ان کے فضائل و مناقب جس کثرت سے احادیث میں وارد ہوئے، اُس بنا پر اہل بیت ولادت کا خصوصی و امتیازی مصداق صرف یہی چار تن مانے گئے ہیں۔^(۶۱)

سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

ابن ابی حاتم ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "انہا نزلت فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم" تحقیق یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

اور ابن جریر حضرت مکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، "بے شک وہ اعلان کرتے تھے باتراہوں میں کہ یہ آیت "إِنَّمَا بَرِئْتُ اللَّهِ" آخر تک، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی۔ اور ملاحظہ ہو، سیاق و سباق آیت سے بھی ظاہر ہی ہے، کیونکہ ابتداءً بِنِسَاءِ النَّبِيِّ لَسْتُ، تَخَالِيفُ مِنَ النِّسَاءِ تَوَاطُفُ اللَّهِ بَلْكَ وَالْحُكْمَةُ بَلْكَ ازواج مطہرات سے خطاب ہے۔

یعنی اے عورت نبی اتم ایسی نہیں، جو جیسے عام عورتوں سے کوئی عورت ہو، اور اطاعت کرو تم اللہ کی۔ پس خطاب بھی ان کی طرف ہے اور امر نہی بھی انہی سے واقع ہوتا ہے۔ پس ایک کلام کے درمیان میں کہ انہی وہ منقطع نہیں ہوا، دوسرے کا حال ذکر کرنا اور دوسرے کی ابتداءً انا مخالف

روش بلغاء کے ہے اور کلام اللہ اس سے پاک ہے۔

شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں:

اور جو کچھ ترمذی اور دیگر صحاح میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار آدمیوں کو بھی ایک کھیل میں گھیر لیا اور دعا فرمائی:

اللّٰهُمَّ هَؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي. فَاَذْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا.

ترجمہ: اے بار خدا! یہ میرے اہل بیت ہیں، سو ذور کر ان سے نجاست کو اور پاک کر دے ان کو پاک کرنا۔

اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یا حضرت! مجھ کو بھی شریک کر لیجیے۔ فرمایا: انت علی خیر و انت علی مکانک "صریح دلیل اس بات کی ہے کہ یہ آیت ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے ان چار آدمیوں کو بھی اپنی دعا سے اس وعدے میں داخل کیا ہے۔

پس اگر ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی: تو دعا کی حاجت ہی کیا تھی، اور حضرت کیوں اس بات کے حصول کی، جو حاصل تھی، دعا کرتے۔ اسی واسطے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس دعا میں شریک نہیں کیا کہ ان کے حق میں تحصیل حاصل جاتا۔

اور محقق اہل سنت کہتے ہیں کہ ہر چند یہ آیت ازواج مطہرات کے خطاب میں ہے لیکن اس سبب سے کہ العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب (اعتبار عموم لفظ کا ہونا ہے نہ کہ خصوص سبب کا) سبب اہل بیت اس بشارت میں شامل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ دعا چار آدمیوں سے موصوف فرمائی بشرط سبب خاص کے بھی اور یہ بھی کہ قرینے ازواج کی خصوصیت کے سابق اور لاحق عبارت سے معلوم کر کے ڈرے کہ ایسا نہ ہو کہ خاص ازواج کے واسطے ہو۔

اسی واسطے بختمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ اس قسم کا معاملہ جو عباس و حسین اور علی و ہول کو لے کر دعا کی ہے، حضرت عباس اور ان کے لڑکوں کے ساتھ بھی ثابت ہے۔ اور دعا آپ کا یہی تھا کہ اپنے سب اقربا کو لفظ اہل بیت میں، کہ آیت کریمہ میں ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کے ساتھ خطاب فرمایا، داخل کریں۔ (۶۲)

علامہ شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ/۱۳۷۷ء) فرماتے ہیں:

یہ آیات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ (۶۳)

قول فیصل

فخر المفسرین علامہ عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۳۵ھ) "قول فیصل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: قول فیصل یہ ہے کہ دراصل اہل بیت تو ازواج مطہرات ہی ہیں اور ان حضرات نے اپنے پیارے فرزندوں کو بھی شامل فرما لیا اور کیوں نہیں، ہاں بچے اور بہت قریب کے عزیز و اقارب بھی گھر ہی کے لوگ شمار ہوتے ہیں۔ پس اعتقاد صحیح اور محبت خالص یہی ہے کہ ازواج مطہرات اور ان پاکیزہ لڑکوں کو بھی اہل بیت سمجھ کر ان کا تہذیب سے ادب کرے، جن میں حضرت عائشہ صدیقہ، فاطمہ زہراء اور حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی داخل ہیں۔ (۶۴)

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

والذی یشہد من الآیۃ النبیۃ عامۃ فی جمیع اهل البیت من الازواج وغیرہم۔ (۶۵)

امام محی السنن ابو محمد الحسین بن سعید القراء البغوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

واراد باهل البیت نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانہن فی بیتہ، وذهب ابو سعید الخدری وجماعة من التابعین منهم مجاہد وقنادہ وغیرہما الی انہن علی وفاطمة والحسن والحسین... قال زید بن ورقم: اهل بیتہ من حرم الصدقة علیہ بعدہ آل علی و آل جعفر و آل عباس۔ (۶۶)

ترجمہ: سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، اہل بیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مراد ہیں، کیونکہ یہی آپ ﷺ کے گھر میں رہائش پذیر تھیں۔ اور ابو سعید خدری اور تابعین کی ایک جماعت، جن میں مجاہد اور قنادہ وغیرہ شامل ہیں، وہ کہتے ہیں، اہل بیت کا مصداق حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، جن لوگوں پر صدقہ حرام ہے وہ اہل بیت کا مصداق ہیں، ان میں آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس شامل ہیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۴۷ھ) لکھتے ہیں:

وقول عكرمة ومقاتل وابن السائب "ان اهل البيت في هذه الامة مستغن بزوجاته عليه ليس بسعيد اذ لو كان كما قالوا لكان التركيب عن كن ويظهر كن."

وقال ابو سعيد الخدري هو خاص برسول الله صلى الله عليه وسلم وفاطمه والحسن والحسين.

وروي نحوه عن انس وعائشه وام سلمة وقال الضحاك هم اهلہ وازواجه۔ وقال زید بن ارقم والثعلبی بنو هاشم الذين يحرمون الصدقة آل عباس وآل علی وآل عقیل وآل جعفر و یظهر انہم زوجاتہ و اہلہ فلا تخرج الزوجات عن اهل البيت بل یظهر انہن احق بهذا الاسم لعملازمتہن بینه علیہ الصلاة والسلام۔ (۶۷)

ترجمہ: عکرمہ، مقاتل اور ابن السائب کا قول ہے کہ اس آیت تطہیر میں "اہل بیت" کا مصداق صرف ازواج مطہرات ہیں۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے تو آیت میں "عنکم" اور "یظہرکم" کی جگہ "عنکن" اور "یظہرکن" تائید کا صیغہ استعمال ہوتا۔

اور ابو حیدر و شیخ فرماتے ہیں، "اہل بیت" کا مصداق خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔

اور ایسا ہی حضرت انس، حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اہل بیت کا مصداق آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد ہے، ازواج مطہرات کو اہل بیت سے نکالنا نہیں جاسکتا، بلکہ ہی تو زیادہ حقدار ہیں اس نام کی۔ کیونکہ وہی یعنی ازواج ہی آپ کے گھر میں رہائش پذیر رہی ہیں۔

علامہ قناد الدین اسماعیل بن کثیر (م ۷۷۷ھ) نے متعدد احادیث نقل کی ہیں جن سے

والایت آتی ہے کہ اہل بیت کا مصداق صرف ازواج مطہرات ہی نہیں بلکہ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہم اور دیگر اقربا بھی شامل ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ارقم سے پوچھا، "ومن اهل بيته يا زید؟ اليس نسأله من اهل بيته؟" اور آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج اہل بیت کا مصداق نہیں ہیں؟

قال نسأله من اهل بيته ولكن اهل بيته من حرم الصدقة بعده۔ (۶۸)
ترجمہ: کہا کہ ازواج تو اہل بیت ہی ہیں، لیکن وہ لوگ بھی اہل بیت کا مصداق ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:
وقيل المراد بآل محمد صلى الله عليه وسلم ازواجه وذريته، لان اكثر طرق هذا الحديث جاء بلفظ "وآل محمد" وجاء في حديث أبي حميد موضعه "وازواجه وذرية فدل على ان المراد بالآل الازواج والذرية... فالمراد بالآل في الشاهد الازواج ومن حرمت عليهم الصدقة ويدخل فيهم الذرية فبذلك يجمع بين الاحاديث. وقيل: المراد بالآل ذرة فاطمة خاصة. حكاه ابن الرافعة في الكفاية، وقيل المراد بالآل جميع الامة الاجابة۔ (۶۹)

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپ کی بیویاں اور آپ کی اولاد ہے، کیونکہ حدیث کے اکثر طرق میں لفظ "آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم" آیا ہے اور حدیث ابی حمید میں اس کی جگہ "وازواجه وذریعہ" آیا ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ آل سے مراد ازواج اور اولاد ہے۔ اور تشہد میں آل سے مراد بیویاں اور وہ حضرات ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور اس میں اولاد بھی داخل ہے، اس طرح تمام احادیث کی مراد جمع کی جاسکتی ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آل سے مراد صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہے، جیسا کہ امام نووی نے شرح مہذب میں بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تمام قریش آل میں شامل

ہیں۔ اسے ابن رائد نے الکفایہ میں ذکر کیا ہے اور ایک قول یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آل سے مراد تمام امت اجابت بھی اس میں شامل ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

وقد ادخل صلى الله عليه وسلم بعض من لم يكن بينه وبينه قرابة سببته وال نسبة في اهل البيت توسعا وتشبيها كسلمان الفارسي رضى الله تعالى عنه، حيث قال عليه الصلاة والسلام، "سلمان منا اهل البيت" وجاء في رواية صحيحة ان واثله قال: وانا من اهلك يا رسول الله؟ فقال عليه الصلاة والسلام وانت من اهلي. (۷۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایسے حضرات کو، جن کے ساتھ کوئی لہسی یا سہمی قرابت نہیں تھی، اہل بیت میں شامل فرمایا، جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا، "سلمان منا اهل البيت" سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔ اور ایک صحیح روایت میں ہے کہ حضرت واثلہ نے عرض کیا، کیا میں آپ کے اہل بیت میں سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تم میرے اہل بیت میں سے ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ طویل تفسیر بحث کے بعد فرماتے ہیں:

والذي يظهر لي ان المراد باهل البيت من لهم مزيد علاقة به صلى الله عليه وسلم ونسبة قوية اليه عليه الصلاة والسلام بحيث لا يفتح عرفا اجتماعهم ومكانهم معه صلى الله عليه وسلم في بيت واحد ويدخل في ذلك ازواجه والاربعة اهل الكساء وعلي كرم الله تعالى وجهه مع ماله من القرابه من رسول الله صلى الله عليه وسلم قد نشأ في بيته وجره عليه الصلاة والسلام. (۷۱)

ترجمہ: اس بحث سے جو بات میری سمجھ میں آئی ہے، وہ یہ ہے کہ اہل بیت کا مصداق وہ حضرات ہیں جن کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق اور نسب کا زیادہ قوی تعلق ہے اور وہ ایمان کی پاکیزگی کے حامل بھی ہیں، اور ان کی بود و باش اور رہن سہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ ایک مکان میں ہو۔ اور اہل بیت کا مصداق آپ کی ازواج مطہرات اور کملی والے چاروں افراد اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ہیں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا شرف بھی حاصل ہے اور آپ ﷺ ہی کے گھر و جگہ آپ ﷺ ہی کی گود میں ان کی پرورش ہوئی۔

مولانا ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۳۲۵ھ) فرماتے ہیں:

مذکورہ احادیث اور ان جیسی دوسری اخبار سے آیت تفسیر کی حضرات اربعہ (حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم) کے ساتھ تخصیص ثابت نہیں ہوتی، باقی اور ما بعد کا کلام بھی اس تخصیص سے الگ کر رہا ہے اور عرف و لغت کی شہادت بھی اس کے خلاف ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع (م ۱۳۹۶ھ) لکھتے ہیں:

اصل میں اہل بیت کے لفظ کا اطلاق صرف بیوی پر ہوتا ہے، اولاد اور دوسرے گھر والے ذیلی طور پر اس میں آجاتے ہیں۔ بیویوں کے ہی رہنے کے مکان (یا گھر) عام طور پر الگ الگ ہوتے ہیں۔ (۷۲)

ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ درحقیقت ان دونوں اقوال میں، جو ائمہ تفسیر سے منقول ہیں، کوئی تضاد نہیں۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے دو مراد ہیں، یہ اس کے منافی نہیں کہ دوسرے حضرات بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ لفظ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں۔ کیونکہ شان نزول اس آیت کا وہی ہیں اور شان نزول کا مصداق آیت میں داخل ہونا کسی شبہ کا محمل نہیں، اور حضرت فاطمہ علیہا السلام و حسن و حسین رضی اللہ عنہم بھی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں۔

اور اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے خطاب اور ان کے لیے صیغہ مؤنث کے استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اس کی درمیانی آیت کو سیاق و سباق سے کاٹ کر بیحد مذکور عنکم اور یطہرکم حکم فرمانا بھی اس پر شدید قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں، کچھ رجال بھی ہیں۔ (۷۳)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر دینی رحمۃ اللہ علیہ (۲۴ ۱۴۰۰ھ) لکھتے ہیں:

وعلى آل محمد وهم اتباع عند مالك كما تقدم وقال ابن
عبد الوهاب في الاستدكار قال بعض اهل العلم ان هذا كلام محتمل
الناويل تفسيره حديث ابى حميد و من تابعه، اللهم صلى على
محمد و علي و اوجه و ذريته لان لفظ الآلى محتمل لوجوه، منها
الاهل و منها الاتباع، و ان ما جملة مرة فسرہ اخرى. (۷۳)

ترجمہ: اور "آل محمد" کا مصداق امام مالک کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروی کرنے والے ہیں اور ابن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے "استدکار" میں کہا ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک اس کی تفسیر حدیث ابی حمید میں بیان ہوئی ہے۔ آل کا مصداق آپ کی اتباع کرنے والے لوگ ہیں، اس روایت میں ہے، "اللہم صلی علی محمد و علی ازاوجہ و ذریہ"۔ لفظ آل میں کئی احتمال پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک اہل ہے اور ایک احتمال اتباع کرنے والے ہیں، گویا کہ ایک لفظ "آل محمد" محتمل تھا اور اس کی تفسیر "و علی ازاوجہ و ذریہ" سے بیان کر دی ہے۔

خلاصۃ الکلام وخاتمۃ المرام

امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) مفصل بحث کے اختتام پر بعنوان "خلاصۃ الکلام وخاتمۃ المرام" رقم طراز ہیں۔ بعونہ تعالیٰ اس تفسیر سے دس باتیں قطعی طور پر واضح ہو گئیں:

- ۱۔ آیہ تطہیر میں لفظ اہل بیت سے مراد الہی ازواج مطہرات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں اور اس کے سوا کوئی دوسرا مرد بیوی نہیں سکتا۔
- ۲۔ تاویر قرآنی میں کسی کا اہل بیت ہوا اس کی زوجہ کے کسی کو نہیں کہا گیا اور اگر کسی مقام پر لفظ اہل بیت بغیر کسی کی طرف مضاف کیے ہوئے مستعمل ہوا ہے تو وہاں بھی اس لفظ کے رہنے والے ہی مراد ہیں نہ کوئی اور۔
- ۳۔ لغت عرب میں بھی کسی شخص کا اہل بیت، سوا اس کی زوجہ کے، کسی کو نہیں کہتے۔

۴۔ مذکر کی تفسیر میں، جو آیہ تطہیر میں ہیں، وہ ہرگز قرینہ اس بات کا نہیں بن سکتیں کہ اس آیت میں لفظ اہل بیت سے ازواج مطہرات مراد نہیں، بلکہ کوئی اور مراد ہیں۔

۵۔ قرآن مجید میں لفظ اہل بیت کے لیے ہر جگہ مذکر کے صیغے اور ضمیریں مستعمل ہوتی ہیں اور ان میں سے اکثر مقامات میں یا اتفاق فریقین سوائے عورتوں کے کوئی مراد نہیں۔

۶۔ اہل بیت کا لفظ اگر حضرت علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم کے لیے وارد ہوا ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے لیے بھی وارد ہوا ہے۔ بلکہ بعض ایسے حضرات کے لیے جو کسی طرح کی قرابت نہیں یا نصبری یا رضائی نہ رکھتے تھے، یہی لفظ اہل بیت وارد ہوا ہے، جیسے سلمان فارسی۔ لہذا معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کے سوا جن کو بھی اہل بیت فرمایا، وہ پیار و محبت کے طور پر مجازاً فرمایا گیا ہے۔

۷۔ اگر کچھ فرق حضرت سلمان کے اہل بیت ہونے میں اور اہل عہد کے اہل بیت ہونے میں نکل بھی سکے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے لیے وہ فرق بھی نہیں نکل سکتا۔ وہ اہل سبب بھی ہیں اور بالکل اسی طرح دعا بھی ان کے لیے ہے۔

۸۔ محققین اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتاً ازواج مطہرات ہیں اور حضرت علی و فاطمہ و حسنین و حضرت عباس رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد بدعائے رسول اللہ علیہ وسلم اس فضیلت میں شامل کیے گئے ہیں۔

۹۔ ازواج مطہرات کے لیے قرآن کریم گواہی دے رہا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی اور اس کی نریات کی طالب نہ تھیں، بلکہ اللہ اور رسول و دار آخرت کی طالب تھیں۔ وہ تمام ایمان والوں کی ماں ہیں۔ ان سے ایسی طور پر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح ممنوع ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا نے یہ اختیار سلب کر لیا کہ وہ اپنی ازواج کو طلاق دیں۔ یہ ایک بے نظیر بات ہے۔

۱۰۔ ازواج مطہرات کے برابر کوئی عورت نہیں ہو سکتی۔ (۷۵)

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"الغرض یہ بات کہ ازواج مطہرات آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں، بلکہ اس لفظ کا اطلاق صرف آپ ﷺ کی ایک بیٹی، ایک داماد اور دونوں سے نہ

تو زبان کے لحاظ سے درست ہے نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ بلکہ ایک خاص فرقہ کے فکاروں کی سازش کے نتیجہ میں اس غلطی نے امت میں عرف عام کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور ہماری سادہ ولی کی وجہ سے اس طرح کی بہت سی دوسری غلط باتوں کی طرح اس کو بھی قبول عام حاصل ہو گیا۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا، حالت یہ ہو گئی کہ "اہل بیت" کا لفظ سن کر ہمارے اچھے پڑھے لکھوں کا ذہن بھی ازواج مطہرات کی طرف نہیں جاتا، جو قرآن مجید کی زور سے اس لفظ کی اولیں مصداق ہیں۔ (۷۶)

آیہ تطہیر کا مصداق

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: ہے شک اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم سے رجس کو دور کر دیں، اے اہل بیت! اور تمہیں اچھی طرح پاک صاف کر دیں۔

آیہ تطہیر میں "اہل بیت" سے مراد حضرات مفسرین کے نزدیک بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں۔

علامہ ابو بکر احمد بن علی الرازی البیضاوی (م ۳۷۵ھ) لکھتے ہیں:

حضرت نکرہ کا قول ہے کہ اس کا نزول ازواج مطہرات کے بارے میں ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آیت کی ابتدا اور سلسلہ بیان کا تعلق ازواج مطہرات کے ساتھ ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ يُخَوِّنُ مَا يُفْلِي فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ ابْنِ ابْنِ اللَّهِ وَالْجَنَّةِ.

لغرض حضرات کا قول ہے کہ آیت کا نزول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور ازواج مطہرات دونوں کے بارے میں ہے، کیونکہ لفظ میں ان سب کا احتمال موجود ہے۔ (۷۷)

امام ابی محمد الحسن بن محمود انوار البیوتی (م ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

واراد باهل البيت نساء النبي ﷺ لانهم في بيته وهو رواية سعيد

بن جبیر عن ابن عباس. وتلا قوله "وَإِذْ يُخَوِّنُ مَا يُفْلِي فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ ابْنِ ابْنِ اللَّهِ". (۷۸)

ترجمہ: سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد نبی کریم ﷺ کی بیویاں ہیں، کیونکہ وہی آپ ﷺ کے گھر میں تھیں۔ اور ابن عباس نے اس کی دلیل میں یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَإِذْ يُخَوِّنُ مَا يُفْلِي فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ ابْنِ ابْنِ اللَّهِ".

امام جواد اللہ محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۲۸ھ) فرماتے ہیں:

وفي هذا دليل بين علي بن ابي طالب والنبي ﷺ من اهل بيته ثم ذكرهن

ان بسوتهن مهبط الوحى وامرهن ان لا يمس من مائتلى فيها من الكتاب الجامع بين امرين. (۷۹)

ترجمہ: اس آیت میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں اہل بیت ہیں۔ پھر اللہ جل شانہ نے انہیں یہ بات یاد دلائی کہ ان کے گھر نزول وحی کا مقام ہیں اور انہیں حکم دیا کہ جو کتاب دنیا و آخرت کی کامیابی کی جامع ہے اور ان کے گھروں میں پڑھی جاتی ہے، اسے فراموش نہ کریں۔

امام ابی القریب عبدالرحمن بن علی ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

"اهل البيت" تین اقوال پائے جاتے ہیں:

اول: انهم نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم لانهم في بيته.

ترجمہ: بے شک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں، اس لیے کہ وہی آپ ﷺ کے گھر میں رہتی تھیں۔

سعید بن جبیر نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کیا ہے، اور یہی نکرہ، ابن السائب اور متقال کا قول ہے، اور اس قول کی تائید اس آیت کے ماقبل اور مابعد سے ہوتی ہے، کیونکہ وہ تمام آیات ازواج مطہرات کے متعلق ہیں۔ اس قول پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر اس آیت سے پہلے اور بعد کی تمام آیات ازواج مطہرات کے متعلق ہیں تو پھر سب میں تمیز مومنت کی بنی چاہیے تھی، جبکہ "عَنْكُم" اور "وَيُطَهِّرَكُمْ"۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات بھی تو ازواج

مطہرات کے ساتھ ان کے گھروں میں سکونت پذیر تھے، اس لیے مذکر ضمیر استعمال ہوئی ہے۔
دوم: یہ آیت خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور یہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

سوم: اہل بیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپ ﷺ کی بیویاں ہیں۔
الشاک کا یہی قول ہے۔ الزنجاج کہتے ہیں، اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اور آپ ﷺ کی آل کے مرد و حضرات مراد ہیں۔ (۸۰)

امام فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین بن الحسن بن علی الرازی (م ۶۰۳ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ثم ان الله تعالى ترك خطاب المؤنثات، وخطاب بخطاب المذكرين. بقوله (لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ) ليدخل فيه نساء اهل بيته ورجالهم. واختلف الاقوال في اهل البيت، والاولى ان يقال هم اولاده وازواجه، والحسن والحسين منهم، وعلي منهم، لانه كانه من اهل بيته بسبب معاشرته بنت النبي صلى الله عليه وسلم و ملازمته للنبي. (۸۱)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے مؤنث کا خطاب چھوڑ کر مذکر کا خطاب اختیار فرمایا، جیسا کہ "عنکم" ہے، تاکہ اہل بیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی عورتوں اور دیگر مردوں کو بھی شامل کر لیا جائے۔ اور "اہل بیت" کے مصداق میں مختلف اقوال ہیں۔ سب سے بہتر یہ قول ہے، وہ آپ ﷺ کی اولاد اور بیویاں مراد ہیں، اور حسن، حسین بھی ان میں شامل ہیں، اور علیؑ بھی ان میں شامل ہیں۔ کیونکہ وہ بھی آپ ﷺ کی بیٹی کی نسبت سے آپ ﷺ کے گھر میں ہمیشہ رہائش پذیر رہے۔

امام ابو عبد اللہ بن احمد القرطبی (م ۶۷۲ھ) رقم طراز ہیں:

وقد اختلف اهل العلم في اهل البيت، من هم؟ فقال عطاء وعكرمة وابن عباس، هم زوجاته خاصة. (۸۲)

ترجمہ: اہل بیت کون ہیں؟ اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ عطاء، عکرمہ اور ابن عباس کہتے ہیں، اہل بیت صرف ازواج مطہرات ہیں۔

امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود الشافعی (م ۵۰۱ھ) لکھتے ہیں:

وفيه دليل على ان نساؤه من اهل بيته. (۸۳)

ترجمہ: اور اس میں دلیل ہے کہ بیویاں اہل بیت سے ہیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی بن حیان الشعمری (م ۵۴۳ھ) لکھتے ہیں:

وقول عكرمة ومقاتل وابن المسائب ان اهل البيت في هذي الآية بزوجاته ويظهر انهم زوجاته واهله فلا يخرج الزوجات عن اهل البيت، بل يظهر انهن احق بهذا الاسم لحلازمتهم بيته عليه الصلاة والسلام. وقال عطية، والذي يظهر ان زوجاته لا يخرجن عن ذلك البتة فهل البيت زوجاته وبته وبنوها وزوجها. وقال الزمخشري، وفي هذا دليل على ان نساء النبي ﷺ من اهل بيته. ثم ذكر لهن ان يسوتهن مهابط الوحى، وامرهن ان لا ينسبن ما ينسبن لهن من الكتاب الجامع بين امرين. (۸۴)

ترجمہ: عکرمہ، مقاتل اور ابن المسائب کہتے ہیں، اس آیت میں اہل بیت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں ہی آپ ﷺ کی آل تھیں، اس لیے بیویوں کو اہل بیت سے خارج نہ کرو، بلکہ وہی تو اہل بیت کہلانے کی زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ وہ ہمہ وقت آپ ﷺ کے گھر میں رہائش پذیر تھیں۔ اور عطیہ کا قول ہے کہ ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج نہ کیا جائے، البتہ آپ ﷺ کی ازواج اور آپ ﷺ کی بیٹی اور اس کے بیٹے اور اس کے شوہر بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔ اور زمخشری کہتے ہیں، اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کی اہل بیت ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے گھروں کو مہبط وحی قرار دیا۔ اور انہیں ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تمہارے گھروں میں کتاب اللہ سے پڑھا جاتا ہے، اُسے نہ بھولنا۔

امام حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) نے اس آیت پر مفصل بحث فرمائی ہے، اور متعدد روایات سے واضح فرمایا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بطور ثبوت چند روایات نقل کی جاتی ہیں:

۱۔ واخرج ابن ابی حاتم وابن عساکر من طریق عکرمہ رضی اللہ عنہ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قوله "إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ". قال: نزلت فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصة. وقال عکرمہ رضی اللہ عنہ، من شاء باہلئہ انہا نزلت فی الزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

۲۔ واخرج ابن جریر وابن مردويه عن عکرمہ رضی اللہ عنہ فی قوله "إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ" قال ليس بالذی تذهبون الیہ، انما هو نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

۳۔ واخرج ابن سعد عن عروۃ رضی اللہ عنہ "إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ" قال یعنی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم. (۸۵)

علامہ شامی (م ۷۷۷) لکھتے ہیں:

یہ آیت اس بات پر نازل ہے کہ رسول خدا ﷺ کی بیویاں ان آیتوں میں اہل بیت میں داخل ہیں، اس لیے کہ یہ آیت ان ہی کے بارے میں اتری ہے۔ آیت کا شان نزول تو آیت کے حکم میں داخل ہوتا ہی ہے، گو بعض کہتے ہیں کہ صرف وہی داخل ہوتا ہے، اور بعض کہتے ہیں وہ بھی اور اس کے سوا بھی، اور یہ دوسرا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔

حضرت تکریمہ توبہ زواروں میں منادی کرتے پھرتے تھے کہ یہ آیت نبی ﷺ کی بیویوں ہی کے بارے میں خاصہ نازل ہوئی ہے۔ (ابن جریر)

ابن ابی حاتم میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرت تکریمہ تو یہاں تک فرماتے ہیں، جو چاہے مجھ سے مباہلہ کر لے، یہ آیت حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

طویل بحث کے بعد مولانا موصوف فرماتے ہیں:

جس شخص کو نور معرفت حاصل ہوا اور قرآن میں تدبیر کرنے کی عادت ہو، وہ یقیناً بیک نگاہ جان لے گا کہ اس آیت میں حضور ﷺ کی بیویاں بلا شک و شبہ داخل ہیں، اس لیے کہ گزشتہ کلام ہی

ان کے متعلق چل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ہی فرمایا کہ خدا کی آیتیں اور رسول اللہ ﷺ کی باتیں، جن کا درس تمہارے گھروں میں ہو رہا ہے، انہیں یاد رکھو اور ان پر عمل کرو۔ (۸۶)

علامہ آلوسی (م ۱۲۷۷) لکھتے ہیں:

اہل سے مراد رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہیں، سیاق و سباق کی آیات اسی پر بحث کرتی ہیں۔ ازواج مطہرات کے گھروں کے علاوہ آپ ﷺ کا کوئی گھر نہیں تھا جس میں آپ ﷺ سکونت اختیار فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص طور پر ازواج مطہرات کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضرت تکریمہ تو کہتے تھے، جو چاہے میرے ساتھ مباہلہ کر لے، یہ آیت ازواج کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابن جریر نے یہ روایت بھی نقل کی ہے، بلکہ حضرت تکریمہ بازاروں میں اعلان کرتے پھرتے تھے کہ آیت تطہیر رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور ابن سعد حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی بیویاں ہیں۔ (۸۷)

علامہ عبدالحق حقانی دہلوی (م ۱۳۳۵ھ) لکھتے ہیں:

اہل البیت کے لغوی معنی گھروالے کے ہیں، اور اصطلاح میں، خصوصاً عرب کے عرف میں اس لفظ کا اطلاق نبی پر ہوتا ہے۔ گو گھر میں بیٹا، بیٹی، نواسے، نواسی بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح نوکر چاکر، خادم بھی، اور اسی طرح قرآن مجید میں ایک جگہ بھی اہل البیت کا لفظ خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت پر بھی مستعمل ہوا ہے۔

اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ وَخَشِتِ اللَّهُ وَنَزَّ كُنْهَ عَلَيْهِكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ.

اور عرب بولتے ہیں، "کیف اہلک"، یعنی گھروالی کی خیریت پوچھتے ہیں۔ ہمارے عرف میں بھی اہل خانہ، گھروالی نبوت کو کہتے ہیں۔

اس لیے علامہ اسلام کا ایک جم خیر اس کا قائل ہوا ہے کہ اس آیت میں اہل البیت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔ ابن عباسؓ و عکرمہ و عطاء و کلثمی و مقاس و سعید بن جبیر اسی کے قائل ہیں۔ تکریمہ کہتے ہیں، میں اس بات پر سہلہ کر سکتا ہوں۔

وہ کہتے ہیں، ازل میں بھی خطاب نبی کی بیویوں سے ہے، "کما قال قل ازواجکم" اور یہاں تک ان ہی کے متعلق احکام چلے آتے ہیں۔ گھر میں بیٹھنا وغیرہ اور بعد میں ان ہی کی

طرف خطاب ہے "وَإِذْ تَخُونُ مَا بَيْنَ يَدَيْكَ فِي بَيْتِكَ" اور نیز اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے جو حضرت کی بیویوں کے رہنے کی جگہ ہے، جہاں آپ ﷺ شب باش ہوتے تھے۔ (۸۸)

حضرت العلامة مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م ۱۳۹۳ھ) نے اس آیت کی مفصل و مدلل اور انتہائی نفیس تفسیر ارقام فرمائی ہے، جسے مکمل نقل کیا جاتا ہے۔ اس آیت کو امت تطہیر کہا جاتا ہے۔

اہل سنت و الجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یا ہمارے صحابہ کرام، ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور آیت میں اہل بیت نبی سے آپ کی بیبیاں مراد ہیں۔ اور تطہیر سے تزکیہ نفس، تہذیب باطن اور تصفیہ قلب مراد ہے، جو تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جو کائنات اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے، جس کے حصول کے بعد گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں، مگر انبیاء کی طرح مصدوم نہیں ہو جاتے۔

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت علی مرتضیٰ، فاطمہ الزہراء اور حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے یہی لوگ مراد ہیں، اس لفظ سے سوائے ان کے کوئی مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ خود اہل سنت کی صحیح ترین احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ، فاطمہ الزہراء اور حسینؑ کو بلایا اور اپنی کھلی ان چاروں پر ڈال دی اور فرمایا، "اَللّٰهُمَّ حَوِّلَا اَهْلَ بَيْتِيْ. فَادْخَبْ عَنْهُمْ الرَّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا." اے اللہ! یہ چاروں میرے اہل بیت ہیں، پس ان سے رجس یعنی گندگی اور ناپاکی کو دور کر دے اور خوب پاک کر دے۔ نیز اس آیت میں لفظ منکم اور ويطہرکم میں جو ضمیریں مذکر کی موجود ہیں وہ صاف بتا رہی ہیں کہ اس آیت میں خطاب ازواج کو نہیں۔ معلوم ہوا کہ آیت میں لفظ اہل بیت سے یہی چار اشخاص مراد ہیں۔

دوسری بات اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ازباب رجس اور تطہیر سے گناہوں سے پاک کر دینا، یعنی مصدوم بنادینا مراد ہے، جس سے ان چار حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ شیعہ اہل بیت کی عصمت ثابت کرنے کے لیے امت تطہیر کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

جواب: اہل تشیع کا یہ تمام استدلال وہ باتوں پر مبنی ہے۔ ازل یہ کہ لفظ اہل بیت سے

صرف چار اشخاص مراد ہیں، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسینؑ۔ دوم یہ کہ ازباب رجس اور تطہیر سے مصدوم بنادینا مراد ہے۔ جب تک یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں گی، شیعوں کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔ مگر آج تک شیعہ ان باتوں کو ثابت نہیں کر سکے۔

پہلی بات کا جواب

پہلی بات کے متعلق علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ لفظ "اہل بیت" اور لفظ "آل" لغت عربی میں دونوں ہم معنی ہیں۔ لغت میں اہل بیت کے معنی اہل خانہ کے ہیں، یعنی گھر والوں کے ہیں، جو مستقل طور پر گھر میں رہتے ہیں۔ جن میں ازواج اصلاء داخل ہیں اور اولاد اور ذریت حیوانہ داخل ہیں۔ خدمتگاروں، لونڈیوں اور غلاموں پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ عرف میں اور محاورہ میں جب لفظ اہل خانہ بولا جاتا ہے تو ہر کس و نا کس اس کا یہی مطلب سمجھتا ہے کہ جو لوگ گھر میں رہتے ہیں اور وہاں سے چلے جانے کا قصد نہ رکھتے ہوں، اور ظاہر ہے کہ اس وصف میں اصل بیبیاں ہیں جو ہمیشہ گھر میں رہتی ہیں۔ بیٹوں اور بیٹیوں کا ہیثیت گھر میں رہنا خلاف عادت ہے، خاص کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ والوں اور گھروں میں سوائے آپ ﷺ کی ازواج کے کوئی نہیں رہتا تھا۔ شادی ہونے کے بعد بیٹے خود اپنا مکان بنا لیتے ہیں۔ نکاح کے بعد باپ کے ذمہ اولاد کا نہ نان و نفقہ فرض رہتا ہے اور نہ رہنے کا مکان اس کے ذمے واجب رہتا ہے، اور شادی ہونے کے بعد بیٹی داماد کے گھر چلی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت فاطمہؑ حضرت علیؑ کے گھر میں رہتی تھیں۔ کہا جاتا ہے۔ "ناہل الرجل اذا تزوج، واهلك الله في الجنة اور فلان متاهل ای متزوج."

نیز قرآن کریم کا محاورہ بھی یہی ہے کہ اہل بیت کے مضموم میں زوجہ اصلاء داخل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں جب ملائکہ نے ان کو تولد فرزند کی بشارت دی اور پیرانہ سالی میں اس بشارت پر تعجب ہوا تو فرشتوں نے یہ کہا:

قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ اٰمَرِ اللّٰهِ وَخَشَعَتِ اللّٰهُ زَبْرًا عَلٰیكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۝ اِنَّهُ خَبِيْثٌ مُّجْبِنٌ.

اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں اہل بیت کے خطاب میں حضرت سارہ یقیناً داخل ہوئیں۔ کیونکہ اصل خطاب انہی سے ہے اور فرشتوں نے حضرت سارہ ہی کو اہل بیت سے خطاب کر کے ان کو خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی دعائیں دی ہیں۔ شاید حضرات شیعہ فرشتوں پر کوئی تنقید کریں

اس قسم کی آیت میں لفظ اہل کے مفہوم میں بیوی یقیناً داخل ہے۔ "وقال تعالیٰ لَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسَّيِّئَاتِ" یہاں آل فرعون سے وہ تمام اشخاص مراد ہیں جو فرعون سے تعلق رکھتے ہیں۔ "وقال تعالیٰ قَالَتْ فَذَلِكُنَّ آلُ فِرْعَوْنَ" یعنی موتی کے کاہنوں کو آل فرعون نے اٹھا لیا۔ یہاں آل فرعون سے فرعون کا تمام اہل بیت مراد ہے، جن میں اس کی بیوی بھی داخل ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور پیر نور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دھماکا کرتے تھے:

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور مکرر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے میں اس سے سہا بہ کر سکتا ہوں۔ (۹۰)

عترت رسول ﷺ

”عترت رسول ﷺ“ کے مفہوم میں بھی بے جا دوست اندازی کی گئی ہے، جس طرح آل رسول اور اہل بیت رسول کے مفہوم کو محدود کر دیا گیا۔ عام طور پر ”چارتن“ مراد لی جاتی ہے، ان ہی کو ذریت طیبہ اور سادات کا نام دیا جاتا ہے۔ جبکہ ”عترت“ کے معنی میں بیوی، خاندان، قوم، قبیلہ اور اولاد سب ہی داخل ہیں۔ انوی اعتبار سے بھی ”عترت“ کا اطلاق بیوی، اولاد اور تمام قرہی رشتہ داروں پر ہوتا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبہ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا، كِتَابَ اللَّهِ وَ
عِثْرَتِي أَهْلِيَّتِي. (۹۱)

ترجمہ: اے لوگو! میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جو کوئی ان کو منبہطی سے نہ تھامے گا، کبھی گمراہ نہ ہوگا: کتاب اللہ اور میری عترت، یعنی میرے اہل بیت۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنِّي تَارَكْتُ فِيكُمْ مِمَّا أَنْ تَعْلَمُوا بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي، أَحَدُهُمَا
أَعْظَمُ مِنَ الْآخَرِ، كِتَابَ اللَّهِ، حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ،
وَعِثْرَتِي أَهْلِيَّتِي، وَلَنْ يَفْشَوْا حَتَّى يَرُدَّ عَلَيَّ الْعَوْصُ. (۹۲)

ترجمہ: میں تمہارے اندر چھوڑ رہا ہوں میرے بعد جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے، کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک ان میں سے عظیم تر ہے، وہ تو اللہ کی کتاب ہے، اور اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین کی طرف پھیلی ہوئی رسی ہے۔ اور دوسری میری عترت بھی میرے گھر والے ہیں اور وہ الگ الگ نہ ہوں گے، یہاں تک کہ خوشی کو شہ پر وہ میرے پاس آ پہنچیں گے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”عترت“ کی تشریح و توجیح خود فرمادی ہے کہ اس سے مراد

نبی نے بھی اختیار نہ کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس درجہ محبت تھی کہ قہر و قاتلہ اور جنگی سے رہنا منظور کیا مگر حضور ﷺ سے علیحدگی منظور نہیں کی۔ چنانچہ اسی محبت کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کو عذاب جہنم وغیرہ کی دھمکی نہیں دی، بلکہ اس سے ڈرایا کہ حضور ﷺ کو اپنی زود حیات سے علیحدہ نہ کریں۔

خلافہ مکام یہ کہ ازواج مطہرات کے بارے میں اول آیت تخییر نازل ہوئی، پھر جب جب ازواج مطہرات نے اللہ، رسول اللہ ﷺ اور وار آخرت کو اختیار کر لیا تو ان کے بارے میں دوبارہ آیت تخییر نازل ہوئی، جس سے ان کے شرف اور کرامت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اور اس آیت تخییر میں جو لفظ اہل البیت آیا ہے، اس سے اعلیٰ بلا شبہ و ریب قطعاً اور یقیناً ازواج نبی مراد ہیں۔ کیونکہ ان آیات کے سیاق و سباق میں از اول تا آخر صراحتاً ازواج مطہرات ہی کو خطاب ہو رہا ہے۔ اور ایسا مروج ہے کہ جس میں ذہر برابر تاویل کی تمحیلات نظر نہیں آتی۔ کیونکہ يٰبِسَاءَ النَّبِيِّ لَسُنُّنٌ كَمَا خَلِدَ بَيْنَ النَّبَسَاءِ سے لے کر وَاطْعُنَ اللَّهُ، بلکہ وَالْحِكْمَةُ تَكَلِّمُكَ ازواج مطہرات ہی کے متعلق مکام ہے، اور از اول تا آخر خطاب مؤنث ہی کی ضمیر میں لائی گئی ہیں۔ لَسُنُّنٌ اور فِئْتِي يَبُوءُ يَكُنُّنَ اور زَاذُ كُنُّنَ مَا يَفْلِي بِنِي يَبُوءُ يَكُنُّنَ تک یہ تمام خطابات پہ نماز مؤنث ازواج مطہرات ہی کو ہیں، بلکہ اگر شروع کر دوں ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَرِيسَتْهَا لَفَعَالَيْنَ أَفْتَعِلْكُمْ وَأَسْرَحَكُمْ سَرَاحًا جَمِيلًا“ سے لے کر ”إِنَّ اللَّهَ تَخَالَفُ لَطِيفًا خَبِيرًا“ تک تمام مسخول اور ضمیروں پر نظر ڈالی جائے تو اول سے لے کر آخر تک چھبیس مینے اور ضمیریں سب مؤنث کی ہیں جو بلا کسی تردد اور تاویل کے صرف ازواج مطہرات کے لیے ہیں اور يٰبِسَاءَ النَّبِيِّ اور قُلْ لِّأَزْوَاجِكُمْ کا لفظ تو اس قدر واضح ہے کہ اس میں حضرت علی، حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کے دخول اور شمول کا عقلاً و نظراً کوئی امکان ہی نہیں۔ اب حضرات شیعہ بتائیں کہ اس کا کیا جواب ہے۔ کلام عرب میں الکبار محبت و عظمت کی غرض سے مؤنث کے لیے تو مذکر کا مینہ استعمال ہو سکتا ہے مگر مذکر کے لیے مؤنث کا مینہ اور مؤنث کی ضمیر کا استعمال کبھی سننا اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

قال ابن عباس نزلت في لساء النبي صلى الله عليه وسلم وقال
عكرمة من شاء باهله. (۸۹)

میرے "اہل بیت" ہیں۔ اور "اہل بیت" کا وسیع تر اطلاق ازواج اطہار، بنات طہیات، خاندان نبوت اور ایماندار، تقی، پرہیزگار سب پر ہوتا ہے۔ مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی بن سلطان القاری رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) "عترت" کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

قال الشوریثی "عترۃ المرجل" اہل بیۃ و رھطہ الادنون۔
ولا ستمالہم العترۃ علی اتحاء کثیرۃ بینہا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم بقولہ، اہل بیۃ، لیعلم انہ اولاد ہذالک نسلہ و عصابہ
الادلین و ازواجہ۔ (۹۳)

ترجمہ: توریشی کہتے ہیں، آدمی کی عترت اس کے گھر والے اور قریبی رشتہ دار ہیں۔ اور یہ لفظ وسیع تر معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عترت کی تشریح "اہل بیت" سے فرمائی ہے، تاکہ ظاہر ہو جائے کہ عترت میں آدمی کا خاندان، قریبی گروہ اور بیویاں سب شامل ہوتی ہیں۔

شیخ عبدالحی محمد دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۴ھ) لکھتے ہیں:

"وعترت قوم و خویشان و نزدیکان مرد و اہل بیت و تفسیر
کرد آن را بقول خود"..... مراد این جناز عترت اصص از قوم و
افرباست کہ اولاد جد قریب باشد، یعنی اولاد و ذریعت وی
صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۹۴)

ترجمہ: اور عترت سے مراد آدمی کی قوم اور قریبی رشتہ دار، خویش و اقارب ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر خود فرمائی ہے کہ اس سے میرے اہل بیت مراد ہیں۔ اور اس جگہ عترت سے مراد بالخصوص قوم، قبیلہ اور رشتہ دار ہیں، کیونکہ دادا کی اولاد ہی قریبی ہوتے ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ذریعت۔

سید محمود آلوسی البغدادی رحمہ اللہ (م ۱۲۷۰ھ) سورۃ الاحزاب کی تفسیر میں مذکورہ احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

العترۃ الرجل، کما فی الصحاح، نسلہ و رھطہ الادنون۔

وفی النہایۃ، ان عترۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو عبدالمطلب، وقیل

اہل بیتہ الاقربون،

- وہم اولادہ، وعلی واولادہ رضی اللہ عنہم۔
- وقیل عشرتہ۔ الاقربون والا بعدون منہم، والذی رجحہ القرطبی، انہم
من حرمۃ علیہم الزکاة۔ (۹۵)

ترجمہ: آدمی کی عترت، جیسا کہ صحاح میں ہے، اس کی نسل اور قریبی خاندان ہے۔

- اور نہایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت عبدالمطلب کی اولاد ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عترت سے مراد قریبی رشتہ دار ہیں، اور وہ آپ ﷺ کی اولاد اور علی اور ان کی اولاد ہیں۔

- اور کہا گیا ہے کہ عترت سے مراد قریبی اور دور کے رشتہ دار ہیں۔ اور قرطبی نے ترجیح دی ہے کہ عترت سے مراد آپ ﷺ کے وہ رشتہ دار ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے جن لوگوں پر صدقات اور زکوٰۃ لینا حرام ہے، وہ تو قریش، بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب، آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث شامل ہیں۔ (۹۶)

علمائے اہل بیت بھی اس پر متفق ہیں کہ "عترت" سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت، خاندان، کنبہ، قبیلہ اور اولاد مراد ہیں۔ اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات یقینی طور پر آل، خاندان اور کنبہ میں شامل ہیں۔

مشہور لغوی امام علامہ ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، ابن منظور الافریقی المصنفی رحمہ اللہ (م ۷۷۷ھ) "عترت" کی لغوی تشریح اور تحقیق اس طرح بیان کرتے ہیں:

- وعترۃ الرجل، افریاضہ من ولد و غیرہ، وقیل ہم قومہ دنیا، وقیل: ہم رھط و عشرتہ الادنون من متنی منہم و من عشر، ومنہ قول ابی بکر رضی اللہ عنہ، نحن عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

قال ابن الاثیر: لانہم من قریش، والعامۃ تظن انہا ولد الرجل خاصۃ، وان عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولد فاطمۃ رضی اللہ عنہا
هذا قول ابن سیدہ۔

- ❖ وقال الازهری رحمه الله وفي حديث زيد بن ثابت قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اني تارك فيكم الثقلين خلفي، كتاب الله وعترتي، فانها لن ينفرا حتى يرد علي الحوض، وقال، قال محمد ابن اسحاق، وهذا حديث صحيح.
- ❖ وفي بعضها، اني تارك فيكم الثقلين، كتاب الله، وعترتي اهل بيتي، فجعل العترة اهل البيت.
- ❖ وقال ابو عبيد وغبره، عترة الرجل واسرته وخصيلته وهطه الادنون....
- ❖ ابن الاثير، عترة الرجل اخص اقاربه. وقال ابن الاعرابي، العترة ولد الرجل وذريته عقبه من صلبه.
- ❖ قال فعترة النبي صلى الله عليه وسلم، ولد فاطمة البتول عليها السلام.
- ❖ وروى عن ابی سعيد قال، العترة ساق الشجرة.
- ❖ قال وعترة النبي صلى الله عليه وسلم عبد المطلب وولده، وقيل، عترة اهل بيته الاقربون، وهم اولاد وعلی، واولاده. وقيل، عترة الاقربون والا بعدون منهم.
- ❖ وقيل، عترة الرجل اقرباؤه من ولد عمه دنیا، ومنه حديث ابی بکر رضي الله عنه، قال للنبي صلى الله عليه وسلم حين شاور أصحابه فی اساری بدر، عترتک و قومک. اراد بعترته العباس، ومن كان فیهم من بنی هاشم، وبقومه قریناً.
- ❖ والمشهور المعروف ان عترة اهل بيته، وهم الذين خربت عليهم الزكاة والصدقة المفروضة، وهم ذو والقربى الذين لهم خمس الخمس المذكور فی سورة الانفال، (۹۷)
- ترجمہ: کسی آدمی کی عترت سے مراد اُس کے رشتہ دار، قوم، کنہ، اولاد اور خاندان ہے، جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، "ہم عترت رسول اللہ علیہ وسلم ہیں۔"
- ❖ ابن اثیر کہتے ہیں، کیونکہ ابوبکر بھی قریشی تھے، عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ عترت سے

- مراد صرف اولاد ہے، اور یہ کہ عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہے، یہ قول ابن سیدہ کا ہے۔
- ❖ زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، وہ جدائے ہوں گی یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں۔ اور کہا کہ محمد ابن اسحاق نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔
- ❖ بعض روایات کے الفاظ اس طرح بھی ہیں، میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت، یعنی میرے اہل بیت۔ آپ ﷺ نے عترت کی تفسیر میں فرمایا، میری عترت میرے اہل بیت ہیں۔
- ❖ اور ابو عبیدہ وغیرہ نے کہا، کسی آدمی کی عترت اس کے قریبی رشتہ دار اور کنہ ہوتے ہیں۔ ابن اثیر کہتے ہیں، آدمی کی عترت خاص کر اُس کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ اور ابن عربی کہتے ہیں، آدمی کی اولاد اور اُس کی صلب سے پیدا ہونے والے عترت کہلاتے ہیں۔
- ❖ اور کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت سے مراد حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کی اولاد ہیں۔ اور ابو عبیدہ سے روایت ہے کہ عترت سے مراد درخت کا ٹٹا ہے۔
- ❖ اور عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد عبد المطلب اور اُن کی اولاد ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عترت سے مراد آپ ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہیں، اور وہ آپ ﷺ کی اولاد اور علی اور اُن کی اولاد ہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عترت سے مراد قریب اور ذور کے رشتہ دار ہیں۔
- ❖ اور کہا جاتا ہے کہ آدمی کی عترت اس کے چچا کی اولاد ہوتی ہے، جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مشہور بھی یہی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ان میں آپ ﷺ کی عترت اور آپ ﷺ کی قوم کے لوگ ہیں۔ اور حضرت ابوبکر نے عترت سے حضرت عباس، بنو ہاشم اور قوم قریش کے دیگر افراد مراد لیے تھے۔
- ❖ اور زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ عترت رسول ﷺ سے مراد آپ ﷺ کے وہ اہل بیت ہیں جن

تذکرہ اہل بیت المبارک

پر صدقہ اور زکوٰۃ واجبہ حرام ہے، اور وہ ذوی القربیٰ ہیں (یعنی بنو ہاشم اور بنو مطلب)۔ جن کے لیے سورۃ انفال میں خمس الخمس مذکور ہے۔

مشہور لغوی امام محمد بن یعقوب الفیروز آبادی رحمہ اللہ (م ۸۱۷ھ) لکھتے ہیں:
العترۃ، نسل الرجل، ورہطۃ وعشیرتہ الادنون۔ (۹۸)

ترجمہ: عترت سے مراد آدمی کا خاندان اور قریبی رشتہ دار ہیں۔

مولانا وحید اثر ماں قاسمی کیرانوی مدظلہ لکھتے ہیں:

”العترۃ: بڑا کتبہ جس سے بہت سے قبیلے نکلتے ہوں۔ قبیلہ ایک باپ دادا کی اولاد کو کہتے ہیں۔ یہ عترۃ سے چھوٹا ہوتا ہے۔ آدمی کی نسل، اولاد، چھوٹا کنبدہ، ایک باپ کی قریبی اولاد۔“ (۹۹)

محمد غیاث الدین بن جلال الدین لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”عترت، خویشاں و نزدیکان و فرزندان، از منتخب و مدار و مؤید۔“ (۱۰۰)

ترجمہ: عترت، رشتہ دار، قریبی رشتہ والے، اولاد اور معاون و مددگار لوگ۔“

نواب قطب الدین الدہلوی رحمہ اللہ (م ۱۲۸۹ھ) تذکرہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”عترت سے مراد آپ ﷺ کی اولاد ہے۔ اور اہل بیت سے مراد آپ ﷺ کے

قرابت دار اور جد قریب کی اولاد بھی ہے اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات بھی۔

رضوان اللہ علیہم۔“ (۱۰۱)

ان تفصیلات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ”عترت رسول“ اپنے

وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے قوم قریش، بنو ہاشم، بنو مطلب، آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل

اور آل حارثہ سب پر محیط ہے۔ یہ چار کے عدد میں محدود نہیں اور نہ ہی ”چار“ ہی کی تصریح

قرآن و حدیث و لغت اور تاریخ کے دامن تبادر میں کہیں دکھائی دیتی ہے۔ جس طرح اہل بیت

کے مصداق میں بعض لوگوں نے تنگ نظری کا مظاہرہ کیا ہے، اسی طرح ”عترت رسول“ کے

مصداق میں بھی سرتق کی جسارت کی ہے۔ اب یہ لوگ براہین و دلائل کے آفتاب عالم تاب کے

سامنے سرا سیمانظر آتے ہیں۔

آل بیت نبوی

اقسام آل

قرآن، حدیث اور لغت عرب کی روش سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ لفظ ”آل“ ایک کثیر المعنی لفظ ہے، اور اس کا اطلاق حسب ذیل شخصیات پر ہوتا ہے:

- ۱۔ رسول اللہ ﷺ کی اپنی شخصیت
- ۲۔ اولیٰں صدق ازواج مطہرات
- ۳۔ اولاد اور ذریت طیبہ
- ۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل ایمان قرابت دار
- ۵۔ جنہیں علم و معرفت کے لحاظ سے آپ ﷺ کے ساتھ خصوصی تعلق ہو۔
- ۶۔ شریعت اسلامیہ کے کماحقہ پابند
- ۷۔ ہاشم اور مطلب کی ساری اولاد جن پر صدقات حرام ہیں۔
- ۸۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے آزاد کردہ غلام
- ۹۔ قوم اور وارث
- ۱۰۔ آپ ﷺ کے اتباع و انصار، امت مسلمہ، فرزند ان توحید

زیر بحث آل محمد کی تین اقسام قرار پائی ہیں:

- ۱۔ آل بیت نبوی
- ۲۔ آل بیت سکونی
- ۳۔ آل بیت ولادت

اہل بیتہ من حرم الصلۃ بعدہ

آل علی، آل عقیل، آل جعفر، آل عباس

(مسلم ج ۳، ص ۳۷۹)

۱۔ نازل

جنگ بدر میں جب مشرکین کو شکست ہوئی تو دوسرے قیدیوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا، فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ۔ عرض کی، یا رسول اللہ! میرے پاس فدیہ کے لیے کوئی چیز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، چڑھ والے نیزے فدیہ میں دے دو۔ اس کے جواب میں انہوں نے آپ ﷺ کی رسالت کا اعتراف کیا اور ایک ہزار نیزے فدیہ میں پیش کر دیے۔ اسلام کے بعد مکہ مکرمہ واپس چلے گئے اور غزوہ خندق یا فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لائے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۲۵ھ میں وفات پائی۔ امیر المومنینؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں آسودۂ خواب ہوئے۔ متحدہ بننے اور چٹیاں چھوڑیں۔^(۳)

۲۔ عبد اللہ

عبد اللہ بن حارث فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا نام عبد اکتس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبد اللہ نام رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں وفات پائی۔^(۳)

۳۔ ربیعہ

اپنے چچا عباس سے دو سال بڑے تھے۔ جنگ احزاب کے موقع پر حضرت عباسؓ وغیرہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ایوان کے مقام پر پہنچ کر واپس مکر لوث جانے کا ارادہ کیا۔ نازل نے کہا، اُس شرک کدہ میں کہاں جاتے ہو، جہاں کے آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے اور اُن کی تکذیب کرتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے اور اُن کے صحابہ کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے، ہمارے ساتھ سیٹے چلو۔ بہر حال یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

ان کا ایک بچہ شیر خواہی کے عالم میں دشمنوں نے قتل کر دیا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

وَأُولَٰ ذِمَّةِ أَصْحَابِهِ ابْنِ رِبْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ.

ترجمہ: خون کا پہلا مطالبہ جسے میں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث بن

آل نبی

عبد المطلب بن ہاشم

عبد المطلب بن ہاشم کے گیارہ بیٹے تھے:

- | | | |
|----------------|---------------|-----------------|
| ۱۔ حارث | ۲۔ قبیر | ۳۔ ابو طالب |
| ۴۔ حمزہ | ۵۔ عباس | ۶۔ مقوم |
| ۷۔ عبد اللہ | ۸۔ ضرار | ۹۔ حنظلہ مغیرہ: |
| ۱۰۔ عبد العزیٰ | ۱۱۔ عبد الجحد | |

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں

- | | | |
|----------|---------|----------|
| ۱۔ عاتکہ | ۲۔ صفیہ | ۳۔ ادوی |
| ۴۔ امیرہ | ۵۔ بنہ | ۶۔ رضیاء |

مسلمان چچا

- | | |
|----------|----------|
| ۱۔ عباسؓ | ۲۔ حمزہؓ |
|----------|----------|

حارث بن عبد المطلب

عبد المطلب کے سب سے بڑے بیٹے ہیں، اور ان ہی کے نام سے عبد المطلب کی کنیت

”ابو الحارث“ تھی۔

حارث بن عبد المطلب کے چار بیٹے تھے، نازل، عبد اللہ، ربیعہ اور ابوسفیان مغیرہ۔

چاروں اسلام اور شرف صحابیت سے مشرف ہوئے۔

عبدالطلب کا مطالبہ ہے۔ (۵)

خلافت فاروقی اعظم رضی اللہ عنہ میں ۲۳ کو وفات ہوئی۔

۳۔ ابوسفیان

ان کا نام مغیرہ بن حارثہ بن عبدالمطلب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچرا بھائی ہوئے کے علاوہ رضاعی بھائی بھی تھا۔ انہوں نے بھی سیدہ حلیمہ سعیدہ کا دودھ پیا تھا۔ عرب کے مشہور شاعر اور صحابی ہیں۔

فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی باگ انہی کے ہاتھ میں تھی۔ ثابت قدم رہے، ایک لمحہ کے لیے بھی رکاب نہ ہلایا۔

حضرت معاویہ کے دور خلافت میں وفات ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا تھا، ابوسفیان انہی و خیر اہلی۔ (۶)

سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ

نام حمزہ، ابوہیثم اور ابوعمارہ کنیت، اسد اللہ لقب تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے، یعنی ابولہب کی باندی ثویبہؓ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ سن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برس بڑے تھے۔ (۷)

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے نبوی میں اسلام قبول کیا۔ (۸)

شمیر زنی، تیر اندازی اور پہلوانی بھینجی ہی سے شوق تھا۔ غزوہ بدر میں شجاعت و بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ کفار کے بڑے بڑے سوراؤں کو خاک و خون میں تر پلایا۔ غزوہ احد میں بھی بے جگر سے لڑے۔ کفر کے مذی دل میں گھس کر کشتوں کے پستے لگا دیے۔ آخر جام شہادت نوش کر لیا، اور سر و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان و حق ترجمان سے "سید الشہداء" کا خطاب ملا۔

شہادت

جبکہ بدر میں کفار کے نامی گرامی سردار سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں واصل جہنم

ہوئے تھے، اس لیے تمام قریش سب سے زیادہ ان کے خون کے پیاسے تھے۔ چنانچہ جہیر بن مطعم نے اپنے غلام "وحشی" کو کہا کہ اگر تم حمزہ کو قتل کر دو تو تمہیں آزادی مل جائے گی۔ "وحشی" احد کے موقع پر ایک چٹان کے پیچھے گھس گیا۔ جب حضرت حمزہؓ قریب سے گزرے تو اس نے اچانک حملہ کر دیا، جس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

اس شیر خدا کی شہادت پر قریش کی عورتوں نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بخت عجب نے ناک، کان کٹ کر ہار بنایا۔ شکم چاک کر کے جگر نکالا اور چپایا، پھر تھوک دیا۔ (۹)

جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی لاش پر تشریف لائے، انتہائی کرہناک منظر دیکھ کر بے اختیار دل بھرتا ہوا مخاطب ہو کر فرمایا: "تم پر خدا کی رحمت ہو۔ تم رشتہ داروں کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ اگر مجھے عقیقہ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں اسی طرح بے گور و کفن چھوڑ دیتا۔ درندے اور پرندے کھا جاتے اور تم قیامت کے دن ان کے شکم سے اٹھائے جاتے۔ بخدا! مجھ پر تمہارا انتقام لازم ہے۔ میں تمہارے عوض ستر کافروں کا مسئلہ کروں گا۔"

لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد وحی الہی نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت کر دی۔ اس لیے قسم کا کفارہ ادا کر کے میر و شکیبائی اختیار فرمائی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں۔ بھائی کی شہادت کا حال سن کر دو چادریں کفن کی لے آئیں۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پہلو میں ایک انصاری صحابی کی لاش بھی بے گور و کفن دیکھی، اس لیے ان دونوں شہیدانِ ملت میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی۔ اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے، پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، چادر سے سر اور چہرہ چھپاؤ اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو۔ غرض اس عبرت انگیز طریقہ سے سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا۔ (۱۰)

اولاد

سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاں دو فرزند (عمارہ، یعلیٰ) اور دو بیٹیاں (اسم فاضل اور امامہ) پیدا ہوئیں۔

یعلیٰ ہی سے آپ کی کنیت ابوہیثم تھی۔ عمارہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام بھی حمزہ

رکھا گیا۔ اور علی بن حمزہ کے پانچ لڑکے تولد ہوئے مگر ان کی نسل آگے نہ بچ سکی۔ ان کے نام یہ تھے: فاروق، فضیل، زبیر، عقیل اور محمد۔ تمام بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ اس طرح سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسل شروع ہی میں منقطع ہو گیا۔

آپ کی بیٹی امام نے بیچ مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ روانہ ہونے لگے تو آپ کو بھائی کہہ کر خطاب کیا۔ حضرت حمزہ کے رشتہ داروں میں حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم نے ان کی پرورش کے متعلق بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے اپنے دلائل پیش کیے۔ لیکن آپ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا، کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس امامہ کی حقیقی خالہ تھیں۔

بعد ازاں امامہ کا نکاح ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند سلمہ کے ساتھ ہوا تھا۔^(۱۱)

ابولہب بن عبدالمطلب

ابولہب کا نام عبدالعزیٰ اور کنیت ابوہبہ تھی۔ اس کے حسین و جمیل ہونے کی وجہ سے باپ نے اسے ابوہبہ کہا اور پھر اسی نام سے مشہور ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا۔ عارضہ طاعون میں ہلاک ہوا۔

اس کے تین بیٹے تھے: عتبہ، عتبہ، عتبہ۔ اور ایک بیٹی ذرہ تھی۔ عتبہ اور عتبہ فتح مکہ کے دن فرار ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو انہیں لانے کے لیے بھیجا۔ وہ دونوں حاضر خدمت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غزوہ حنین اور طائف میں شرکت کی اور مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے۔^(۱۲)

ذرہ بھی نوایمان سے منور ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلی گئیں۔ حارث بن نوفل بن حارث سے عقد ہوا۔ عتبہ اور ولید دو بیٹے پیدا ہوئے۔^(۱۳)

سیدنا عباس بن عبدالمطلب

عباس نام، ابو الفضل کنیت، والدہ کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام خلیلہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کے حقیقی چچا تھے۔^(۱۴)

زمانہ جاہلیت میں قریش کے ایک سربراہ اور دو رئیس تھے۔ بیت اللہ کا اہتمام و انصرام اور لوگوں کو پانی پلانے کا منصب انہیں اپنے والد عبدالمطلب سے وراثت میں ملا تھا۔^(۱۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے میں بظاہر تاخیر سے کام لیا، لیکن دل سے اس تحریک کے حامی تھے۔ بیعت عقبہ کے موقع پر بھی موجود تھے۔

غزوہ بدر میں مشرکین قریش کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ معرکہ میں شریک ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت حال سے آگاہ تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ہدایت فرمائی کہ اٹھائے جنگ میں عباس اور دیگر بنی ہاشم کو قتل نہ کرنا۔^(۱۶) دیگر قیدیوں کے ہمراہ گرفتار ہوئے۔

حضرت عباس کی مشکلیں اس قدر گہری ہوئی تھیں کہ دردناک آواز سے کراہ رہے تھے۔ ان کی کربناک آواز نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اُچاٹ کر دی۔ صحابہ کرام کو معلوم ہوا تو ان کی مشکلیں دُحلی کر دیں۔ لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمام قیدیوں کی ترسیاں دُحلی کر دیں۔^(۱۷)

قید سے رہائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کا فدیہ لے کر چھوڑ دیے کا فیصلہ فرمایا۔ چونکہ حضرت عباس کی والدہ ماجدہ انصار کے قبیلہ خزاع سے تھیں، اس لیے انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، عباس ہمارے بھانجے ہیں، ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی بنا کر گوارا نہیں فرمایا، اور دولت مند ہونے کی وجہ سے ان سے معقول رقم طلب فرمائی۔^(۱۸)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ناداری کا عذر پیش کیا، اور کہا کہ میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، لیکن قوم نے مجھے جبراً جنگ میں شریک کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دل کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اگر آپ کا دعویٰ سچا ہے تو اللہ تعالیٰ آجروے گا، لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہو سکتی۔ ناداری کا عذر بھی قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے آپ مکہ میں ام الفضل کے پاس بہت بڑی رقم رکھتے آئے ہو۔

حضرت عباس کو سن کر سخت تعجب ہوا، اور کہنے لگے، خدا کی قسم! مکہ والی رقم میرے اور ام الفضل کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر انہوں نے اپنا اور

اپنے بھتیجے عقیل اور نوفل بن حارث کا فد یہ بیس اوقیہ سونا (ایک اوقیہ کا وزن ساڑھے دس تولاہ بنتا ہے) ادا کر کے رہائی حاصل کی۔ (۱۹)

تاخیر اسلام اور قیام مکہ

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا ایک عرصہ تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہنا اور دائرۃ اسلام میں طمانیہ داخل نہ ہونا ایک مصلحت پر مبنی تھا، کہ وہ کفار مکہ کی قتل و حرکت اور ان کے راز ہائے سریت کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے۔ علاوہ انہیں اس سرزمینِ کفر میں جو منافقائے اسلام رہ گئے تھے، ان کے لیے طواغوتی تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی حضرت عباسؓ نے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اجازت نہ دی اور فرمایا: ”آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے، اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا۔“ (۲۰)

فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے ہجرت کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ وہ صبح اہل و عیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طمانیہ بیعت کر کے مستقل طور پر مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

بارگاہِ نبوت میں اعزاز

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی بیحد تعظیم و توقیر فرماتے تھے۔ ان کی معمولی سی تکلیف سے بھی آپ ﷺ پریشان ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے بارگاہِ نبوت میں شکایت کی کہ قریش جب بھی باہم ملے ہیں تو ان کے چہروں پر تازگی و شگفتگی برسی ہے، لیکن جب ہم سے ملے ہیں تو ہلاکت کے بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبٌ وَجَلَّ الْإِيمَانُ، حَتَّى يُجِئَكُمْ لَكُمْ وَلِرَسُولِهِ.

ثم قال ايها الناس من اذى عمي فقد اذاني، فانما عم الرجل جبل صينوا به. (۲۱)

ترجمہ: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! جو شخص اللہ اور رسول کے

لیے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا، اس کے دل میں نور ایمان نہیں ہوگا۔
لوگو! جو شخص میرے چچا کو ستائے گا، وہ مجھے ستائے گا، اس لیے کہ چچا باپ کے مانند ہوتا ہے۔

ایک انصاری نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے باپ کے متعلق کوئی نازیبا بات کہہ دی تو عباسؓ نے اسے چاٹنا مار دیا۔ اس کی قوم نے قسم کھائی کہ ہم عباس سے بدلہ لیں گے۔ اور وہ لوگ نکواریں لے کر نکل آئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

ايها الناس، اى اهل الارض اكرم على الله.

ترجمہ: لوگو! اے زمین پر بسنے والو! اللہ کی طرف سے تم پر میری عزت کرنا لازم ہے۔

لوگوں نے کہا، کیا آپ یا رسول اللہ؟

آپ ﷺ نے فرمایا، فان العباس منى و اما منه. لا تسبوا اموالنا، فتؤذى

احبابنا.

ترجمہ: بے شک عباس مجھ سے ہے اور میں عباس سے ہوں۔ تم مردوں کو بُرا نہ کہو، اس

سے زندوں کو اذیت پہنچے گی۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وان عم الرجل صينوا ابيه، من اذى العباس فقد اذاني. (۲۲)

ترجمہ: چچا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ جو شخص عباس کو تکلیف دے گا، اُس نے مجھے

اذیت دی۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں

صدقات وصول کرنے پر مقرر فرمایا۔ انہوں نے حسبِ تادمہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی رقم

طلب کی۔ انہوں نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے سختی سے تقاضا کیا۔ جب اس بات کا علم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

واما العباس فيمي غلّي ومثلها معها. ثم قال: يا غصن! انا شغوث ان

عم الرجل صينوا ابيه. (۲۳)

ترجمہ: اے عباس! ان کی زکوٰۃ اور اس کا وہ گنا میرے ذمہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، اے عمر! کیا تم نہیں جانتے کہ پچاس پاپ کے برابر ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا، میرے روزِ صبح کے وقت میرے پاس آنا تاکہ میں تمہارے لیے دعا کروں، جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو نفع دے۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کے ساتھ پھر کے دن صبح کے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر اپنی چادر ڈال دی اور یوں دعا فرمائی:

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبَّاسٍ وَوَلَدِهِ مَغْفِرَةً طَاهِرَةً وَبَاطِنَةً. لَا تَعْدُو ذُنُوبًا.
اللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِي وَلَدِهِ هَذَا. (۲۳)

ترجمہ: اے اللہ! عباس کو اور اس کی اولاد کو بخش دے۔ ظاہر اور باطن دونوں حالتوں میں ان کو پاک کر دے اور ان کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ باقی نہ رہے، اور ان کی اولاد کی حفاظت فرما۔
اولاد

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی متعدد بیویاں تھیں، جن سے کئی بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں:
فضل، عبید اللہ، عبید اللہ، قثم، عبد الرحمن، معبد، الحارث، کثیر، عون۔ (۲۵)
تمام، معنیہ، امیر، ام حبیبہ۔ (۲۶)

اخلاق

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحمدل تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یہ عباس عم رسول ہیں۔ یہ قریش میں سب سے زیادہ کشتادہ دست ہیں اور اپنے رشتہ داروں کا بہت خیال رکھنے والے ہیں۔“ (۲۷)

وفات

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ انھاسی (۸۸) برس کی عمر پا کر ۳۲ھ میں رجب یا رمضان المبارک بروز جمعہ المبارک دیکھ کر بنی ہاشم عالم جاوداں ہوئے۔ خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی

اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قبر میں اتار کر سپرد خاک کیا، اور جنت البقیع میں آسودہ خاک ہیں۔ (۲۸)

فضل بن عباس رضی اللہ عنہ

نام فضل، کنیت ابو محمد، ہمرکاب رسول لقب، سلسلہ نسب فضل بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم، والدہ کا نام ”لبابہ“ تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان ہی کے نام سے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی ”ابو الفضل“ کنیت تھی۔ یہ سب سے بڑے بیٹے تھے۔ (۲۹)

غزوہ بدر سے پہلے شرف باسلام ہوئے، لیکن مشرکین کے خوف کی وجہ سے اعلان نہیں کیا۔ فتح مکہ سے کچھ دن پہلے اپنے والد بزرگوار حضرت عباسؓ کے ساتھ ہجرت کی۔ غزوہ فتح مکہ میں شمولیت کی، بعد ازاں حنین کے محرمہ میں بھی شامل ہوئے اور غیر معمولی جاں فروشی دکھائی۔

جذہ الوداع میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس شان سے نکلے کہ آپ ﷺ کی سواری پر رواق افروز تھے۔ اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ”ہمرکاب رسول“ کا لقب عطا فرمایا تھا۔ (۳۰)

فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کی سعادت بھی حاصل ہے۔ جو حضرات غسل دینے میں شریک تھے، ان میں فضل بھی شامل تھے۔ یہ پانی ڈال رہے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہلاتے تھے۔ (۳۱)

عارف طاعون میں وفات ہوئی۔ ان سے ۱۲۳ھ ویت مروی ہے۔

عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

نام عبید اللہ، کنیت ابو محمد، والدہ کا نام عباس بن عبدالمطلب اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا۔ فیاض اور سخاوت کی وجہ سے ”اجود الناس“ مشہور تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انہیں یمن کا حاکم بنایا تھا۔ امیر الحجاز کے فرائض بھی انجام دیے۔

اپنے والد گرامی قدر اور بھائیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ کی ہجرت کی تھی۔ ان کے بھائی عبید اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ظلم میں وسعت عطا فرمائی اور انہیں (عبید اللہ کو) لوگوں کو کھانا کھلانے میں

وسعت مناعت فرمائی۔ کہا جاتا ہے کہ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔ (۳۲)

قلم بن عباس رضی اللہ عنہ

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے "قلم" ہاشمی قریشی ہیں۔ والدہ کا نام ام الفضل لہا بہ بنت الحارث ہے۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور حضرت عباسؓ کے بیٹے عبداللہ اور قلمؓ اکٹھے کھیل رہے تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرتے۔ آپ ﷺ نے مجھے سواری پر اپنے آگے بٹھالیا اور قلمؓ کو اپنے پیچھے، اور عبید اللہؓ جو اپنے باپ کو قلمؓ سے بھی زیادہ محبوب تھے، چھوڑ دیا۔ (۳۳)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں مکہ مکرمہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ آخر دم تک اس منصب پر فائز رہے۔ سعید بن عثمان بن عفان کے ہمراہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سرقہ کے جہاد میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش جان فرمایا۔ (۳۴)

عبداللہ بن عباسؓ

عبداللہ نام، ابا العباس کنیت، والدہ کا نام عباس اور والدہ کا نام ام الفضل لہا بہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زویا بھائی اور ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ ام الفضل، سیدہ میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔

ولادت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہجرت سے تین یا پانچ سال پہلے مکہ مکرمہ کی اس گھنائی یعنی شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے، جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو بارگاہ نبوت میں لائے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔ (۳۵)

فتح مکہ کے بعد اپنے والد گرامی قدر کے ساتھ اسلام قبول کیا، اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس وقت حضرت عبداللہ کی عمر گیارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔

لیکن اپنے والد کے حکم سے اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن انہوں نے گھر واپس آ کر بتایا، "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے آدمی کو دیکھا جسے میں نہیں جانتا ہوں۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ حسب عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ ﷺ نے عبید اللہ کو بلا کر فرمایا محبت سے اپنے آغوش عاطفت میں بٹھالیا اور سر پر ہاتھ مبارک پھیر کر دعا فرمائی، اللھم علّمہ الکتاب۔ (۳۶)

عہد طفولیت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نظر ثاؤین، سلیم الطبع، متین اور شجیدہ تھے، تاہم انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا، وہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا، جس میں انسان کو تکمیل کو دست دل آویزی ہوتی ہے۔ عبداللہ خود بیان کرتے ہیں:

میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے گھر کے دروازے میں چھپ گیا۔ لیکن آپ ﷺ نے مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا، جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔ میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور کہا، "علیہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یاد فرما رہے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے۔" (۳۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء میں سے تھے۔ ان کی ذات ایسی زندہ کتب خانہ تھی، جس میں تمام علوم و عارف بہ ترتیب جمع تھے۔ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری وغیرہ میں ید طولی حاصل تھا۔

قرآنی علوم میں علم النسخ کی اہمیت بالکل واضح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس بحر زخار کے بھی شہسوار تھے۔ تمام تاریخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن میں محفوظ تھے۔ اور یہ سب کچھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس دعاؤں کا نتیجہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر اپنا دست مبارک رکھا اور دعا دی:

اللّٰهُمَّ فَعِّفْهُ لِحُبِّ الدِّينِ، وَغَلِّمْهُ التَّوْبَةَ۔ (۳۸)

ترجمہ: اے اللہ! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور جاہل کا طریقہ سکھا۔
ایک روایت میں ہے:

نعم ترجمان القرآن انت۔ (۳۹)

ترجمہ: آپ کہتے اچھے ترجمان قرآن ہیں۔

ایک روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اللّٰهُمَّ علِّمہ الحکمۃ۔ (۴۰)

اے اللہ! اسے دانائی اور حکمت سکھا۔

اللّٰهُمَّ بارک لہ، وانشر منہ، واجعلہ من عبادک الصالحین۔ (۴۱)

ترجمہ: اے اللہ! اسے برکت عطا فرما۔ اسے دین کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنا اور اسے

اپنے نیک صالح بندوں میں سے کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی:

اللّٰهُمَّ زدہ علماً وفقہاً۔ (۴۲)

ترجمہ: اے اللہ! اسے علم اور فقہت میں زیادہ کر دے۔

ایک روایت میں ہے:

اللّٰهُمَّ اخش جوفہ حکمنا وعلماً۔ (۴۳)

وفات

۶۸ھ میں پانچویں حیات لبریز ہو گیا۔ چند روزہ علالت کے بعد طاعونِ قفسِ غصری سے

پردہ کر گیا۔ محمد بن حنفیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سپرد خاک کر کے کہا:

”خدا کی قسم! آج دنیا سے جبرامت اٹھ گیا۔“

وصال کے وقت چھتر سال تھی، اور طائف میں انتقال ہوا اور وہیں تدفین ہوئی۔ (۴۴)

اولاد

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد امجاد حسب ذیل تھی:

عباس بن علی، فضل، محمد، عبید اللہ، یاسر اور اسماء۔

ابوطالب بن عبد المطلب

آپ کا نام عبد مناف بن عبد المطلب بن ہاشم ہے، لیکن ”ابوطالب“ کنیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ۳۵ سال پہلے پیدا ہوئے۔ حضرت عبد المطلب نے اپنے وصال کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی وصیت کی تھی، اسی بنا پر ابوطالب مدۃ العمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت کرتے رہے اور مشکل مراحل میں ان کا تعاون آپ ﷺ کے ساتھ رہا۔ اور قریش مکہ کے مظالم کے مواقع میں بھی آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی کرتے رہے اور قوم کی ایذا و رسائی کی صورت میں آپ مدافعت بھی کرتے۔

ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف سیدنا علی المرتضیٰ کی والدہ مکرمہ اور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی تھیں۔ ابو عمرو کا بیان ہے وہ ہاشمی خاندان کی پہلی خاتون ہیں جن کے بطن سے ایک ہاشمی پیدا ہوا۔ یعنی ہاشمی خاتون کا بیٹا سیدنا علی پہلے ہاشمی خلیفہ تھے۔ (۴۶)

فاطمہ بنت اسد اسلام سے شرف ہوئیں اور مدینہ منورہ ہجرت کی۔ جب ان کا وصال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا گریبان ان کے کفن میں عطا فرمایا۔ ان کی قبر میں پہلے خود اندرجا کر لیٹے، یہ ان کی خدمات اور شہادت کا اعتراف اور ان کی عزت و تعظیم کا اظہار تھا۔ (۴۷)

مولانا محمد نافع مدظلہ لکھتے ہیں:

”بعض لوگ مسئلہ کفالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تجاوز کرتے ہوئے اس بات

پر مصر ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کنفل ابوطالب نہیں تھے بلکہ زبیر بن

عبد المطلب تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کا ذمہ لے

رکھا تھا۔ مگر یہ مسئلہ تحقیق کے مطابق نہیں اور علماء کرام نے زبیر بن عبد المطلب

کے کنفل ہونے کی بجائے ابوطالب کی کفالت کو صحیح قرار دیا ہے، اور اسی کو ترجیح

دی ہے۔ اس مسئلہ میں مقامات ذیل ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ انساب الاشراف للبیہا قری، ج ۱، ص ۸۵، تحت بحث کفالت

۲۔ سیرۃ حلبیہ، ج ۱، ص ۱۳۳-۱۳۵، تحت باب وفات عبد المطلب

۳۔ تاریخ الخمیس، ج ۱، ص ۲۵۳، تحت کفالت ابی طالب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، (۲۸)

امام ابن ہشام (م ۲۱۸ھ) نے سیرت النبویہ، ص ۲۱۶، تحت کفالت ابی طالب لرسول اللہ: امام محمد بن سعد بن منیع الزہری (م ۲۳۰ھ) نے طبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۵۶، تحت وفاة عبدالمطلب: امام ابن کثیر الدمشقی (م ۷۷۴ھ) نے البدایہ والنہایہ، ج ۲، ص ۲۸۲: علامہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے الامساب، ج ۳، ص ۱۱۵ میں بھی ابوطالب ہی کی کفالت کا ذکر کیا ہے۔ ابوطالب کے ایمان کے متعلق جمہور علمائے مفسرین، محدثین، فقہاء، اہل سیر اور اہل تاریخ یہی لکھتے ہیں کہ وہ ملت عبدالمطلب پر فوت ہوئے اور ایمان نہیں لائے۔ قرآن مجید کی یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ. (سورۃ القصص: ۵۶)

ترجمہ: آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، اور لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔ اور وہی خوب جانتا ہے جو ہدایت حاصل کریں گے۔

(۱) امام محی الملوک ابی محمد حسین بن مسعود القراء البغوی رحمہ اللہ (م ۵۱۶ھ) اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں:

نزلت فی ابی طالب. (۳۹)

(۲) امام جواد اللہ محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۲۸ھ) بھی لکھتے ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (۵۰)

(۳) امام ابو الفرج عبد الرحمن بن علی ابن الجوزی رحمہ اللہ (م ۸۹۷ھ) لکھتے ہیں:

قال الزجاج: اجمع المفسرون انها نزلت فی ابی طالب. (۵۱)

(۴) امام فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین بن الحسن بن علی الرازی (م ۶۰۳ھ) لکھتے

ہیں:

قال الزجاج: اجمع المسلمون علی انها نزلت فی ابی طالب. (۵۲)

(۵) امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی (م ۶۷۲ھ) رقم طراز ہیں:

قلت: والصواب ان يقال اجمع جل المفسرين علی انها نزلت فی شان ابی طالب عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وهو نص فی حدیث البخاری و مسلم. (۵۳)

(۶) امام ابی جلیل عبد اللہ بن احمد بن محمود النیشی (م ۷۱۰ھ) نے بھی لکھا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ (۵۴)

(۷) امام محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الشیبی بانی حیان (م ۵۴۴ھ) نے بھی اس آیت کو ابوطالب کے متعلق قرار دیا ہے۔ (۵۵)

علامہ غامد الدین ابن کثیر (م ۷۴۲ھ) رقم طراز ہیں:

وقد ثبت فی الصحیحین انها نزلت فی ابی طالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. وقد كان يحوطه وينصره، ويقوم فی صفه، ويحبه حباً شديداً طبعياً لا شرعياً، فلما حضرته الوفاة وحان اجله، دعاه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الايمان والدخول فی الاسلام. فسبق القدر فيه، واختطف من ايده فاستمر علی ما كان عليه من الكفر. ولله الحکمة التامة. (۵۶)

ترجمہ: صحیحین میں ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے بارے میں اتری ہے، جو آپ ﷺ کا بہت طرفدار تھا۔ اور ہر موقع پر آپ ﷺ کی مدد کرتا تھا۔ اور آپ ﷺ کا ساتھ دیتا تھا۔ اور دل سے محبت کرتا تھا۔ لیکن یہ محبت بوجہ رشتہ داری کے طبعی تھی، شرعاً نہ تھی۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو حضورؐ نے اسے اسلام میں آنے کی دعوت دی اور ایمان لانے کی رغبت دلائی۔ لیکن تقدیر کا لکھا اور خدا کا چاہا غالب آیا، یہ ہاتھوں میں سے پھسل گیا اور اپنے کفر پر آزار ہا۔ (ترجمہ از تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۵، سورۃ قصص)

(۹) امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

”مسلم، ترمذی، ابن ابی حاتم، ابن مردويه، تہذیبی، ابن ابی شیبہ، امام احمد، بخاری، نسائی وغیرہ نے اس آیت کا شان نزول ابوطالب کے حق میں بیان کیا ہے۔“ (۵۷)

(۱۰) علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم الحارثی نے بھی تفسیر خازن، ج ۳، ص ۴۳۶ میں اس آیت کو ابوطالب کے متعلق بیان کیا ہے۔

تقریباً تمام مفسرین اسی تفسیر پر متفق ہیں، کسی نے اس سے اعراض نہیں کیا۔ البتہ سورہ توبہ کی آیت ۱۱۳ کے متعلق تمام مفسرین نے "ابوطالب" بھی مراد لی ہے، اور کئی دیگر روایات بھی ذکر کی ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَئِي قُرْبَىٰ مِنْكُمْ بَعْدَ مَا قَبِلْتُمْ لَهُمْ أَنْتَهُم أَصْحَابُ الْجَحِيمِ.

امام ابی جعفر محمد بن جریر الطبری (م ۲۰۱ھ) نے متعدد روایات نقل کی ہیں، جن میں سے بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ (۵۸)

ابوطالب کی وفات کا جب وقت قریب آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت وہاں ابو جہل بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن المخرمہ بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا، چچا! ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے، تاکہ میں اللہ کی بارگاہ میں اس کلمہ کی وجہ سے آپ کے حق میں گواہی دے سکوں۔

اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کہنے لگے، ابوطالب کیا عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر ان کے سامنے دین اسلام پیش کرتے رہے۔ ابو جہل اور ابن ابی امیہ بھی اپنی بات دہراتے رہے۔ ابوطالب کی آخری بات یہ تھی کہ وہ عبد المطلب کے دین پر ہیں۔ انہوں نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں آپ کے لیے طلب مغفرت کرتا رہوں گا، تاکہ مجھے منع کر دیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَئِي قُرْبَىٰ. (سورہ التوبہ: ۱۱۳) (۵۹)

اولاد

ابوطالب کے چار فرزند تھے، طالب، عقیل، جعفر اور علی المرتضیٰ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے بچوئے تھے۔

موزخین نے اس مقام پر ایک تاریخی انجیوہ ذکر کیا ہے کہ ان چاروں بھائیوں کی ولادت کے درمیان دس دس برس کا وقفہ ہے، یعنی چاروں بھائی ایک دوسرے سے دس دس برس بعد پیدا ہوئے۔ (۶۰)

ابوطالب کی دو بیٹیاں تھیں: ام ہانی اور ہنایہ۔

ابوطالب کی یہ ساری اولاد فاطمہ بنت اسد سے پیدا ہوئی تھی۔ (۶۱)

طالب

طالب بن ابی طالب اپنے برادران میں سب سے بڑے تھے۔ وہ غزوہ بدر میں کفار کی طرف سے شامل تھے۔ ان کی موت کفریہ ہوئی۔ (۶۲)

عقیل

عقیل بن ابوطالب باقی تین بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ ان کی کنیت ابو یزید تھی۔ عقیل غزوہ بدر میں مشرکین کلمہ کی طرف سے شامل ہوئے تھے۔ یہ بھی بدر کے قیدیوں میں شامل تھے۔ حضرت عباسؓ نے ان کا زہر فدیہ ادا کر کے خلاصی کرائی تھی۔ (۶۳)

صلح حدیبیہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور غزوہ موتہ میں شریک ہوئے تھے۔ (۶۴) عقیل رضی اللہ عنہ انساب قریش اور احوال قریش کے بہت زیادہ ماہر تھے۔ مکالمات میں بڑے حاضر جواب تھے۔ لوگ ان سے مسائل میں رہنوع کرتے تھے۔ (۶۵)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض دفعہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے جاتے اور کئی دن قیام پذیر رہتے۔ سیدنا معاویہ بھی ان کی بڑی قدر وانی فرماتے اور عزت افزائی کرتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پچاس ہزار درہم عطا فرمائے تھے تاکہ یہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ (۶۶)

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آخر میں، یازید کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی۔ (۶۷)

جعفر الطیار رضی اللہ عنہ

جعفر نام، والد ابو طالب یعنی عبد مناف، کنیت ابو عبد اللہ، اور القاب "الطیار"، "ذوالجناحین" اور "ابو الساکین"، والدہ مکرمہ فاطمہ بنت اسد تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی اور عمر میں ان سے دس سال بڑے تھے۔

اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت علیؑ کے ساتھ مشغول عبادت تھے، خاندان ہاشم کے سردار ابو طالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہِ مہریت میں سر بھیج دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا۔ اپنے صاحبزادے حضرت جعفرؑ کی طرف دیکھ کر کہا، جعفر! تم بھی اپنے چچا زاد کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ۔ حضرت جعفرؑ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ ان کو خدا نے لایزال کی عبادت و پرستش میں کچھ مزہ آیا کہ وہ بہت جلد ہمیشہ کے لیے اس کے پرستاروں میں داخل ہو گئے۔ جبکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ گزین بھی نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک صرف انہیں بتیں آ دی اس معادیت سے مشرف ہوئے۔

ہجرت حبشہ

مشترکینا مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر جب مسلمانوں کی جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ملک حبشہ کی راہ لی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ لیکن قریش نے وہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں مکہ سے گراں قدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے شاہ کے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ "ہماری قوم کے چند نامکھنوجوان اپنے باپ دادا کے مذہب سے برگشتہ ہو کر حضور کے قلمروے حکومت میں آگئے ہیں، انہوں نے ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جسے پہلے کوئی جاننا بھی نہ تھا۔ ہمیں ان نو جوانوں کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور والا ان کو ہمارے ساتھ مکہ واپس کر دیں۔"

درباریوں نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی۔ لیکن بادشاہ نے مسلمانوں کو

نہا کر اس نئے مذہب سے آگاہی چاہی، جس کی خاطر انہوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا ہے۔

شاہی دربار میں حضرت جعفر کا خطاب

مسلمانوں نے شاہ نجاشی سے گفتگو کے لیے اپنا نمائندہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ انہوں نے اس طرح خطاب فرمایا:

"بادشاہ سلامت! ہماری قوم نہایت جاہل تھی۔ ہم بتوں کے پجاری تھے۔ مردار کھاتے، بدکاریاں کرتے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو مارتے تھے، اور طاقتور کمزور کو کھاجاتا تھا۔ غرض ہم اسی بدبختی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے اپنا ایک رسول بھیجا۔ ہم اس کی شرافت، راست بازی، دیانتداری اور پاکبازی سے انجمنی طرح آگاہ تھے۔

اس نے ہمیں شرک، بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی۔ راست بازی، امانت داری، عسائیوں اور رشتہ داروں سے محبت کا سبق سکھایا۔ اس کی نورانی تعلیمات کی ہدایات ہیں کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، باوجود خوریزی نہ کریں، بدکاری اور فریب سے باز آئیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، شریف غورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، بت پرستی چھوڑ کر ایک خدا کے عبادت گزار بن جائیں۔"

قریشی وفد نے بادشاہ کو گمراہ کرنے کی ایک اور ناکام کوشش بھی کی۔ چونکہ بادشاہ نہ سانی مذہب رکھتا تھا، اس لیے کہا کہ یہ لوگ نبی علیہ السلام کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے۔ بادشاہ نے مسلمانوں سے اس کی وضاحت چاہی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم کی آیات کی علامات ایسے پڑھ کر سنائی کہ نجاشی حیرت منور ہوا۔ اس طرح قریش کی سفارت ناکام و مراءودا پس ہوئی۔ (۶۸)

حبشہ سے مدینہ

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت کے چھ سال بعد مدینہ میں حبشہ سے مدینہ منورہ آئے۔ ان ہی دنوں خیر بصر ہو گیا تھا اور مسلمان اس کی خوشیاں منا رہے تھے اور مسلمانوں کو اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کی واپسی کی وہ بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے

انہیں گلے لگایا اور پیشانی چومی۔ پھر فرمایا:

ما ادری باینہما الما المرح، بقدم جعفر او بفتح عیبر۔ (۶۹)

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ مجھے جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا عیبر فتح ہونے کی۔

۸ھ میں موت پر فوج کشی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کو عطا فرمایا۔ اور فرمایا، اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر، اور جعفر بھی جام شہادت نوش کر لیں تو عبد اللہ بن رواحہ امیر فوج ہوں گے۔ (۷۰)

شہادت

موت پہنچ کر معرکہ کارزار گرم ہوا۔ تین ہزار غازیان اسلام کے مقابلہ میں غنیم کا ایک لاکھ ٹڈی دل لشکر تھا۔ امیر فوج حضرت زید رضی اللہ عنہ نے خلعت شہادت زیب تن فرمائی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ گھوڑے سے کود پڑے۔ حکم کو سنیاں کر غنیم کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ دشمنوں کا ہر طرف زلزلہ تھا۔ تیغ و تیرہ و سناں کی بارش ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ تمام بدن زخموں سے تھلکی ہو گیا۔ دونوں ہاتھ بھی یکے بعد دیگرہ خدا میں شہید ہو کر جسم سے جدا ہو چکے تھے، مگر اس جانباز نے اس حالت میں بھی توحید کے جھنڈے کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ بالآخر جب شہید ہو کر گر گئے تو عبد اللہ بن رواحہ نے اور ان کے بعد خالد بن ولید نے حکم ہاتھ میں لیا۔ (۷۱)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، میں نے شہداء میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا، دیکھا تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے، تمام زخموں کا شمار تو سے بھی متجاوز تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی ایک زخم پشت پر نہ تھا۔ (۷۲)

رسول اللہ ﷺ کا حزن و ملال

شہداء غزوہ موت کی خبر مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی اللہ جل مجدہ نے اپنے نبی کو اطلاع فرما دی۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور روئے الود پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ (۷۳)

آپ ﷺ کو ایک عرصہ تک شدید غم رہا۔ بالآخر روح الامین علیہ السلام نے یہ بشارت سنائی:

”اللہ تعالیٰ نے جعفرؓ کو دو مکھلے ہوئے بازوؤں کے بدلے دو نئے بازو عطا فرمائے

ہیں، جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروف پرواز رہتے ہیں۔“

ان لجعفر بن ابی طالب جناحین یطیر بهما فی الجنة مع الملائكة۔ (۷۴)

اولاد

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے تین صاحبزادے تھے: عبد اللہ، محمد اور عون۔ تینوں کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس بن معبد تھیں۔ اور تینوں کی ولادت ہجرت حبشہ یعنی قیام حبشہ کے دوران ہوئی۔ (۷۵)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

علی نام، ابو الحسن اور ابو تراب کنیت، اور حیدر (شیر) لقب تھا۔ قال انا الذی سمعتنی امی حیدر۔ (۷۶)

باپ کا نام ابو طالب اور والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔

خاندان ہاشم کو عرب اور قبیلہ قریش میں جو وقعت اور عظمت حاصل تھی، وہ محتاج بیان نہیں۔ خاتہ کعبہ کی حرمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طفرائے امتیاز تھا۔ اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ابو طالب نہایت کثیر العیال تھے اور معاشی تنگی سے سخت پریشان تھے۔

اسلام

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ابھی دس برس کے تھے کہ ان کے شفیق مربی کو دربار خداوندی سے خلعت نبوت عطا ہوئی۔ چونکہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے، اس لیے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے۔

ایک روز سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہما کو مصروف عبادت دیکھا۔ روح پرور منظر نے اپنا اثر دکھایا۔ طفلانہ استیجاب کے ساتھ علیؓ نے پوچھا، آپ دونوں کیا کر رہے ہیں؟ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی

اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی۔

حضرت علیؑ کے کان ایسی باتوں سے نا آشنا تھے۔ متحیر ہو کر عرض کیا، اپنے والد ابو طالب سے اس کے متعلق دریافت کروں؟ چونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی اعلان عام منظور نہ تھا، اس لیے فرمایا، اگر تمہیں تاہل ہے تو خود غور و فکر کرو، لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔

چونکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الہی شامل ہوئی، اس لیے زیادہ غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور دوسرے ہی دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر شرف پہ اسلام ہو گئے۔ (۷۷)

اس معاملہ میں مختلف احادیث پائی جاتی ہیں کہ امام المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا؟ بعض روایات کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، بعض روایات میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اذیت ظاہر ہوتی ہے اور بعض کے مطابق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ایمان سب پر مقدم ہے۔

ان مختلف روایات میں سب سے عمدہ و تطبیق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے، جسے علامہ ابن کثیر نے ذکر کیا ہے:

”آزاد مردوں میں سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ خواتین میں پہلے سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ اور غلاموں میں سب سے پہلے زید مسلمان ہوئے۔ اور نوخیز جوانوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان قبول کرنے میں مقدم ہیں۔“ (۷۸)

کی زندگی

اسلام قبول کرنے کے بعد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے۔ چونکہ وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں تربیت ہی میں تھے، اس لیے آپ ﷺ کی تعلیم و ارشاد کی مجالس، مشورہ و غیرہ کی محافل، کفار و مشرکین سے مباحث اور معبود حقیقی کی پرستش و عبادت کے مواقع میں، غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب نبوت عطا ہونے کے بعد تین برس تک اعلانہ دعوت اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی، بلکہ پوشیدہ طریقہ پر خاص خاص لوگوں کو اس کی ترویج دیتے

رہے۔ چوتھے سال اعلان عام کا حکم ہوا۔ آپ ﷺ کو سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تبلیغ کا حکم ہوا:

وَأَنْبِئُوْا غَشِيْبُوْكُمْ الْاَفْرِيْضِیْنَ.

ترجمہ: اپنے قریبی اعزہ کو عذاب الہی سے ڈراؤ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت چودہ پندرہ برس کی تھی، لیکن وہ بھی اس مجمع اقربا میں شریک تھے۔

ہجرت

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک مکہ کی گھائیوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے۔ لیکن مشرکین کا بغض و عناد برابر جاری رہا۔ آپ ﷺ کے فدائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو اسیر و خجستہ دیکھ کر انہیں مدینہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، جس کے نتیجہ میں چند نفوسِ قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔

اس ہجرت سے مشرکین کا غیظ و غضب بہت بڑھ گیا۔ انہوں نے رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کا حتمی فیصلہ کر کے کائنات نبوت کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن مشیت ایزدی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالم حقانیت کے نور سے پر نور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کا نور ہو جائے، اس لیے وحی الہی نے آپ ﷺ کو مشرکین کے ناپاک عزائم کی اطلاع کر دی اور ہجرت مدینہ باسکین کا پروانہ بھی جاری کر دیا۔ چنانچہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یارِ غار اور جاں نثار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور ہجرت کو روانہ ہو گئے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے فرشِ اطہر پر استراحت کا حکم دیا۔

اگرچہ اس وقت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر بائیس تیس سال کی تھی، اس عقوفان شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لیے پیش کرنا فدائیت و جاں نثاری کا عظیم نظیر کارنامہ ہے۔ راست ہجر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا، اور اس خطرہ کی حالت میں یہ توجہ ان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ جو خواب رہا۔

صبح ہوتے ہی مشرکین اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لیے گھر میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر وہ سخت حیرت زدہ ہو گئے کہ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اندر ان کے بستر پر ایک جاں نثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لیے سرکاف سو رہا ہے۔ مشرکین اپنی اس ناکامی پر سخت برہم ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اصل مقصد کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو گئے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ دو تین دن مکہ میں مقیم رہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق جن لوگوں سے لین دین تھا، ان کے معاملات سے فارغ ہو کر وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر عازم مدینہ ہوئے۔ اس زمانے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں حضرت کلثوم بن ہدم کے مہمان تھے، اس لیے حضرت علیؑ بھی ان ہی کے ہاں فروکش ہوئے۔ (۷۹)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں باہم بھائی چارہ کرایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی قرار دیا۔ (۸۰)

غزوات

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تقریباً تمام غزوات میں بھرپور حصہ لیا، اور ہر ایک غزوہ میں شجاعت و بہادری کے جوہر خوب دکھائے۔ غزوہ بدر میں مہاجرین کا علم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، اور انصار کے علمبردار سیدنا سعد بن حبابہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (۸۱)

غزوہ احد میں لشکر کی ترتیب یوں تھی، اس کے سینے کے امیر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور میسرہ کے امیر سیدنا العزیز بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ، جبکہ قلب لشکر کے امیر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس غزوہ مہاجرین کا پرچم سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ جب مشرکین رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھنے لگے تو حضرت مصعبؓ سید راہ بن گئے۔ جب انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا تو حیدرِ کرار نے بڑھ کر پرچم سنبالا اور بے جگری کے ساتھ داعی شجاعت دی۔ (۸۲)

۵ھ میں اکفار اپنی پوری تیاری اور طاقت کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے مدینہ سے باہر حفاظتی تدبیر کے طور پر خندق کھود لی تھی۔ قبیلہ بن نضیر کا عمرو بن عبدود مشہور شجاع تھا، بہادری کے غرور میں اس نے مسلمانوں کو دعوتِ مبارک دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اذن سے مقابلہ کے لیے میدانِ کارزار میں نکلے، دونوں میں سخت قتال ہوا۔ تھوڑی دیر

تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقار حیدری نے اسے اصل جہنم کر دیا۔ آخر مسلمانوں کی پامردی اور استقلال کے آگے کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور فتح مجاہدین کا مقدر بن گئی۔ (۸۳)

بوقتِ غزوہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود ان کے مقابلہ میں قریش کا ساتھ دیا اور تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ اس لیے غزوہ خندق سے فراغت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس مہم میں بھی پرچم اسلام سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ (۸۴)

۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ یوسعد بن ہود خیبر کی امداد کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک سو مجاہدین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمائے۔ شعبان میں مجاہدین نے حملہ کر کے یوسعد کو منتشر کر دیا، اور پانچ اوتھ اور دو ہزار بکریاں مالِ فقیست میں لائے۔ (۸۵)

صلح حدیبیہ

۶ھ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مقام حدیبیہ پہنچنے پر مشرکین مکہ نے مزاحمت کی اور عمرہ کرنے سے روک دیا۔ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ مشرکین نے انہیں روک لیا۔ ادھر یہ خبر مشہور ہوئی کہ وہ شہید کر دیے گئے ہیں۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں سے بیعت لی۔ اس بیعت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط اور جھوٹی تھی۔ اس سے مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا اور طرفین نے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے حسب دستور:

هذا ما فاضی علیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتداء کی۔ مشرکین نے ”رسول اللہ“ کے لفظ پر اعتراض کیا کہ ہمیں اگر رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر تمکلا ہی ختم ہو جاتا۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس لفظ کو مٹا دو۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غیرتِ ایمانی نے گوارا نہ کیا اور عرض کیا، ”خدا کی قسم! میں اس کو مٹا نہیں سکتا۔“

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے ملوایا، اور شریکین کی تجویز سے "محمد بن عبد اللہ" تحریر کروایا۔ (۸۶)

غزوہ خیبر

مدینہ منورہ کے شمال مشرق میں ستر میل کے فاصلہ پر خیبر ایک یہودی کالونی تھی، جہاں متعدد مضبوط قلعے تھے، اور یہ جگہ یہودیوں کا جنگی مورچہ بلکہ جزیرۃ العرب میں ان کی تمام چھاؤنیوں میں آخری اور مضبوط ترین چھاؤنی تھی۔

۶۰ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی۔ مجاہدین کی کل تعداد چودہ سو تھی۔ ایک ایک قلعہ فتح ہوتا رہا، لیکن "القصص" کا قلعہ مسلمانوں کے لیے ناقابلِ تسخیر معلوم ہو رہا تھا۔ کئی دن قلعہ کا محاصرہ جاری رہا، لیکن مجاہدین کامیابی سے نہ سکنار نہ ہو سکے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کل ایک ایسے بہادر کو غلام دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے، اور خیبر کی فتح اسی کے ہاتھ پر مقدر ہے۔"

صبح ہوئی تو ہر ایک مجاہد متنبی تھا کہ کاش اس نفر و شرف کا تاج اس کے سر جتا۔ لیکن یہ دولت مگر ان مایہ حیدر کراڑ کے لیے مقدر ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے جاں نثار اپنا نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام پکارا۔ یہ آواز غیر متوقع تھی، کیونکہ حضرت علیؑ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب و بہن ان کی آنکھوں میں لگا دیا، جس سے یہ شکایت کا فوراً ہو گئی۔ (۸۷)

فتح مکہ

رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ مکرمہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ ابھی مجاہدین روانہ نہیں ہوئے تھے، معلوم ہوا ایک عورت یہاں کے حالات سے مطلع کرنے کے لیے روانہ ہو گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو اس عورت کی گرفتاری پر مامور کیا۔ یہ تینوں نیز و قمار گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ روضۃ الخارج کے مقام میں اسے گرفتار کر کے خط طلب کیا۔ پہلے اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی، بالآخر خط دے دیا۔

یہ لوگ خط لے کر مدینہ منورہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ تفتیش پر معلوم ہوا کہ

وہ خط بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ کے نام بھیجا تھا۔

۱۰ھ رمضان المبارک ۸ھ کو دس ہزار قدسیوں کے جلو میں رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ پھر اس محبوب سرزمین پر فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے، جہاں سے آٹھ سال پہلے بڑی کسپہری کے عالم میں نکالے گئے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے پرچم لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں۔ آج مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہو گیا۔ اور وہ وقت آ گیا کہ غلیل بت شکن کی یادگار "خانہ کعبہ" کو بچوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے۔ حضرت علیؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بتوں کو توڑنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ (۸۸)

صدمہ جانکاہ

۱۰ھ میں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج ادا فرمایا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی یمن سے آکر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔

حج سے واپسی پر ربیع الاول ۱۱ھ کے ابتدائی ایام میں خنس کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہایت تندی اور جانفشانی کے ساتھ بیمار داری اور خدمت گزاروں کی کافرض انجام دیا۔ دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول دو شنبہ کے روز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جاں نثاروں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا۔ چونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قریب ترین عزیز اور خاندان کے رکن رکین تھے، اس لیے غسل اور تجھیز و تکفین کے تمام مراحل میں برابر شریک رہے۔ (۸۹)

عہد خلافت خلافت

شبستانہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے اور جمال کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا۔ تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی خلافت صدیق پر رضا و رغبت قبول فرما کر بیعت کر لی تھی۔

سوا دو برس کی خلافت کے بعد امیر المومنین، خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واصل باللہ ہوئے اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ صند آرائے خلافت ہوئے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑی بڑی مہمات میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے

تھے، اور حضرت علیؑ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔

۱۵ھ میں جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے تاریخی سفر پر گئے تو کاروبار خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر گئے۔ (۹۰)

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اتحاد و یکجہت کا مظاہرہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے، دونوں نے باہم رشتہ مصابرت قائم کر کے دنیا کو بتا دیا کہ ایک جان دو قالب ہیں۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی لخت جگر خاتون جنت سیدہ زہرہؓ کی نور نظر، نواسی رسول الشکلیں صلی اللہ علیہ وسلم، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت خلافت اسلامیہ کے تحفظ اور بقا کے لیے بارہ کنی مجلس شوریٰ منتخب فرمائی، جس میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

خلیفہ ثالث امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ جب مستدارائے خلافت ہوئے تو جس طرح خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی کے ادوار میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فیصلہ اور قضاء کے معاملات میں تعاون کرتے تھے، اسی طرح خلافت عثمان میں سیدنا علیؑ ان مسائل کے حل میں شریک و شامل رہے۔

جب امیر المومنین خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ و فساد شروع ہوا تو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے رفع کرنے میں مخلصانہ کردار ادا کیا۔ جب مصری بلوایوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا اور آب و دانہ سے بھی محروم کر دیا تو سیدنا علیؑ نے ان لوگوں کو کہا تمہارا یہ طریقہ عمل نہ صرف اسلامی روح کے خلاف ہے بلکہ انسانیت کی تذلیل و تحقیر کے مترادف بھی ہے۔ کفار بھی مسلمان قیدیوں کو آب و دانہ سے محروم نہیں کرتے ہیں۔ اس غمخس نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے جو تم ایسی سختی روا رکھتے ہو؟ اس عقارش سے محاصرہ میں قدرے نرمی کر دی گئی۔ (۹۱)

بالآخر ۱۸ رذی الحجہ ۳۵ھ میں اسلام دشمن عناصر نے خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شیعہ دیات بجمادی۔ اس بے کسی کی موت پر عالم امکان نے ماتم کیا۔ کائنات ارضی

و ساوئی نے اس خونِ ناحق پر آنسو بہائے۔

امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ۲۱ رذی الحجہ ۳۵ھ بروز دوشنبہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسند نصیبین خلافت ہوئے۔ پُر آشوب اور سخت نامساعد حالات میں خلافت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ۷۱۰ رمضان ۴۰ھ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۶۳ برس تھی۔

اولاد

مومنین کے بیان کے مطابق خلیفہ رابع سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے چودہ تھے، حسن، حسین، عباس، جعفر، عبداللہ، عثمان، عبید اللہ، ابوبکر، یحییٰ، محمد الاصغر، عون، عمر و محمد الاوسط، محمد الاکبر رضی اللہ عنہما۔ اور بیٹیوں کی تعداد سترہ ذکر کی ہے۔ (۹۲)

محمد بن حنفیہ

نام و نسب

محمد نام، ابو القاسم کنیت، امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ شہید خدا رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند اور سیدنا حسن و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے سوتیلے بھائی تھے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خاتون جنت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد کئی شادیاں کیں۔ ان بیویوں میں سے ایک خاتون خولہ المعروف بہ حنفیہ تھیں۔ خولہ کے بطن سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں ہوئی۔ (۹۳)

محمد بن حنفیہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے مجمع العلم باپ کے فرزند تھے، اس لیے علم کی دولت انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ امام ابن سعد انہیں بہت بڑا صاحب علم لکھتے ہیں۔ (۹۴)

علم کے ساتھ قوت و شجاعت میں بھی اپنے والد بزرگوار اسد اللہ القالب کے خلف الصدق تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے ہمیشہ دست راست اور پشت پناہ رہے، ہر میدان میں ان کے دوش بڑھیں و دشجاعت دیتے رہے۔

آپ نے متعدد شادیاں کیں اور بہت سی اولاد ہوئی؛ ابو ہاشم، عبداللہ، حمزہ، علی، جعفر اکبر۔

کہا کہ میں علی کا نام اور کنیت دونوں ایک ساتھ برداشت نہیں کر سکتا، ان میں سے ایک بدل دو۔
چنانچہ کنیت ابی الحسن چھوڑ کر ابو محمد رکھ لی گئی۔ (۱۰۲)

اپنے زمانہ کے بڑے عابد و مرتاض بزرگ تھے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے "سجاد" لقب پڑ گیا تھا۔ دن رات میں ایک ہزار رکعات پڑھتے تھے۔ عبادت کا یہ ذوق و اشتہاک آخر لمحہ حیات تک قائم رہا۔ (۱۰۳)

۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں وصال ہوا۔ ابن سعد لکھتے ہیں، نہایت حسین و جمیل تھے۔ روئے زمین پر ایسا حسین و جمیل قریشی نہیں تھا۔ (۱۰۴)

بچے اور بچیاں ۲۹ تھیں۔ علی کی اولاد اس کثرت سے پھلی پھولی، عباسی خلفاء ان ہی کی نسل سے تھے۔ (۱۰۵)

عباس بن عبد اللہ

عباس بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب۔ والدہ کا نام زرعہ تھا۔ یہ بڑے بیٹے تھے۔
اولاد میں تین بیٹے ہوئے: عبد اللہ، عون، محمد۔ (۱۰۶)

آل بیت سکنی

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

اہل بیت کی حقیقی مصداق ”اہل بیت سکنی“

یعنی ازواج مطہرات ہی ہیں،

جو دن رات ان گھروں میں قیام پذیر تھیں،

جن گھروں کا تذکرہ وحی خداوندی کی زینت بنا۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ. مَا يَنْصُرُ فِي بُيُوتِكُنَّ. لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ.

اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا

پاک دامن خاتون

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کے والد کا نام ”خوئلہ بن اسد بن عبد العزی“ تھا۔ عبد العزی، عبد مناف کے بھائی تھے، جبکہ عبد مناف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھے۔ عبد العزی اور عبد مناف کے والد قحطی بن کلاب تھے۔ اس طرح سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب چوتھی پشت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے والد خوئلہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے سپہ سالاروں میں سے تھے۔ انہوں نے ”حرب فجار“ نامی لڑائی میں بھی قیادت کی تھی، اور حسب ”تق“ حجر اسود کو اکبیر کریمین لے گیا تھا تو اس کی بازیابی میں خوئلہ نے بڑی جدوجہد اور کوشش کی تھی۔

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی والدہ محترمہ کا نام ”فاطمہ بنت زائدہ بن الامم بن عامر بن لوی تھا۔ اور ان کی نانی کا نام ”ہالہ بنت عبد مناف“ تھا۔

سیدہ کی نشوونما

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے ایسے کھاتے پیتے گھرانے میں پرورش پائی جو اپنی عمدہ عادات، دینداری میں مشہور تھا، اور ان لغویات اور فضولیات سے دور تھا جو عام قریشی گھرانوں میں سرایت کر چکی تھیں۔

کتب تاریخ حضرت خدیجہ کے بچپن کے حالات سے خاموش ہیں۔ لیکن اتنی بات ضرور کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بچپن کا ابتدائی حصہ نعمتوں سے بھرپور والدہ گھرانے میں گزارا۔ زندگی کی تمام سہولیات انہیں میسر تھیں۔ ان کا نامہ ان بھوکوں کو کھانا کھانے اور محتاج و نادار لوگوں کی مدد کرنے کے اعتبار سے مشہور تھا۔

اللہ رب العزت نے اپنی عنایت خاصہ اور حکمت بالغہ کے پیش نظر بچپن ہی سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نگرانی و تربیت فرمائی، کیونکہ وہ ام المومنین کا درجہ حاصل کرنے والی تھیں۔ اور ہر عورت اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ ام المومنین بن سکے۔

اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور خصوصی توجہ نے پیدائش کے بعد سے نشوونما تک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حفاظت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خصوصی مقام عطا کرنے کے لیے جن لایا تھا، تمام ازواج مطہرات کے سلسلہ میں آپ ﷺ صرف اسی خاتون کو قبول فرماتے تھے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور رہنمائی ہوتی تھی۔ خواہ کوئی عورت دنیوی اعتبار سے کتنی ہی اونچے درجے کی کیوں نہ ہو، بغیر حکیم الہی کے اسے قبول نہیں فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَعْلَمْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّائِيْنَ آتَيْتَ أُجُوزَهُنَّ.

(سورۃ الاحزاب: ۵۰)

ترجمہ: اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی بیویاں حلال کر دیں، جن کے آپ مہر ادا کر چکے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

لَا يَجِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ فَبَعْدُ وَلَا أَنْ تُبْذَلَ بَيْنَهُنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ.

(سورۃ الاحزاب: ۵۲)

ترجمہ: اس کے بعد آپ کے لیے عورتیں حلال نہیں، اور نہ یہ کہ آپ ان سے اور عورتیں تبدیل کریں۔

اولیٰں ازدواجی زندگی

قریش کے اعلیٰ خاندانوں میں یہ دستور تھا کہ وہ جوان ہوتے ہی لڑکی کی شادی کر دیا کرتے تھے۔ جونہی اس کی عمر دس سال سے زیادہ ہوتی، اس کے لیے رشتے آنا شروع ہو جاتے۔ اعلیٰ خاندانوں میں رشتہ مانگنے کی جرأت وہی شخص کر سکتا تھا جو خود بھی اعلیٰ حسب و نسب کا حامل ہو۔

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی عمر جونہی دس سال سے زیادہ ہوئی، جنتیق بن عابد خزومی سے ان کا نکاح ہو گیا، اور ان کے ہاں عبد اللہ نامی بچہ کی پیدائش ہوئی۔ پھر جنتیق بن عابد کا انتقال ہو گیا۔ ابھی ان کی بیوی کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ انہیں ابوہالہ ہند بن زرارہ بن النہاش تمیمی نے

پیغام نکاح بھیجا۔ ہند بن مالہ سے ان کے ہاں دو لڑکے (ہند اور عارث) اور ایک لڑکی (نسب) پیدا ہوئی۔

جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا تو عبد اللہ بن جنتیق کی عمر دس سال سے زائد تھی، اور ہند اور دوسرے بچے ابھی دو دلفیولیت ہی میں تھے۔ یہ سارے بچے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، الفت اور پدرانہ ہمدردیاں محسوس کرتے تھے اور "والد" کہہ کر پکارتے تھے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے دوسرے خاوند ابوہالہ نباش کی وفات کے بعد اپنے بچوں کی تربیت کی واحد نگران تھیں۔ بچوں کی دیکھ بھال، پرورش اور تعلیم و تربیت انہی کے ذمہ تھی۔ اس عظیم خاتون کے زیر نگرانی بچوں نے اچھی تربیت پائی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود کو بچوں کے لیے فارغ کر دیا تھا اور شادی سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ انہیں کئی قریشی سرداروں نے پیغام نکاح بھیجا، لیکن انہوں نے سب کو انکار کر دیا اور کسی سے رضامندی کا اظہار نہیں کیا، اور خود کو بچوں کی تربیت میں مشغول رکھا۔

مشغل تجارت

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے فارغ اوقات کو اپنے مال کثیر کے ذریعہ تجارت کروانے میں صرف کرتی تھیں۔ وہ اپنے مال تجارت کو ان قافلوں میں روانہ کرتیں جو تجارت کے لیے مکہ سے جایا کرتے تھے۔ اور وہ ان قریشی لوگوں پر نگاہ رکھتی تھیں جو قافلہ کے ساتھ تجارت کے لیے جایا کرتے تھے، تاکہ انہیں امانت دار اور کھرا آدمی سمجھ سکیں۔ اس سلسلے میں وہ اکثر اپنے پیچھے حزام (جو حکیم کے نام سے معروف تھے) سے مدد لیا کرتی تھیں۔ وہ انتہائی ذہین آدمی تھے اور اپنی قوم میں ان کا ایک بلند مقام تھا۔ ان کی تجارت بڑی وسیع تھی۔ ان کے قافلے جزیرہ عرب کے اندر اور باہر، شام اور ایران وغیرہ میں مالی تجارت کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت کرتے تھے۔ اکثر ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ رائے اور لعل میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ (یاد رہے کہ یہ حکیم دہی شخص ہے جس نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بطور ہدیہ پیش کیا، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا)۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ جس شخص کو وہ اجرت پر بطور تاجر کے رکھتی تھیں، وہ اپنے عمل میں امانتداری، سچائی اور اخلاص کو اپنانے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی وسیع و عریض تجارت اور بے شمار منافع کے باوجود کسی موقع پر تجارت کی غرض سے باہر نہ نکلتیں اور نہ انہیں تاجروں سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ وہ کسی ایسے شخص کو مقرر کر دیتی تھیں جو انہیں تجارتی امور سے بے نیاز کر دیتا۔ اور ہم بھی دیکھتے ہیں کہ وہ ہمتن گوش ہو کر نہ تو مکمل طور پر تجارتی امور میں مصروف ہوتیں اور نہ ہر وقت اپنے دل و دماغ میں تجارتی افکار کو غلبہ دیتیں۔ گویا کہ وہ ان چیزوں سے بہت مطمئن تھیں۔ ان کا دل عقل ایک روحانی امر کے بارے میں غور و فکر کرنے میں مصروف رہتا تھا، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ بعض انہوں نے اپنے خاوند محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں علامات نبوت کو دیکھ کر سب کچھ چھوڑ دیا اور وہ ان چیزوں سے الگ ہو گئی تھیں جب وہ پختہ ایمان باللہ میں زندگی گزارنے لگیں تھیں۔

فکر و نظر کی پاکیزگی

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک عظیم کام نے مصروف کر رکھا تھا۔ وہ نہ بنوں کی عبادت کرتی تھیں نہ ہی کھڑے ہو کر انہیں دیکھنا پسند کرتی تھیں۔ ان کے بعض مقررین نے انہیں اس بات کی ترغیب بھی دی کہ وہ اپنے گھر میں بت رکھ لیں، یا وہ مورتیاں رکھ لیں جن کی اہل مکہ تقدیس و پرستش کیا کرتے تھے۔ لیکن وہ انہیں مذاق کے انداز میں مسکرا کر رد کر دیا کرتی تھیں۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان معبودوں کی حیثیت کیا ہے! اور انہیں علم تھا کہ یہ نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان پر قادر ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کتب سماوی کو سن کر بہت زیادہ فرحت و سرور اور اطمینان و تسلی محسوس کرتیں۔ جب ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل انہیں تواریات اور انجیل پڑھ کر سنا تے تو وہ حیرت منانہ ہوتیں۔ جب انہیں اس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتاتے، جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا اور اپنی قوم کے ساتھ لیے جھگڑے کے بعد دین کو غلبہ عطا ہونا تھا، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کافی دیر تک خاموشی کے ساتھ ان کی باتوں کو سامعیت کرتیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کریں۔ اور وہ یہ بھی چاہتی تھیں کہ انہیں اس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نصیب ہو اور یہ اس کی نصرت کے راستے میں اپنی ہر چیز چھوڑ کر دیں۔ شاید کہ ان کے صاف و شفاف ذہن میں اس کامل انسان کی صورت کا نقشہ ابھر رہا تھا، جس صورت میں خالق تعالیٰ نے بغیر نمونہ کے اسے نقش عطا فرمائے تھے۔

سیدہ عالمہ سے اولیں معاملہ

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی مبارک تجارت مال کثیر اور عمیر عظیم کا ذریعہ تھی۔ ان کی مہمان نوازی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ رشتہ دار، عزیز و اقرباء، مسافر اور ان کی سہیلیاں سیدہ کی ضیافت سے نفع حاصل کرتے تھے۔ وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتیں، ناداروں کو کپڑے پہناتیں، فقیروں کی مدد کرتیں۔ اکثر اوقات ان کی رشتہ دار بچیاں ان کی خدمت میں حاضر ہوتیں، سیدہ کی ہم نشینی اختیار کرتیں اور ان کی خیرات سے وافر حصہ وصول کرتیں، اور کعبہ روانگی اور وہاں سے لوٹنے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہتیں اور ان کے آگے پیچھے چلا کرتی تھیں۔ گویا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک بے تاج ملکہ تھیں۔ مشکلات میں ان سے مشورہ لیا جاتا اور انہیں کو ان کی پختہ رائے سے حل کیا جاتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب سے یہ ساری باتیں پوشیدہ یا مخفی نہ تھیں۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی کام کی ضرورت ہے اور حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اس سلسلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کر سکتی ہیں۔ ابوطالب اس بات کو اپنے بھتیجے کے سامنے بیان کرنا چاہ رہے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے پاس تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خندہ پیشانی کے ساتھ خوش آمدید کہا گیا۔ ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: "اے محمد! میں تو ایک نادار آدمی ہوں، میرے حالات بڑے سخت ہیں، ہم پر بڑی تنگی کے سال گزر رہے ہیں۔ خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ عنہا) آپ کی قوم کے لوگوں کو قافہ میں بھیجتی ہیں، وہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے لیے اس کے مال میں تجارت کرتے ہیں اور خود بھی نفع حاصل کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کے پاس جائیں اور خود کو ان کے حوالہ کریں تو وہ یقیناً آپ کو فورا نہ

صرف قبول کریں گی بلکہ آپ کو دوسرے لوگوں پر ترجیح بھی دیں گی، کیونکہ آپ کی صداقت اور پاکیزگی کے بارے میں انہیں علم ہے۔“ (۱)

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و فضائل کا تذکرہ سن رکھا تھا۔ اس سیرتِ طیبہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بٹھادی۔ اگر تاریخی واقعات (جو اس مذکورہ بات کی تائید کرتے ہیں) موجود نہ بھی ہوں، تب بھی ایسے دلائل و شواہد موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و شمائل اور محاسن و صفات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام دے کر اپنے ہاں تشریف آوری کی دعوت دی، تاکہ انہیں ان کی ذمہ داریوں اور معاوضہ پر متفق کر لیں اور ان سے امور تجارت طے کر لیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے عرض کیا، ”مجھے جس چیز نے آپ کو بلوانے پر ابھارا ہے، وہ آپ کی سچائی، امانتداری اور حسن اخلاق و عادات ہے، اور میں آپ کو دوسرے لوگوں کی بہ نسبت دو گنا مال عطا کروں گی۔“

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے روایت ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اپنے چچا کے ہاں تشریف لائے اور انہیں ساری بات سے مطلع فرمایا۔ ابوطالب سرزت و شادابی سے جھوم اٹھے اور آپ کو حوصلہ دیتے ہوئے گویا ہوئے:

”یہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔“ (۲)

پہلا تجارتی سفر

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئے امر کی تیاری فرمائی۔ عنقریب وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے ان کے مال میں تجارت کرنے والے تھے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے روٹگی کے لیے تیار ہو گئے، تاکہ سوقِ حباشہ پہنچ جائیں۔ سوقِ حباشہ زمانہ جاہلیت کا آٹھ روزہ بازار تھا، جوتہاں میں لگتا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مالی تجارت فروخت کیا اور خرید و فروخت میں رائج اشیاء کو خریدیا۔ جب بازار کے آٹھ دن پورے ہوئے تو واپس مکہ لوٹ آئے۔ ان کے ساتھ حضرت

خدیجہ رضی اللہ عنہا کا خادم میسرہ بھی تھا۔ جب میسرہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور سچائی کا مشاہدہ کیا تو اس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت گھر کر گئی، اور وہ ان کے ہاتھوں کی برکت پر حیران رہ گیا۔ جو نبی وہ مکہ واپس پہنچا، فوراً حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، تاکہ انہیں ان حالات سے آگاہ کرے جو اس نے دیکھے اور سنے تھے۔ اور وہ اس عظیم آدمی کی صفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بیان کرنا چاہتا تھا۔

ابن زبائل فرماتے ہیں، ”جب انہوں کا قافلہ واپس آیا تو میسرہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اشارہ کیا کہ ان کی طرف آئیں، تاکہ وہ اس بادل کو دیکھ لیں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا ہوا تھا اور ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور اونٹنی کا نوزائیدہ بچہ دیا جائے۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متعلق ہو گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا تھا۔“

دوسرا تجارتی سفر

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوقِ حباشہ کی طرف جانا تو محض ایک عنوان تھا، جس سے ان کی ایک خوبی ظاہر ہوئی کہ وہ کام کاج اور تجارت پر قدرت رکھتے ہیں اور اعلیٰ ذہانت کے مالک ہیں۔ اور اس سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اوصاف کا علم ہو گیا جو وہ پہلے نہ جانتی تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے سفر کی تیاری کرنے کی فرمائش کی۔ اس مرتبہ کا سفر شام کی طرف تھا۔ عرب تا جزیرہ شام کو بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس میں ہر اس چیز کو ساتھ لے جاتے تھے جو زیادہ نفع کا باعث بن سکتی تھی۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ شام میں کس چیز کی مانگ زیادہ ہے۔

جب قافلہ کوچ کرنے کی تیاری کرتا اور اس کے روانہ ہونے کا وقت آتا تو مکہ کے بزرگ اور سردار اپنی عادت اور رواج کے مطابق جانے والوں کو رخصت کرتے۔ اس موقع پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام چچا حضرات اور خاص طور پر ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ کو رخصت کرنے اور حوصلہ دینے کے لیے موجود تھے اور انہیں خرید و فروخت کے متعلق قیمتی اُمور پر

مطلع کرتے تھے۔ پھر وہ قافلہ ان لوگوں سے ہدایات لینے کے بعد روانہ ہو گیا جنہیں پہلے بھی ان سفروں سے واسطہ پڑ چکا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم محنت اور جدوجہد کے ساتھ عمل میں مصروف رہتے۔ سامان کو ترتیب سے رکھتے اور تمام چیزوں کی قابل اطمینان نگرانی فرماتے۔

قافلہ شام کے جنوب میں مقام ”بصری“ پہنچ گیا۔ تاجروں نے اپنے سامان کو بیچنے کے لیے پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار کا دورہ فرمایا، تاکہ لوگوں کے احوال معلوم کر لیں۔ پھر اپنے سامان کو بیچنے کے لیے پیش کیا۔ اس موقع پر آپ کی خوبیاں اور غریہ و فروخت اور لوگوں سے ملاقات میں آپ کی قدرت ظاہر ہوئی۔ شام کے ایک آدمی کا کسی بات پر آپ ﷺ سے اختلاف ہو گیا۔ اس نے کہا: ”لا ت اور عزی کی قسم کھا“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب دیا: ”میں نے ان کی قسم بھی نہیں کھائی، میں جب بھی گزرتا ہوں تو ان سے اعراض کر لیتا ہوں۔“

اس آدمی نے کہا: ”تیرا قول ہی معتبر ہے۔“

عظمت محمدی کا مشاہدہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا سامان بیچ دیا اور وہ چیزیں خرید لیں جو اہل مکہ کی ضرورت تھیں، اور مکہ واپس جانے کی تیاری فرمائی۔ جب آپ ﷺ مکہ کے قریب ”مر الظهران“ نامی وادی میں پہنچے تو میسرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہلدی جا کر انہیں سامان، سفر، تجارت کے حالات سے آگاہ کرے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و فضائل، اخلاق و معاملات اور آپ کے ذریعہ حاصل ہونے والی برکتوں کی نشاندہی کرے۔

جب یہ قافلہ مکہ کے دروازوں پر پہنچا تو لوگ اس کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے۔ عورتیں اپنے اہل و اقارب کے دیدار کے لیے گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی وادی بظہاء میں موجود اپنے گھر کے بالا خانے پر تشریف لے گئیں، اور دیکھا کہ فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ سیدہ نے جب بالا خانے سے آپ ﷺ کو اس شان کے ساتھ آتے دیکھا اور پاس والی عورتوں کو بھی دکھایا تو تمام خواتین حیرت و استعجاب سے اس حیرت افزا

واقعہ کا نظارہ کرنے لگیں۔

سیدہ کے قلبی اگاؤ میں اضافہ ہو گیا اور ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ اور دوسرے اہل قافلہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سنا اور ان کے اوصاف سیدہ اور خصائل جلیلہ پر مطلع ہوئیں تو ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت داغ ہو گئی، اور انہیں یہ تمنا ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا رشتہ مضبوط ہو جائے اور وہ انہیں قریب سے دیکھ سکیں۔ کیونکہ تجارت کا زمانہ اس تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے کافی نہ تھا، وہ تو اب مضبوط تعلق چاہتی تھیں جس کے ذریعے یہ ان کے شریک حیات بن سکیں۔ لہذا انہوں نے اس مضبوط تعلق کی بنیاد ڈالنے کے لیے غور و فکر کیا اور اس نتیجہ پر پہنچیں کہ یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں اور یہ قریب شادی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ (۳)

حرم نبوی میں آمد

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم شباب اپنے عروج کی منزل میں طے کر رہا تھا۔ وہ اللہ کی ناکامی حفاظت میں تھے۔ نظر کو پاکدامن رکھنے والے اور زبان کو لغزشوں سے بچانے والے تھے۔ صرف وہی گفتگو فرماتے تھے جہاں آپ سے بات کرنے کو چاہا جاتا تھا۔ جب گفتگو فرماتے تو اس میں کسی انسان کے لیے یہ پہلو نہ ہوتا کہ اپنی کسی ذاتی غرض یا خواہش کی بنا پر یہ بات فرما رہے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے معاملہ میں پیش رفت عورتوں کی طرف سے ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے کام کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور اوصاف و خصائل نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا، اور وہ ایک امید بھری زندگی گزارنے لگی تھیں۔ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ کے دوران آپ ﷺ کے آداب، نظر، کلام اور تعمیرات کا مشاہدہ کیا تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑی تھی کہ وہ آپ ﷺ سے نکاح کی خواہش نہ کریں۔ اس خواہش میں کوئی اتو کھاپن اور غراہت تو نہ تھی، لیکن انکار کا خوف انہیں کسائے جا رہا تھا۔ امید بھری زندگی کڑی حقیقت سے بہت آسان ہوتی ہے، حقائق کے انکشاف سے پہلے

غیر واضح امور میں صبر کرنا آسان ہوتا ہے۔
ہالہ کی جنگ و دو

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس بات کا فیصلہ کر چکی تھیں کہ نکاح نہ کریں گی اور انہوں نے قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور مالداروں کو انکار کر دیا تھا اور ان کے پیغام نکاح کو قبول نہ کیا تھا۔ اور اس سلسلہ میں گفتگو یا سوچنے کی گنجائش نہ چھوڑی تھی اور تمام لوگ ان کے جواب کو سن کر ناامید ہو چکے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے چچا زاد بھائیوں کے دلوں میں ان کے احترام اور مرتبہ میں اضافہ ہو گیا تھا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قرہی رشتہ دار خواتین نے اس بات کو محسوس کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں رغبت ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ہالہ کی خواہش تھی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو جائے۔ حضرت خالد کا گمان تھا کہ جو نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی بات کی جائے گی، وہ فوراً قبول کر لیں گے۔

حضرت ہالہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ تیزی سے ان دونوں حضرات کے پیچھے پہنچیں، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب و مہبت نے انہیں زبان کھولنے سے روک دیا۔ بالآخر انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور کہا، "اپنے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ کیا اسے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کی رغبت ہے؟"

حضرت ہالہ یہ سوچ کر واپس چلی گئیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے پیغام سنیں گے تو فوراً ان کی بہن کے پاس پہنچ جائیں گے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "کیوں نہیں؟" اگرچہ آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہیں گئے اور اس بات کو زیادہ اہمیت نہ دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پہلے کی طرح گزرتی رہی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہن حضرت ہالہ کو اس طرز عمل سے ملامت کی کہ "کیا راستہ میں، نادانگہ اور غیر آدمی سے، ناپسندیدہ ترین طریقہ پر اتنا اہم پیغام دینا، کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان لوگوں سے اس انداز میں گفتگو کی جاتی ہے؟"

حضرت ہالہ خاموش رہیں اور اپنی بہن کو کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قرہی بہن نفیسہ بنت منبہ نے ملامت کے سلسلہ کو منقطع کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس موضوع پر گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا، وہ اس سلسلہ میں حکیمانہ رائے رکھتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف جا رہے تھے۔ نفیسہ کی آواز سنائی دی، آپ ﷺ اُدھر متوجہ ہوئے۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟" نفیسہ گویا ہوئیں۔
اس سوال سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی میں رغبت تھی یا آپ ﷺ اس سے اعراض کرتے تھے۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایک معقول سبب بیان فرمایا تو ان کے لیے مزید سوالوں کی گنجائش نہ تھی۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، "میرے پاس کیا ہے جس کے بدلے میں شادی کروں؟"

یہ جواب سن کر نفیسہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شادی نہ کرنے کا سبب معلوم ہو گیا، لہذا وہ فوراً قبولیت کی طرف متوجہ ہوئیں، جس سے معاملہ واضح ہو جاتا تھا۔ لہذا عرض کیا:
"اگر آپ کے لیے موجودہ مال کافی ہو اور آپ کو مال و جمال، عزت و درجہ اور برابری کی عورت کی دعوت دی جائے تو آپ قبول نہ کریں گے؟"
"وہ کون ہے؟" آپ ﷺ نے استفسار فرمایا۔

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے دل میں کسی مخصوص عورت کا خیال نہ تھا، اور نہ ہی وہ کسی خاص موضوع کے لیے کوشش و جدوجہد فرما رہے تھے۔
"خدیجہ! نفیسہ نے جواب دیا۔

امانت و صداقت کے پیکر کے لبوں کو جنبش ہوئی، "میرے لیے یہ کیسے ممکن ہے؟"
نفیسہ نے کہا، "جب آپ راضی ہیں اور موافقت کرتے ہیں تو اس معاملہ کو میں سنبھال لوں گی۔"

سرورِ دو عالم ﷺ سے سیدہ کا عقد
نفیسہ خوشی و مسرت سے سرشار اپنی عزیز دوست کو مبارکباد دینے پہنچ گئیں۔ ان کا مقصد

پورا ہو چکا تھا اور وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نفسہ کے اس اقدام پر خوشی و مسرت سے جھوم اٹھیں۔ (۴)

نکاح کے لیے حمزہ، ابوطالب اور دیگر معزز بن خاندان سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آئے۔ ابوطالب نے، جو عمر میں بزرگ تھے، خطبہ نکاح پڑھا، اور ۵۰۰ درہم چاندی مہر مقرر ہوا۔ (۵)

خصائص نبوت کا ظہور

سرورہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمانے کے بعد ان کے گھر منتقل ہو گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی خوشیوں سے بھر گئی۔ ان کا گھر سعادت اور نیک بختی کا مرکز بن گیا۔ انہوں نے اپنے سامنے ایک ایسی شخصیت کا وجود پایا جس نے ان کے ذہن سے تفکرات اور اندیشوں کو مٹا دیا۔ اگر اعلیٰ اخلاق اور ان کے حامل لوگوں کا ذکر کیا جائے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انسانی کمال کے رتبہ پر فائز نظر آتے ہیں۔ اگر مردانگی و دانشمندی اور دانائی کا تذکرہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ان صفات کا حامل ہو سکتا ہے۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے احساس اور شعور میں یہ یقین اور ایمان بیٹھنے لگا کہ ان کے خاندانی اس امت کے نبی ہیں، جن کے متعلق انہوں نے اپنے بچپن اور قدیم دنوں سے سن رکھا ہے۔ لیکن یہ کب ہوگا؟ آپ ﷺ اور آپ کے رب کے درمیان اتصال کب ہوگا؟ وہ کون سے خلاف عادت امور ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر ہوں گے؟ یہ ایسے سوالات تھے جن کا جواب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ تھا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خلوت اختیار کر کے غار حرا میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے گئے۔ آخر کار اللہ کا امر نازل ہوا۔ امین الوقی جبریل کی آمد ہوئی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا سے کاپٹے ہوئے تشریف لائے اور حکم فرمایا: ”مجھے چادر اوڑھا دو۔“ مجھے چادر اوڑھا دو۔۔۔ مجھے کھیل دے دو۔ مجھے کھیل دے دو۔“ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ہمیشہ باقی رہنے والا کام فرمایا:

”ہرگز نہیں۔۔۔ خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے

ہیں، سچ بولتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں،

کمزور کی مدد کرتے ہیں اور مظلوم کی تکلیف دور کرتے ہیں۔“ (۶)

اسلام کی خاتونِ اول

سرورہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو اقصائے عالم سے ایک آواز بھی آپ ﷺ کی تائید و تصدیق میں بلند نہ ہوئی۔ صرف ایک آواز اقصائے مکہ میں گونج رہی تھی، اور یہ دل آویز آواز سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی تھی۔

ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والوں میں سیدہ خدیجہ پہلی خاتون ہیں۔ (۷)

بنو ہاشم کا بایکات

قریش کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں کی دشمنی میں حد سے تجاوز کیا اور مشہور مقابلہ پیش آیا، جب قریش نے تمام مسلمانوں سے قطع تعلقی کا فیصلہ کیا اور ایک دستاویز لکھ کر کعبہ پر لٹکا دی۔ اس دستاویز میں قریش نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ بنی ہاشم کی مخالفت کر دو، ان کو مکہ سے نکال دو اور شعب ابی طالب میں رہنے پر مجبور کر دو۔ اس بات پر اتفاق کر لیا کہ ان سے شادی کریں گے نہ ان کی شادی کر دوں گے، نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے نہ بیچیں گے۔ ان سے صلہ کریں گے اور نہ ہی ان کے حاملہ میں کوئی نرمی کریں گے، یہاں تک کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالے کر دیں۔

اس حالت میں مسلمانوں کی شعب ابی طالب میں نظر بندی کو تین سال کا عرصہ گزر گیا۔ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان لوگوں میں سے تھیں جو سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شعب ابی طالب میں داخل ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف اور سختیوں میں شریک رہیں اور ان کے ساتھ زندگی کے دکھ اور تنگیوں کو جھیلنا گوارا کیا۔ لیکن سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خاندان والے ابھی تک ایمان نہ لائے تھے، اور انہیں چھوڑا بھی نہ تھا۔ ابو جہل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام سے ملا، ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا جس نے گندم اٹھا رکھی تھی اور وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا رہے تھے۔ ابو جہل نے ان کو آواز دی اور کہا: ”کیا تو بنی ہاشم کے پاس کھانا لے کر جا رہا ہے؟ ان کے پاس کھانا سلا کر نہ جا، ورنہ میں تجھے مکہ میں رسوا کر دوں گا۔“

اس موقع پر حکیم بن حزام کے دوست ابوالمختری نے جواب دیا: "یہ کھانا تو حکیم کی پھوپھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہے، کیا تم انہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس اُن کا کھانا لے جائے؟" لہذا ابو جہل نے حکیم کا راست چھوڑ دیا۔ پھر وہ دونوں لڑنے لگے۔ ابوالمختری نے اونٹ کی ہڈی پکڑی اور ابو جہل کو زوردار ضرب رسید کی۔

اُنگوں کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی برکت نے ڈھانپ لیا، یہاں تک کہ قریش والوں نے دستاویز کو پھاڑ دیا اور مسلمان تین سال بعد مکہ واپس لوٹ آئے۔ اس عرصہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مالداروں اور توگمروں کے باوجود مشقت سے بھرپور زندگی گزاری۔ وہ اپنے گھر تو واپس آ گئیں، لیکن شعب ابی طالب میں ان کو لاحق ہو جانے والی بیماری اور مشقت نے ان پر گہرا اثر ڈالا، اور ان کی نشاط بھری زندگی میں اب کچھ وقت اور کمزوری پیدا ہو چکی تھی۔^(۸)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مرض کا شکار ہو گئیں اور بیماری کے ہاتھوں لاچار ہو گئیں۔ وہ آنکھیں کھولیں تو اپنے سامنے اپنے باؤا خاندن صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ انوار چہرہ دیکھتیں، جس سے محبت و اپنائیت جھٹک رہی ہوتی۔ لیکن آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی کر سکتے تھے۔

سانچہ ارتحال

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی شعب بن مطلب سے باہر آئی تھیں۔ پے در پے تکالیف و مصائب کے باعث سیدہ کی صحت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ بالآخر رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۲۵ سال رفاقت کے بعد رمضان المبارک یا شوال ۱۰ نبوی میں، یعنی ہجرت سے تین سال پہلے اپنے شوہر نامدار کو داغِ مفارقت دے گئیں۔ چند دنوں کے وقفے سے ابو طالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال پُر ملال ہوا۔ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار و نگہسار کے بعد دیگرے دونوں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خود مصائب و آلام میں مبتلا تھے۔^(۹)

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے وقت عمر مبارک ۶۳ سال، ۶ ماہ تھی۔ چونکہ اس وقت تک نماز جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی، لہذا سیدہ کو بھی اسی طرح دفن کروایا گیا تھا۔ رحمت

عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود اُن کی قبر میں اترے اور اپنی عنگسار و چال غار و وجہ کرمہ کو قبر کی آغوش میں رکھا۔ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی قبر جنت المعنیٰ میں مرجعِ طلائق بنی ہوئی ہے۔^(۱۰)

ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہر مشکل گھڑی میں اپنے شوہر نامدار کے ساتھ رہیں۔ وہ ہر ایسے موقع پر آپ ﷺ کی تسکین خاطر کامو جب فتنوں اور اپنی دل ربا دادوں سے غم غلط کر دیتی تھیں۔

کانت خدیجۃ وزیرۃ صدق علی الاسلام. وکان رسول اللہ لیسکن الیہا۔ ترجمہ: سیدہ خدیجہ آپ ﷺ کی دربار و مشیر تھیں، اسلام کی تصدیق کرنے والی تھیں۔ اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تسکینِ قلبی حاصل کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بوقت نکاح ۲۵ سال تھی اور سیدہ کی عمر چالیس سال تھی۔ ۲۵ سال حضور ﷺ کے ساتھ بسر فرمائے اور ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔^(۱۱)

جنت کی فوید

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے خصائص و فضائل اور مناقب و عظمت میں سے یہ بھی ایک عظیم المرتبت اور عظیم الشان خصوصیت ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان و قیامت جہان سے انہیں جنت کی فوید جاں فرزا اور اللہ تعالیٰ کے سلام سے نوازا گیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر خدیجۃ بیت فی الجنة من قصب۔^(۱۲)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں موتیوں کے نالیشان محل کی خوشخبری سنائی۔

ایک روایت میں ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر خدیجۃ بیت فی الجنة من قصب لا صخب فیہ ولا نصب۔^(۱۳)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ایسا محل سننے کی بشارت دی جو موجوں کا ہوگا، اور جس میں شور و غل اور محنت و مشقت نہ ہوگی۔

سیدنا عبد اللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انصرت ان ابشر خدیجة بیت من قصب لا یخرب فیہ ولا نصب (۱۴)

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خدیجہ طاہرہ کو جنت میں ایک ایسے محل کی بشارت سنادوں جو موتی کا ہوگا اور جس میں شور و غل اور محنت و مشقت نہ ہوگی۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م ۷۴۱ھ) فرماتے ہیں:

امام بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں موتیوں سے تیار شدہ محل کی بشارت دی۔ کیونکہ ان کے پاس ایمان لانے سے پہلے خالص موتی تھے اور وہ بڑے بڑے بے جوڑ تھے۔

اور جنت میں ان کو بڑے سکون محل کی بشارت اس لیے دی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و احترام کی وجہ سے آپ ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کبھی بلند نہیں ہونے دی تھی۔ (۱۵)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۱ھ) اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وہی فضیلتها لا تعرف لامرأة سواها۔ (۱۶)

ترجمہ: یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو آپ کے سوا کسی اور عورت کو میسر نہیں ہوئی۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں:

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات میں یہ بھی ایک خاص فضیلت شمار ہوتی ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حسین حیات کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ یہ اس بات کی قیاسی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے قلب اطہر میں سیدہ کی بیجا الفت اور محبت جاگزین تھی، اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی آپ ﷺ سے بے جاناؤ انس تھا۔ چنانچہ طبرانی نے اس بات کو بڑی اہمیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

خصائص و فضائل

ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پاکیزہ اخلاق، بلند پایہ محاسن اور قابل رشک میرت و کردار کی حامل تھیں۔ جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کفر و شرک کی منکالت اور گمراہی کے عالمگیر اندھیروں سے نکال کر توحید خداوندی کی روشن شاہراہ پر چلانے کے لیے

مکہ مکرمہ کے گلی کوچوں میں آواز حق بلند فرما رہے تھے تو کسی بھی جانب سے آپ ﷺ کی تائید و توثیق میں آواز شائی نہیں دے رہی تھی۔ تمام جزیرہ عرب ایک خاموشی و تماشا کی طرح معنی خیز خاموشی کا پیکر بنا ہوا تھا۔ اس عالمگیر خاموشی میں ایک دل آویز آواز اٹھتی ہے، جو فضا کے مکہ میں پھیل پھا کر رہتی ہے۔ اور وہ مونس و نگہسار آواز سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی تھی، جو ان کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے بلند ہوتی تھی اور جو اس ظلمت کدہ کفر و ضلالت میں انوار الہی کی جلی گاہ تھی۔

یہ خاتون جنت زمانہ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے نفور اور دور تھیں۔ ایک مرتبہ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم بھلا اس کبھی بھی لات و عزنی کی پرستش نہ کروں گا۔ سیدہ نے جواباً عرض کیا، لات کو جانے دیجیے، عزنی کو چھوڑ دیجیے۔ یعنی ان کا تودہ کرنی نہ کیجیے۔ (۱۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہنے لگے، یا رسول اللہ! خدیجہ حاضر خدمت ہو رہی ہیں اور آپ ﷺ کے لیے برتن میں کھانے کی کوئی چیز لا رہی ہیں۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب کا اور میرا سلام پہنچا دیجیے، اور انہیں جنت میں موتیوں کے عالیشان محل کی خوشخبری سنا دیجیے، جس میں نہ شور و غل ہوگا اور نہ ہی کوئی تکلیف۔ (۱۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حق تعالیٰ شانہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سلام کہتے ہیں۔ سیدہ نے یہ سن کر فرمایا: حق تعالیٰ جل مجدہ خود "سلام" ہیں اور جبریل پر بھی سلام ہوا اور آپ ﷺ پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے کہ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے فرمایا: "یہ خدیجہ ہیں۔" جبریل علیہ السلام نے فرمایا، انہیں ان کے رب کی طرف سے اور میرا سلام کہہ دیجیے۔ (۱۹)

امام خزالدین ابو الحسن بن الاشعر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں دو پہلی شخصیت ہیں جو اسلام لائیں اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والی خدیجہؓ ہی ہیں اور اس معاملہ میں کوئی مرد یا عورت ان کے مرتبہ و مقام کو نہیں پہنچ سکا۔ اور یہ انتہائی عظیم منقبت ہے، جس میں ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا کوئی ثانی نہیں۔ (۲۰)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ولادت باسعادت

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار برس بعد شوال کے مہینہ میں ولادت ہوئی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا، جہاں خورشید اسلام کی نورانی شعاعیں سب سے پہلے پرتو لگن ہوئیں۔ بنا بریں "عائشہ" اسلام کی ان مایہ ناز برگزیدہ شخصیتوں میں سے ہیں، جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی قبیح آواز نہیں سنی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں:

"جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا، اُن کو مسلمان پایا۔" (۲۱)

نام و نسب

نام نامی اسم گرامی عائشہ، صدیقہ لقب، ام المومنین خطاب، ام عبد اللہ (۲۲) کنیت، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حمیرا (۲۳) اور بنت الصدیق کے لقب سے بھی خطاب فرمایا۔ (۲۴)

والد کرم کی طرف سے نسب

عبد اللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تميم بن مرہ بن کعب بن لؤی القرشی النجفی، ابو بکر صدیق بن ابوقحافہ، خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲۵)

والدہ کا اسم گرامی زینب اور أم رومان کنیت تھی۔ ان کے والد کا نام عامر بن عویمر بن عبد شمس بن خطاب بن اذینہ بن سلیع ابن دھمان بن الحارث بن غنم بن مالک تھا۔ (۲۶)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا باپ کی طرف سے قریش، تیمیہ اور ماں کی طرف سے کنانہ ہیں۔ اس نسب نامہ کی رو سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نسب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ساتویں یا آٹھویں پشت پر، اور والدہ کی طرف سے گیارہویں بارہویں

پشت پرل جاتا ہے۔

کنیت

عرب میں کنیت شرافت و نجابت کا امتیازی نشان سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے ہر مرد و زن اپنی کنیت ضرور رکھتا تھا۔ چونکہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا اولاد کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوئی تھیں، اس لیے کنیت کے اعزاز سے محروم تھیں۔ ایک مرتبہ سیدہ اکنوین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حسرت کے ساتھ عرض پر، اے ہو میں کہ آپ ﷺ کی دوسری بیویوں نے تو اپنی سابق اولاد کے نام پر اپنی کنیت رکھ لی ہے، لیکن میں اپنی کنیت کس کے نام پر رکھوں؟

رحمۃ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیرؓ کے نام پر کنیت رکھ لو۔ چنانچہ اسی دن سے ”ام عبد اللہ“ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت قرار پائی۔ (۲۷)

ایک روایت میں ہے، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں انہیں گود میں اٹھا کر سرور و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے آئی۔ آپ ﷺ نے اپنے وہن مبارک میں کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈالی، اور یہ پہلی مقدس چیز تھی جو پیدا ہونے کے بعد ان کے پیٹ میں گئی۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

هَذَا عَبْدُ اللَّهِ وَ اَنْتِ امُ عَبْدِ اللَّهِ. (۲۸)

ترجمہ: اس کا نام عبد اللہ ہے اور آپ ام عبد اللہ ہیں۔

ابوبکر بن خثیمہ سے روایت ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! میری تمام ساتھیوں کی کنیتیں ہیں، آپ میری بھی کوئی کنیت مقرر فرمادیں۔ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تو بھی اپنے بیٹے عبد اللہ بن زبیرؓ کے نام پر اپنی کنیت رکھ لے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ نے اپنی کنیت ام عبد اللہ رکھ لی، جو آپ کی وفات تک رہی۔ (۲۹)

”حمیرا“ لقب کے متعلق سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۲ء) لکھتے ہیں:

جن روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لقب ”حمیرا“ (گوری) ہے، محدثین کے نزدیک وہ سنداً اہمیت نہیں ہیں۔ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ ہر وہ حدیث جس میں حمیرا ہے، جھوٹی اور

من گھڑت ہے۔ (۳۰)

بہر حال محققین کتب رجال نے ”حمیرا“ آپ کا لقب لکھا ہے اور لغات الحدیث، مثلاً مجمع البحرین اور نہایہ وغیرہ میں بھی زیر لفظ ”حمرا“ اس کی تصریح ملتی ہے۔ (۳۱)

علامہ محمد طہابرا صدیقی (م ۱۹۸۶ء) لکھتے ہیں:

”خلدوا شطر دینکم من الحمیراء یعنی عائشہ تصغیر ”الحمیراء“ بربد البیضاء۔“ (۳۲)

امام الجرح والتعديل شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

”وكانت امرأة بیضاء جميلة ومن ثم یقال لہا الحمیراء۔“ (۳۳)

امام الخافض ابی نعیم احمد بن عبد اللہ الاحمباتی (م ۴۳۶ھ) سیدہ کا تعارف اس طرح کرتے ہیں:

ومنہم الصديقة بنت الصديق، العتيقة بنت العتيق حبيبة الحبيب،

وايضا القريب سيدة المرسلين محمد الخطيب، المبرأة من

الغيوب، المعروفة من ارباب القلوب، لوفيتها جبريل، رسول علام

الغيوب، عائشة ام المومنين رضي الله عنها. (۳۴)

ترجمہ: اور ان میں سے صدیق کی بیٹی صدیقہ، عتیقہ بنت عتیق، الحبيب کی محبوبہ،

سیدہ المرسلین محمدؐ الخطیب سے محبت کرنے والی، دلوں کے شکوک سے ناری، علام الغیوب کے قاصد

جبریلؑ کو دیکھنے والی، عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا۔

امام شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) سیدہ کا حسب و نسب یوں بیان فرماتے ہیں:

بنت الامام الصديق الاكبر، خليفة رسول الله صلى الله عليه

وسلم ابی بكر عبد الله بن ابی قحافة عثمان بن عامر بن عمرو بن

كعب بن سعد بن تيم بن مره بن كعب بن لؤي. القرظية، النجيلة،

المكعبة، النبوية، ام المومنين زوجة النبي صلى الله عليه وسلم

الفقه نساء الامة على الاطلاق. (۳۵)

ترجمہ نبوت میں آمد

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا تحریم نبویؐ میں داخل ہونا اور عقد

مسنون کے وقت عمر مبارک کے سلسلہ میں امام محمد بن یوسف الدمشقی برد اللہ مسجد (م ۹۱۴ھ) کی بیان کردہ روایات اسی ترتیب سے شامل کتاب کی جارہی ہیں، تاکہ سیدہ کی عمر کے متعلق جو شبہات پائے جاتے ہیں، ان کا مؤثر ازالہ ہو جائے۔

جب امام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو بعد میں حضرت خولہ بنت حکیم زوجہ مکرمہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض گزار ہوئیں۔ یا رسول اللہ! آپ دوسرا نکاح کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کس سے؟ حضرت خولہ نے کہا، بیوہ اور دو شیرہ دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں، جس کو آپ ﷺ پسند فرمائیں۔

حضرت خولہ نے عرض کیا، دو شیرہ تو آپ ﷺ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عائشہ ہے، اور بیوہ حضرت سودہ بنت زمعہ ہیں جو آپ ﷺ پر ایمان لائیں ہیں اور آپ ﷺ کی اطاعت گزار ہیں۔ ارشاد ہوا، بہتر ہے کہ تم ان دونوں کی نسبت گفتگو کرو۔

حضرت خولہ ام رومان کے پاس گئیں اور کہا، اے ام رومان! اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھر میں خیر و برکت کے نزول کا ارادہ فرمایا ہے۔ ام رومان نے عرض کیا، وہ کیسے؟ خولہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ کے لیے پیغام دیا ہے۔ ام رومان نے اس پر اپنی خوشی اور رضا کا اظہار کیا اور کہنے لگیں، ابو بکر کا انتظار کر لیا جائے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے تشریف لانے پر حضرت خولہ نے پیغام دیا۔ جاہلیت کا دستور تھا کہ جس طرح گئے بھائی کی اولاد سے نکاح جائز نہیں، عرب اپنے منہ بولے بھائی کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے۔ اس بنا پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا، خولہ! عائشہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بہتی ہے۔ آپ ﷺ سے اس کا نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟

حضرت خولہ نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر استفسار کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ابو بکر میرے دینی بھائی ہیں، دینی بھائی کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اس کی بخشش کو قبول کر لیا۔

لیکن اس سے پہلے حضرت عائشہ زینب بنت مطعم سے منسوب ہو چکی تھی، اس لیے ام رومان

نے حضرت خولہ سے کہا کہ مطعم بن عدی نے بھی اپنے بیٹے کے لیے عائشہ کی بات کی تھی، اور بخدا! وہ بکر کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مطعم بن عدی کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت اس کے پاس اس کی بیوی ”ام القتی“ بھی موجود تھی۔ حضرت ابو بکر نے پوچھا، تم نے عائشہ کی نسبت اپنے بیٹے سے کی تھی، اب کیا ارادہ ہے؟ مطعم اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے پوچھا، کیا خیال ہے؟ بیوی نے کہا، اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آگئی تو ہمارا لڑکا بد دین ہو جائے گا (اس لیے یہ رشتہ ہمیں منظور نہیں)۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مطعم کو مخاطب کر کے فرمایا، آپ بتائیں، آپ کی رائے کیا ہے؟ اس نے کہا، آپ نے جواب تو سن لیا ہے۔

اب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دہاں سے لوٹ آئے اور انہیں خلاف ورزی کا اندیشہ نہ رہا۔ گھر آ کر حضرت خولہ سے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لائیں۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور حضرت ابو بکر نے اپنی صاحبزادی کا آپ ﷺ سے نکاح کر دیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میرا نکاح کر دیا گیا، پھر میں دو سال (والدین کے گھر) رہی۔ پھر جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے اور دار بنی الحارث بن الخزرج میں ٹھہرے، تیاری کی وجہ سے میرے بال جھڑ گئے اور بہت چھوٹے ہو گئے تھے۔ اس وقت میری عمر نو سال تھی۔ والدہ نے میرا منہ ہاتھ دھلایا اور بال درست کیے۔ پھر مجھے ساتھ لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے در و درت پر آئیں۔ مجھے آپ ﷺ کے پاس پہنچایا۔ اس وقت آپ ﷺ کے حجرہ مبارک میں مردوں اور عورتوں کا اجتماع تھا۔ مجھے حجرہ میں بٹھا دیا۔

حضرت خولہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اہل میں اور استانت آپ ﷺ سے برکت عطا فرمائے۔

جب اوگ چلے گئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ قسم بخدا! ان تو میرے نکاح کے موقع پر کوئی اونٹ یا بکری ذبح کی گئی، سو اس کے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے ایک بڑے پیالے میں کھانا آیا تھا۔ (۳۶)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہ خوش نصیب خاتون ہیں جنہوں نے اپنے والدین سے سچائی کا وہ خوش جان کیا اور خوالہ نبوی سے غذا پائی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خواتین میں یکساں اور رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت کا محور تھیں، جو ہر طرف سے خیر کی تمام صفات کے ساتھ متصف تھیں اسی لیے انہیں "صدیق اکبر" کا عظیم الشان لقب عطا ہوا۔

ہجرت

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد تقریباً تین برس تک مکہ ہی میں رہیں۔ دو برس تین مہینے مکہ میں اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ میں۔ (۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور متعدد صحابہ کے مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے جانے کے بعد جب کچھ اطمینان ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے اہل و عیال کو لانے کے لیے حضرت زید بن حارثہ اور اپنے غلام ابورافع کو روانہ کیا اور پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک آدمی بھیج دیا۔

پانچویں زید بن حارثہ، ان کے فرزند حضرت اسماء اور ان کی بیوی ام ایمن اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں سیدہ فاطمہ اور سیدہ ام کلثوم اور آپ کی زوجہ مکرمہ سیدہ عائشہ اور سیدہ سہوہ اور حضرت عائشہ کی والدہ مکرمہ ام رومان اور حضرت عائشہ کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر اور ان کے بھائی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہم، جمعین پر مشتمل مختصر سا قافلہ مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ (۳۸)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر والوں کے ساتھ بنو حارثہ بن خزرج کے محلہ میں اتریں اور سات آٹھ ماہ تک اپنی والدہ مکرمہ کے ساتھ قیام پذیر ہوئیں۔ (۳۹)

منامی بشارت

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ ظاہرہ رضی اللہ عنہا کو یہ منفرد نوعیت کا اعزاز بھی حاصل ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبابِ مقدس میں آنے سے پہلے اللہ جل مجدہ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی تصویرِ خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی اور یہ ایمان افروزہ مژدہ بھی سنایا کہ دنیا و عقبیٰ میں آپ ﷺ کی رفیقہ حیات ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سے فرمایا، نکاح سے پہلے تو مجھے تین رات دکھائی گئی۔ جبرئیل ایک ریشمی کپڑے میں کوئی چیز لپیٹ کر لائے اور کہا، یہ آپ کی بیوی ہیں۔ تو میں نے اسے کھولا تو دیکھا کہ وہ تم ہو۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا فرمائے گا۔ (۴۰)

مسند احمد اور بخاری شریف کی روایت میں "اور تک فی المنام مرتین" کے الفاظ ہیں، اور مسلم شریف کی روایت میں "فلت لیال" کے الفاظ ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ ظاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن عائشہ ان حبرئیل جاء بصورتها فی خرقۃ حریر حضور الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان هذه زوجتك فی الدنیا والآخرة۔ (۴۱)

ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر سبز ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے اور کہا، یہ آپ ﷺ کی بیوی ہیں، دنیا اور آخرت میں۔

بخاری شریف کی روایت اس طرح ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تک فی المنام مرتین اذا وجلی یحملک فی سرقۃ حریر، فبقول هذه امراتک، فاکشفها فاذا هی انت، فاقول ان یکن هذا من عند اللہ یمضه۔ (۴۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے تم خواب میں دو مرتبہ دکھائی گئیں۔ ایک شخص تمہیں ریشم کے ایک کپڑے میں لپیٹ لے جا رہا ہے، اس نے مجھ سے کہا، یہ آپ کی بیوی ہیں۔ اس کے چہرے سے پردہ بنایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ تم ہی تھیں۔

بخاری کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن عائشہ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تک قبل ان اتزوجک مرتین۔ رایت المملک یحملک فی سرقۃ من حریر۔ فقلت له اکشف فاذا کشف فاذا هو انت۔ فقلت ان یکن هذا من عند اللہ یمضه۔ ثم اور تک یحملک فی سرقۃ من حریر۔ فقلت اکشف لکشف فاذا ہی انت۔ فقلت ان یک هذا من

عند اللہ یحصنہ۔ (۳۳)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم سے شادی کرنے سے پہلے مجھے تم دو مرتبہ دکھائی گئیں۔ میں نے دیکھا، ایک فرشتہ تمہیں ریشم کے ایک ٹکڑے میں اٹھائے ہوئے ہے۔ میں نے اس سے کہا، اسے کھلو۔ اس نے کھولا تو وہ تم تھیں۔ میں نے کہا، اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کر دے گا۔ تم مجھے دوبارہ دکھائی گئیں۔ فرشتہ تجھے ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر لایا۔ میں نے کہا، اسے کھلو۔ فرشتے نے کھولا تو تم ہی تھیں۔ میں نے دل میں کہا، اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ پورا کر دے گا۔

علامہ رد قانی (م ۱۲۴ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر دیکھ کر یہ کہنا، "اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کر دے گا" آپ ﷺ نے کچھ شک کا اظہار فرمایا ہے۔

علامہ طبری کہتے ہیں، یہ "شرط" ثبوت کو یقینی طور پر تحقیق کرنے کے لیے عائد کی گئی ہے، جس طرح کوئی بادشاہ کسی سے انتقام لینا چاہے اور یوں کہے:

ان كنت سلطانا انتقم منك.

یعنی: میرا بادشاہ ہوتا مقتضی ہے انتقام لینے پر۔

اور قاضی عیاض کہتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خواب بعثت سے پہلے دیکھا ہو، اس لیے کوئی اشکال وارد نہیں ہوا۔ اور اگر نبوت کے بعد دیکھا ہو تو پھر تردید کا اظہار اس بنا پر ہوا کہ عائشہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں میری زوجہ ہوگی یا صرف آخرت میں۔

اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ لفظ "ان" "بلغ معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ گویا یہ "تجامل عارفانہ" کا اظہار تھا۔ بظاہر لفظ شک کا بول کر یقین کو واضح فرمایا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ لفظ "ان" اس لیے استعمال فرمایا ہو کہ یہ خواب ظاہر اور حقیقتاً وہی ہے یا خواب تو وہی ہی ہے، مگر اس کی تعبیر درکار ہے۔ یہ دونوں احتمال انبیاء کے حق میں جاز ہیں۔ (۳۴)

جنت میں رفاقت کی بشارت

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہیں جنت میں

بھی رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کی بشارت دنیا میں ہی سادہی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عائشہ زوجتی فی الجنة۔ (۳۵)

ترجمہ: عائشہ جنت میں بھی میری بیوی ہوں گی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت میں آپ ﷺ کی کون سی بیویاں ہوں گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تو بھی ان میں سے ایک ہے۔ (۳۶)

امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کی توثیق فرمائی ہے۔ (۳۷)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہی زوجتہ فی الدنيا والاخرة۔ (۳۸)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بہت زیادہ تعریف فرمائی۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اور میں! آپ ﷺ نے فرمایا:

اعا ترضین ان لکونی زوجتی فی الدنيا والاخرة۔ (۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے عائشہ! تو قیامت کے دن میری آل میں سے اٹھائی جائے گی۔ (۴۰)

حبائہ عقد میں آنے کی تاریخ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبائہ عقد میں کب آئیں، از و ارج کی تاریخ کون سی تھی؟ مختلف روایات میں حسب ذیل تصریحات بیان کی گئی ہیں:

ولقد هلك قبل ان يزوجني ثلاث سنين. (مسند، ج ۶ ص ۵۸)

توفيت بخديجة قبل مخرج النبي صلى الله عليه وسلم الى المدينة

ثلاث سنين، فلبث سنتين او قريبا من ذلك و نكح عائشة.

علامہ ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) بیان کرتے ہیں کہ ابو سعید کہتے ہیں:

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دو سال قبل ہجرت سے عقد فرمایا تھا، اور یہ کنواری تھیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تین سال پہلے نکاح فرمایا۔ اور حضرت زبیرؓ کا قول ہے کہ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے تین سال بعد نکاح کیا گیا، اور سیدہ خدیجہؓ کا انتقال ہجرت سے تین سال پہلے ہوا تھا۔ (۵۱)

مکارم اخلاق

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ، صدیقہ کائنات، رضی اللہ عنہا اخلاق و کردار کی پاکیزگی، زہد و ورع، جود و سخا، راست گفتاری، شیریں کلامی، فصیح و بلیغ طرزِ ادا، ژرف نگاہی، و قیقتہ بخشی، زبردست حافظہ، ملکہ استنباط مسائل و حل مشکلات، مجتہدۃ بصیرت و علمی فیضان میں اپنے معاصرین سے ممتاز تھیں۔ علم تفسیر حدیث، فقہ، کلام، تصوف و اخلاق، سیر و تاریخ اور شعر و ادب ہر گوشہ و شعبہ علم میں ائمہ فن آپ کی عبقریت و عظمت اور جلالت و امامت کے معترف نظر آتے ہیں۔

آپ کا بچپن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آغوش میں گزرا، جن کا دولت کدہ و درجہ عالی اور ابتدائے مہد اسلامی میں ماقوی و روحانی غذا کا مرکز تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول:

”سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ سے قریش و گوکہ صفات علم و طہام کی وہب سے مانوس تھے۔ چنانچہ وہ جب اسلام لائے تو ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے بھی سب مسلمان ہو گئے تھے۔“ (۵۲)

غفلانِ شباب کا زمانہ کا شانہ نہ توئی میں بسر ہوا، جو اسلام کی دعوت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و ہدایت کا معدن و سرچشمہ تھا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بقیہ زندگی یا دہائی اور علم و دین کی خدمت میں گزری۔ انہی وجوہ کی بنا پر وہ زین اور تذکرہ نگاروں نے آپ کا تذکرہ نہایت شاندار الفاظ میں کیا ہے۔

زہد و قناعت

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سید الزہاد بن تھے۔ چہیت بھرنے اور خوش ذاتیہ چیزیں حاصل کرنے اور جمع کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

سے فرمایا کہ اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ ساتھ سونے کے پہاڑ نکلیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کی کمر کعبہ تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو عام بندوں کی طرح بندہ اور نبی بن کر رہیں، اور اگر چاہیں تو نبی اور بادشاہ بن کر رہیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف مشورہ لینے کے طور پر دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تو امشع اختیار کریں۔ لہذا میں نے جواب دیا کہ میں نبی ہوتے ہوئے عام بندوں کی طرح رہنا پسند کرتا ہوں۔

پھر سیدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تکبہ لگا کر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے، میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے، اور اس طرح بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیار ہی تھا۔ اگرچہ آپ ﷺ اپنی حیات طیبہ کے آخری تین چار سال ازواجِ مطہرات کے لیے ایک سال کے لیے خرچ کا انتظام فرمایا کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ کی صحبت کے اثر سے آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات بھی اسے خیرات کر دیتی تھیں اور خود تکلیف برداشت کر لیتی تھیں۔

حضرت مسروق تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے میرے لیے کھانا منگوایا۔ پھر ارشاد فرمایا، اگر میں پیٹ بھر کر کھا لوں اور اس کے بعد رونا چاہوں تو رو سکتی ہوں۔ میں نے عرض کیا، آخر کیوں؟ فرمایا، میں اس حال کو یاد کرتی ہوں جس حال میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اللہ کی قسم! کسی دن بھی دوسرے مرتبہ آپ ﷺ نے گوشت روٹی سے ریت نہیں بھرا۔ (۵۳)

ایک روایت میں ہے:

”اگر ہم چاہتے تو پیٹ بھر کر کھا لیتے، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔“ (۵۴)

سیدنا ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، فقر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر چراغ روشن کیے بغیر اور چولہے میں آگ جلانے بغیر کئی کئی ماہ گزر جاتے تھے۔ اگر زین کا تیل مل جاتا (جس سے چراغ روشن کیے جاتے تھے) تو تھوڑا ہونے کی وجہ سے چراغ روشن کرنے کے

جائے بدن یا سر پر نعل لیتے اور چربی اہل بیت جاتی تو اسے کھانے میں لے آتے تھے۔ (۵۵)

ام المومنین فرماتی ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی زمرہ ایک یہودی کے پاس تین صاع گچھ کے خوش گردی رکھی ہوئی تھی۔ (۵۶)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا دنیا سے اعراض اور عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے زہد کے اعلیٰ درجات پر فائز ہو چکی تھیں۔ جیسا کہ امام ابو نعیم اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سیدہ دنیا سے بیزار اور اُس کی رنگینیوں سے بے خبر اور اپنی محبوب چیز یعنی اعمال کے کھوجانے پر رونے والی تھیں۔" (۵۷)

سیدہ زہد میں بھی اسی طرح ضرب المثل تھیں، جس طرح وہ سخاوت میں ضرب المثل تھیں۔

جو دو سخا

اخلاقی حیثیت سے بھی سیدہ و انتہائی بلند مرتبہ رکھتی تھیں۔ وہ نہایت کافہ تھیں۔ غیبت سے احتراز کرتی تھیں۔ احسان کو قبول کرتیں۔ اگرچہ خود ستائی پسند نہ تھیں تاہم نہایت خوددار تھیں۔ شجاعت اور ولیرمی بھی ان کا خاص جوہر تھا۔ لیکن ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا سب سے نمایاں وصف جو دو سخا تھا۔ نہایت فیاض، غریب پرور اور مہمان نواز تھیں۔ سیدہ عائشہ اور ان کی ہمشیرہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہن دونوں نہایت کریم النفس اور فیاض تھیں۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، میں نے ان دونوں سے بڑھ کر بخشنے اور صاحبِ کرم کسی کو نہیں دیکھا۔ لیکن ان دونوں کی سخاوت میں ایک فرق تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تمھوڑا تھوڑا جمع کرتی رہتی تھیں، جب کچھ رقم اکٹھی ہو جاتی تھی، اُسے راوِ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں۔ اور سیدہ اسماء کے ہاتھ جو کچھ آتا تھا فوراً خیرات کر دیتی تھیں، جمع نہیں کرتی تھیں۔ (۵۸)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا اکثر مقروض رہتی تھیں۔ ادھر ادھر سے قرض لیتیں اور لوگوں کی حاجات پوری فرماتی تھیں۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا، آپ کو قرض لینے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی قرض ادا کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اعانت فرماتا ہے، اور میں اللہ تعالیٰ کی اس اعانت ہی کی تلاشی ہوں۔ (۵۹)

خیرات میں تمھوڑے بہت کا لحاظ نہ کرتیں، جو موجود ہوتا سائل کی نذر کر دیتیں۔ ایک دفعہ ایک سائل آئی جس کی گود میں دو ننھے منے بچے تھے۔ اتفاق سے اس وقت گھر میں کھجور کے ایک دان کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ سیدہ نے وہی دے دی۔ اس عورت نے اسی کے دو ٹکڑے کر کے دونوں میں تقسیم کر دیے۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے تو ماجرا عرض کیا۔ (۶۰)

ساختہ اور تحال

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ کو نماز وتر کے بعد ۶۶ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ (۶۱)

سید سلیمان نووی رحمہ اللہ بیسوی تاریخ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

۱۳ جون ۶۷۸ھ نماز وتر کے بعد رات کے وقت وفات پائی۔ (۶۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں علم و عرفان کا یہ مہتاب عالم تاب قبر کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔

(۶۵)

ہو گیا۔

حرمِ نبوت میں آمد

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا شوہر کے وصال کے بعد سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں آئیں۔ موزعینِ کرام کی تصریحات کے مطابق ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سب سے پہلی خاتون جسے "ام المومنین" ہوئے کا شرف حاصل ہوا، وہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

امام ابن سعد (م ۲۴۰ھ) رقم طراز ہیں:

فكانت أول امرأة تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد خديجة. (۶۶)

ترجمہ: حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد سب سے پہلی عورت جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا، وہ سودہ تھیں۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رسول الله صلى الله عليه وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رمضان المبارک دس نبوی میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے نکاح کیا۔ اور حضرت سودہ مکہ ہی میں آپ ﷺ کے گھر آئیں اور مدینہ منورہ ہجرت کی۔ (۶۷)

سیدہ خدیجہ کے وصال کے بعد رحمۃ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ اور حضرت سودہ سے نکاح فرمایا تھا۔ ان دونوں میں سے پہلے کس سے نکاح فرمایا؟ سیرت نگاروں نے اس میں دو قول نقل فرمائے ہیں۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ بعض موزعین کے نزدیک پہلے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا اور بعد میں حضرت عائشہ سے عقد فرمایا، لیکن حافظ ابن کثیر (م ۷۴۱ھ) نے مسند امام احمد کی ایک روایت سے استدلال فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ سیدہ خدیجہ کے وصال کے بعد آپ ﷺ نے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرماتی ہیں:

وكانت أول امرأة تزوجها بعدى. (۶۸)

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

آپ کا نام نامی اسم گرامی سوڈو تھا۔ قریش کے ایک مشہور قبیلہ، عامر بن لوئی سے تعلق تھا۔ باپ کی طرف سے سلسلہ نسب اس طرح ہے، سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبد وہ بن نصر بن مالک بن حنظل بن عامر بن لوئی۔ والدہ کی طرف سے نسب یوں ہے، الشمس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبیدہ بن خدّاش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔ (۶۹)

شمس کی والدہ خوجہ عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو بن زید کے بھائی کی بیٹی تھی، اس وجہ سے خوجہ سے تعلق تھا۔ اور سیدہ سودہ کی کنیت "ام الاسودہ" تھی۔

سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں آنے سے قبل سکران بن عمرو بن عبد شمس بن عبد وہ کے نکاح میں تھیں۔ سکران، حضرت سوڈو کے والد کے چچا زاد بھائی تھے، اور سبیل بن عامر بن لوئی حاطب اور سلیم کے بھائی تھے۔ (۷۰)

قبولِ اسلام

ابتداءً نبوت میں مشرف پہ اسلام ہوئیں۔ ان کے ساتھ ان کے شوہر نامدار نے بھی دعوتِ اسلام پر لبیک کہا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس بنا پر دونوں میاں بیوی کو قدیم اسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حبش کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سوڈو اور ان کے شوہر مکہ مکرمہ میں اقامت گزریں رہے اور قریش مکہ کی سختیاں جھیلتے رہے۔ لیکن جب شرکین کا ظلم و ستم اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو مہاجرین کی ایک بہت بڑی تعداد حبشہ کی ہجرت پر آمادہ ہو گئی۔ ان میں سیدہ سودہ اور ان کے شوہر سکران بھی شامل تھے۔ کئی برس حبشہ میں گزارنے کے بعد جب سیدہ سودہ اپنے خاوند کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس آئیں تو ان کے خاوند سکران کا مکہ مکرمہ میں انتقال

نبی اشارہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سوہدہ رضی اللہ عنہا جب سکران کے نکاح میں تھیں تو انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لارہے ہیں اور آکر ان کی گردن کو چھوا ہے۔ یہ خواب انہوں نے اپنے خاوند سکران سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا، اگر تمہارا یہ خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میرا انتقال ہو جائے گا اور تیرا نکاح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا۔

حضرت سوہدہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ پھر خواب میں دیکھا کہ وہ سوئی ہوئی ہیں اور چاند فوٹ کر ان پر گر گیا ہے۔ یہ خواب بھی انہوں نے شوہر سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا، اگر تمہارا خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں منقریب انتقال کر جاؤں گا۔ چنانچہ اسی روز سکران بیمار پڑے اور کچھ دنوں بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت سوہدہ رضی اللہ عنہا کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گئی۔

ہجرت

حضرت سوہدہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تین سال تک مکہ معظمہ میں اقامت گزیر رہے۔ پھر جب اللہ جل شانہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت مل گئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور دونوں حضرات اپنے اہل و عیال کو مکہ میں چھوڑ گئے، جن میں سیدہ سوہدہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

مدینہ پہنچ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور ابو رافع کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر بھیجا اور فرمایا، ایک اونٹ تہدید کے مقام سے خرید لیجا، تاکہ حضرت فاطمہؓ، ام کلثومؓ اور حضرت سوہدہ کو لے آئیں۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے کنبہ کو اپنے ساتھ مدینہ لے کر گئے، جن میں سیدہ صدیقہ اور ان کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ (۷۰)

زہد و تقویٰ

ام المومنین سیدہ سوہدہ رضی اللہ عنہا عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں بلند شان کی حامل تھیں۔ علامہ ابن کثیر (م ۷۴۷ھ) رقم طراز ہیں:

ترجمہ: میرے بعد سب سے پہلے آپ ﷺ نے جس سے نکاح کیا، وہ سوہدہ تھیں۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں سوہدہ کے والد کے پاس گئی جو نہایت بوزھے تھے اور انہیں جاہلیت کے طریقہ کے مطابق "انعم صباحا" کہہ کر سلام کیا۔ انہوں نے دریافت کیا، کون ہے؟ میں نے جواباً عرض کیا، "خولہ"۔ انہوں نے کہا، مرحبا! کیسے آتا ہوا؟

حضرت خولہ نے جواب دیا، محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کی طرف سے آپ کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام لائی ہوں۔ انہوں نے سن کر کہا، ہاں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیشک شریف کفو ہیں (ہو کفو کریم) لیکن معلوم نہیں سوہدہ کی کیا رائے ہے؟ حضرت خولہ نے کہا، اسے یہ پیشکش قبول ہے۔

حضرت سوہدہ کے والد ماجد نے کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائیں۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری پر زعمہ نے اپنی صاحبزادی سوہدہ سے نکاح کی اجازت طلب کی۔ ان کے مبارک الفاظ اس طرح ہیں:

ای سوہدہ وقعت هذه ان محمد بن عبد الله بن عبد المطلب

بخطبك، وهو كفو كريم الفتيين ان ازوجه. قالت نعم.

ترجمہ: اے جان پرور! یہ خولہ کہتی ہیں کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے تجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے، میرے نزدیک انتہائی عزت دار گھرانہ ہے، کیا تو راضی ہے کہ تیرا نکاح ان سے کر دوں؟ حضرت سوہدہ نے کہا، جی ہاں، میری رائے بھی یہی ہے۔

غرض اس طرح بحسن و خوبی اور خوش اسلوبی سے تمام مراحل طے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے گئے اور حضرت سوہدہ کے والد گرامی قدر نے نکاح پڑھایا اور چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔

نکاح ہو جانے کے بعد حضرت سوہدہ کے بھائی عبداللہ بن زعمہ، جو اس وقت تک دولت ایمان سے محروم تھے، آئے اور انہیں معلوم ہوا کہ سوہدہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا ہے تو آست سخت رنج ہوا۔ اور اپنے غم و الم کا اظہار سر میں خاک ڈال کر کیا۔ بعد ازاں جب وہ دولت ایمان سے سرفراز ہوئے تو ہماری زندگی اپنی اس حماقت پر انہوس کرتے اور کتب حسرت ملتے رہے۔ (۶۹)

و کانت ذات عبادة و ورع و زهادة. (۱۷)

ترجمہ: حضرت سیدہ سودة عبادت، تقویٰ اور زہد والی خاتون تھیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا۔ اس پر سیدہ سودة رضی اللہ عنہا نے اس سختی سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کو بھی نہ گئیں۔ فرمائی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں، اب رسول خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔ (۱۸)

سیدہ ابوبہرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد سب ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کے انتقال کے بعد کئی حج کیے، لیکن سیدہ زینبؓ بہت جیش اور سیدہ سودةؓ بہت رنج سے آپ ﷺ کے بعد کوئی حج نہیں کیا اور برابر گھر میں رہیں۔ اور فرمایا کرتی تھیں، ”بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد ہم اپنی جگہ سے نہیں ہلے گی۔“ (۱۹)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما من امرأة احب الي ان اكون في مساحتهما من سودة الان
فيها حدة تسرع منها. (۲۰)

ترجمہ: حضرت سودةؓ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی۔ ان میں صرف اتنی بات تھی کہ حراج میں تیزی تھی، جو ظاہر ہو جاتی تھی اور جلد پٹی جاتی تھی۔

ظرافت

ام المومنین سیدہ سودة رضی اللہ عنہا کے حراج میں ظرافت بھی تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھی ہنسنا دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ عرض کرنے لگیں کہ کل رات میں نے آپ ﷺ کے پیچھے نفل نماز پڑھی۔ ہاوجودیکہ میں ساتھ تھی، آپ ﷺ نے اتنا لمبا زکوع کیا، جس سے مجھے نکسیر پھوٹ جانے کا خوف ہوا اور میں نے اس ڈر سے اپنی ناک پکڑ لی۔ یہ سن کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ (۲۱)

حکم حجاب

عرب کے قدیم طرز کے مطابق عورتیں قضاہ حاجت کے لیے معرا کو جایا کرتی تھیں۔ سیدہ

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس بات کے خوار ہشتند تھے کہ عورتوں کے لیے پردہ کا حکم نازل ہو جائے، خصوصاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پردہ کے بہت ہی خواہاں تھے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے بغیر حکم جاری نہ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کی بیویاں بھی دیگر صحابیات کی طرح رات کے وقت قضاہ حاجت کے لیے جنگل جایا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ سیدہ سودة رضی اللہ عنہا قضاہ حاجت کو بارہی تھیں کہ راستے میں حضرت عمرؓ کا سامنا ہوا۔ سیدہ کے دراز قد ہونے کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے ان کو پہچان لیا۔ اگرچہ وہ کپڑوں میں اچھی طرح لپی ہوئی تھیں، پھر بھی تذکرہ سے پہچان ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے آواز دی، اے سودة! تم تمہیں پہچان گئے۔ اور ان کی خواہش یہ تھی کہ پردہ کا حکم نازل ہو جائے۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پردہ کا حکم نازل فرمادیا۔ (۲۲)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد ایک رات سیدہ سودة رضی اللہ عنہا قضاہ حاجت کے لیے نکلیں۔ راستے میں حضرت عمرؓ مل گئے۔ سیدہ سودةؓ دراز قد اور فربہ اندام تھیں۔ جو انہیں جانتا تھا، اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے پہچان لیا اور بولے، سودة! ہاں خدا کی قسم! آپ ہم سے اپنے آپ کو نہیں چھپا سکتیں۔ دیکھئے آپ کس طرح باہر نکلی ہیں۔ حضرت سودة رضی اللہ عنہا کو یہ بات ناگوار گزری۔ اس نے پاؤں وہاں سے واپس آگئیں۔

مرویدو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے حجرہ میں تشریف فرما تھے اور رات کا کھانا تادل فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کے دست مبارک میں اس گوشت کی ایک ہڈی تھی۔ حضرت سودةؓ نے داخل ہوتے ہی عمر کی شکایت کرتے ہوئے کہا، یا رسول اللہ! میں قضاہ حاجت کے لیے نکلی تو عمرؓ نے مجھے یہ باتیں کیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہو گیا اور تجویزی دیر بعد یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ اب بھی ہڈی آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی، آپ ﷺ نے اسے رکھا نہیں تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں قضاہ حاجت کے لیے باہر جانے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ (۲۳)

ساختہ ارتحال

ایک مرتبہ ازواج مطہرات بارگاہ رسالت چناہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ عرض کرنے لگیں، یا رسول اللہ! ہم میں سب سے پہلے کس کا انتقال ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

امس عن لحوقنا بی اطلو لکن ینذا۔

ترجمہ: تم میں سب سے پہلے وہ مجھ سے ملے گی، جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔

انہوں نے ظاہری ہاتھ کی لمبائی سمجھی۔ ہاتھ تاپے گئے تو سب سے زیادہ دراز ہاتھ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ لیکن جب سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ ﷺ کی مراد سخاوت اور فیاضی تھی۔ (۷۸)

امام ابن سعد (۲۴۰ھ) لکھتے ہیں:

توفیت سودة بنت زمعة بالمدينة في شوال سنة اربع و خمسين
في خلافة معاوية ابن ابي سفيان. (۷۹)

علامہ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بیان کی ہے۔ اور یہی قول علامہ ابن حجر عسقلانی نے ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے۔ اور لکھا ہے:

وبقال ماتت سنة اربع و خمسين، ووجهه الواقدي. (۸۰)

ترجمہ: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۵۴ھ میں وفات پائی، اور واقدی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن جوزی کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی وفات ۵۴ھ ہی ذکر کی ہے۔ اور آخر میں ابن خثیر کا قول بھی نقل کر دیا ہے:

توفيت في اخر خلافة عمر بن الخطاب والله تعالى اعلم. (۸۱)

اولاد

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پہلے شوہر سکران سے ایک لڑکا عبد الرحمن پیدا ہوا۔ انہوں نے جنگ جلولاء (فارس میں) جام شہادت نوش فرمایا۔ لیکن سر درد و عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ ﷺ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (۸۲)

مرویات حدیث

حزیم نبوت میں رہنے کی وجہ سے ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دن رات ارشادات نبوت سے مستفید ہوتی تھیں۔ تاہم کتب احادیث میں ان سے صرف پانچ احادیث مروی ہیں، جن میں سے بخاری میں صرف ایک حدیث ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا عبد اللہ بن زبیر، سیدنا یحییٰ بن عبد الرحمن بن زرارہ رضی اللہ عنہم نے ان سے روایت کی ہے۔ (۸۳)

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

نام حفصہ، والد کا نام عمر بن الخطاب۔ سلسلہ نسب یہ ہے، حفصہ بنت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالمزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن اوی۔

والدہ کا نام زینب بنت مضعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن نجح۔ سیدہ حفصہ کی والدہ محترمہ زینب، مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی حقیقی بھینس و ہمسر تھیں۔ (۸۳)

سیدہ حفصہ اور عبد اللہ بن عمر حقیقی بہن بھائی ہیں، یعنی دونوں کی والدہ حضرت زینب ہیں۔

ولادت باسعادت

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس وقت قریش بیت اللہ شریف کی تعمیر میں مصروف تھے۔ (۸۵)

ازدواجی زندگی

جب سیدہ جوان ہوئیں اور نسوانیت کامل ہوئی تو ان کا نکاح خنیس بن حذافہ بن قیس السہمی سے ہو گیا۔ ان کی خوش نصیبی کہ حضرت خنیس بھی ساتھیں اولین میں سے ہیں۔ یہ خنیس راۓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ”دارالارقم“ منتقل ہونے سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر مسلمان ہو گئے تھے۔

ہجرت

جب مسلمانوں پر قریش کے مظالم بڑھ گئے تو حضرت خنیس رضی اللہ عنہ بھی حبشہ ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہجرت کر گئے اور پھر مکہ مکرمہ لوٹے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ مدینہ منورہ ہجرت کی۔ وہاں رفاعہ بنت عبدالمذہب رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے، اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت ابوبکر بن جبر رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔

جب غزوہ بدر ہوا تو قبیلہ بنو سہم کے افراد میں سے صرف حضرت خنیس غزوہ میں شریک ہوئے۔ یہ بھی اللہ کا کلمہ بلند کرنے والے مجاہدین شہسواروں میں سے تھے، اور بے جگری سے لڑے اور شدید زخمی ہوئے۔ لیکن زخمی ہونے کے باوجود آخر دم تک لڑے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔ جب مسلمان مدینہ منورہ لوٹے تو حضرت خنیس دشمنوں کی تاب نہ لاتے ہوئے انتقال کر گئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا عین جوانی میں بیوہ ہو گئیں اور انہیں اپنے شوہر نامہ دار کی وفات کا شدید ترین ہوا، جس کے آثار ان کے چہرے کے حسن پر نمایاں تھے۔ لیکن انہوں نے صبر و استقامت اور ایمان کے ساتھ اس غم کو برداشت کیا۔ ان کے والد گرامی قدراُن کے پاس تشریف لاتے اور ان کے غم و الم کو بکا کرنے کی کوشش فرماتے اور اپنی محبت و شفقت سے ان کا دل بہاتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے احساس فراست اور شعور سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ بیٹی بڑی شان والی قرار پائے گی۔

حریم نبوی میں آمد

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا عبادت گزار اور متقی خواتین میں سے صاحب فضیلت خاتون تھیں، اور ان کا شمار ان پاکباز ائین والی صابر خواتین میں ہوتا تھا، جنہوں نے عبادت و ریاضت کے میدان میں بلند مثالیں قائم کیں۔

ان کے والد اپنی خدمت آتب صاحبزادی میں یہ صفات دیکھ کر بہت خوش بھی ہوتے، مگر ساتھ ہی اس کی نوعمری میں بیوی سے رنجیدہ خاطر بھی ہوتے۔ انہیں اپنے گرد و پیش حفصہ کے رہنے کے آدمی کی تلاش بھی تھی۔ بالآخر ان کی نظر انتخاب ایک ایسے مرد صالح پر پڑی جو سابقین الاولوں کی صفت سے متصف تھا (یعنی حضرت عثمان)، جو اپنی رفیعہ حیات حضرت رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اکیلے رہ گئے تھے۔ چنانچہ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ ان کے ہاں تعزیت کرنے اور ان کے غم و اندوہ کو بکا کرنے تشریف لے گئے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی بیٹی کی نسبت کی پیشکش بھی کر دی کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارا نکاح حفصہ سے کر دوں۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا، میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ دن انتظار کے بعد پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے تو انہوں نے بتایا کہ وہ فی الحال شادی کا ارادہ نہیں رکھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس جواب سے ملال ہوا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بھی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے رشتے کی بات کی۔ مگر وہ خاموش رہے اور جواب نہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے توجہی سے کچھ رنج ہوا۔ بعد میں خود سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی اور نکاح ہو گیا۔ کچھ روز بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے کہا، عمر! چند دن قبل تم نے مجھے حفصہؓ کے نکاح کی پیشکش کی اور میں تمہاری بات سن کر خاموش رہا اور تمہیں میری خاموشی، بلکہ بے اتفاقی ناگوار گزری۔ لیکن میرے جواب نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرمایا اور میں آپ ﷺ کے راز کو فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہؓ سے نکاح نہ کرتے تو پھر میں اس کے لیے آمادہ تھا۔ (۸۶)

ابن سعد وغیرہ کی روایت میں ہے:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جب خنیس بن حذافہ جبکہ بدر میں شہید ہو گئے تو میں نے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی لیکن انہوں نے میری اس درخواست کو قبول نہ کیا۔ میں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! میں نے عثمان سے حفصہؓ کے نکاح کی پیشکش کی، لیکن انہوں نے بے اتفاقی سے کام لیا اور میری پیشکش ٹھکرا دی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

”اللہ جل شانہ نے عثمانؓ کا نکاح حیرمی بیٹی سے بہتر عورت سے کر دیا اور حیرمی بیٹی

کا نکاح عثمانؓ سے زیادہ اچھے آدمی سے کر دیا۔“

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ پیشکش اس وقت کی جبکہ ان کی اہلیہ

حضرت سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تھا، اور ان دنوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش تھی کہ سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح ہو جائے۔ اس لیے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیشکش سے اعراض کیا تھا۔ چنانچہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حوالہ عقد میں لے لیا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔ (۸۷)

عبادت و ریاضت

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ان نیک سرشت اور پاک طبیعت عبادت گزار خواتین میں شمار ہوتی ہیں جو ہمہ وقت عبادت و ریاضت میں منہمک رہتی ہیں۔ سیدہ کثرت سے صوم و صلوة میں مشہور تھیں اور یہ دونوں صفات عبادت کی اعلیٰ اور اہم منزلیں ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان صفات کی حامل خواتین سے نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا، ”وین دار خاتون تلاش کرو۔“

ایک روایت میں ان کی عبادت گزاری کا یوں تعارف کرایا گیا ہے:

إِنَّمَا صَوَّافَةٌ قَوَّامَةٌ. (۸۸)

ترجمہ: سیدہ حفصہؓ صائمہ الزار اور قائم اللیل ہیں۔

دوسری روایت میں ہے:

عَاشَتْ حَفْصَةُ حَتَّى مَاتَتْ جُلُوزًا. (۸۹)

ترجمہ: حضرت حفصہؓ نے اس حال میں وفات پائی کہ روزہ سے روزے رکھتی جاتی تھیں۔

كَانَتْ صَابِغَةً. (۹۰)

ترجمہ: وہ نیکوکار خاتون تھیں۔

تفہد فی الدین

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو صحابہ نبویؓ سے علمی فیوض و برکات سے بھی وافر حصہ حاصل ہوا۔ سیدہ سے ۶۰ احادیث مروی ہیں جو انہوں نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد اکرم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سنی تھیں۔

سیدہ میں تعلیم کا ذوق بھی پایا جاتا تھا۔ اسی شوق کا اثر تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت شفاعد یہ رضی اللہ عنہا کو چھوٹی کے کانٹے کا منتر آتا تھا۔ ایک دن وہ آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ تم غصہ کو منتر سکھا دو۔ (۹۱)

تفصیل فی الدین کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے:

حضرت ام بشر انصار یہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت غصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، اس اثنا میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے گا جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی اور حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے حج سے بیعت کی۔ یہ سن کر سیدہ غصہ نے تعجب سے کہا، اچھا! (یہ آپ ﷺ نے کیسے فرمایا؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بات پر حیرت کر دیا۔

علمی فضیلت

ام المومنین سیدہ غصہ رضی اللہ عنہا علم فقہ میں اچھی شہرت کی مالک تھیں، اور ان ہی صفات نے انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑے محترم مقام پر فائز کر دیا تھا۔ ان کی فقیہی آراء کو معتبر مانا جاتا تھا۔

ام المومنین بے شمار صحابہ کے لیے علم حدیث کا مرکز و منبع تھیں۔ خود ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بیٹا اعمال کی تفصیلات دریافت کرتے رہتے تھے۔

امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ غصہ رضی اللہ عنہا کو ازواج مطہرات میں سے حفاظت قرآن کے لیے چنا تھا، اس لیے کہ یہ قرآن کی حافظہ بھی تھیں اور ممکن ہے کہ ان کی علمی برتری اتھو کی وزید اور عبادت، دریافت میں ممتاز ہونے کی وجہ سے ان کا انتخاب فرمایا ہو۔

قرآن کی حفاظت

ام المومنین سیدہ غصہ رضی اللہ عنہا کی اس امانت کا بار احسان مسلمانوں کی گردنوں پر قیامت تک رہے گا۔ جب بھی ہم تلاوت قرآن مجید سے لطف اندوز ہوں گے تو سیدہ کی اس قرآن پاک کی اپنے گھر میں حفاظت کی فضیلت یاد آتی رہے گی۔

یوں ہی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ احسان بھی ہمیشہ یاد رہے گا جس کی تحریک اور تجویز

پر امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قرآن مجید کو یکجا جمع کرنے پر آمادہ ہوئے۔ انہوں نے اس مشورہ سے اتفاق کیا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ تم جو ان، عقیل منداؤمی ہوا اور پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی رہ چکے ہو، لہذا اب قرآن کے متفرق اوراق تلاش کر کے جمع کرو۔

چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے چترے کے ٹکڑوں، تختیوں اور پتھروں پر لکھی متفرق آیات کو محنت، شائد اور عرق ریزی سے جمع کیا۔ اس طرح وہ صحیفہ امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ ان کے بعد امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس یہ امانت رہی۔ پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس عظیم امانت کی حفاظت کے لیے ام المومنین سیدہ غصہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب فرمایا، اور یہ نسیب انہی کے پاس محفوظ رہا، یہاں تک کہ جب دور عثمانی میں اس کی بقول کی ضرورت پیش آئی تو ان سے غلیظہ المسلمین نے وہ قرآن طلب فرمایا۔ اس سے دوسرے نسخے تیار کر لینے کے بعد سیدہ غصہؓ قرآن کی محافظہ — کو ان کا نسخہ واپس کر دیا۔

ام المومنینؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد یہ قرآن مجید میرے بھائی عبداللہ کی تحویل میں دے دیا جائے۔

سانچہ ارحمال

آخر وہ وقت آگیا جس سے کسی فرد بشر کو مغرب نہیں۔ زوجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین، حافظہ قرآن سیدہ غصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان المعظم ۳۵ھ میں ۶۰ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی۔ یہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس وقت کے والی مدینہ مروان بن الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنازہ کو کاندھا دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جنت البقیع میں لے گئے اور ان کے بھائی عاصم اور عبداللہ اور عبداللہ کے تین بیٹے، سالم، عبداللہ اور حمزہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے قبر کے سپرد کیا۔ (۹۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زینب حبیب اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں اور عبد اللہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ۳۵ برس نکاح فرمایا۔ (۹۲)

طبرانی کی روایت میں ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبابہ عقد میں آنے سے پہلے حمین یا طفیل بن الحارث کے نکاح میں تھیں۔ (۹۳)

عبد اللہ کی شہادت

حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ ۳ ہجری میں حضرت عبد اللہ نے غزوہ احد کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے پہلے یہ دعا مانگی تھی:

”اے خالق کون و مکان! مجھے ایسا مدد مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور غنیبناک ہو۔ میں تیری راہ میں لڑتا ہوں اُس کے ہاتھوں قتل کر دیا جاؤں، اور وہ میرے ہونٹ، ناک اور کان کاٹ ڈالے، تاکہ میں جب تجھ سے ملاقات کروں اور تو مجھ سے پوچھے، عبد اللہ! تیرے ہونٹ، ناک اور کان کیوں کاٹے گئے، تو میں عرض کروں، یا باری تعالیٰ! تیرے اور میرے رسول کے لیے۔“

بارگاہِ خداوندی میں اُن کی دعا کو شرف قبولیت نصیب ہوا اور ایک ہاتھ غیبی نے انہیں شہادت کی بشارت سنائی۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! اس دشمن سے لڑوں گا، حتیٰ کہ وہ مجھے قتل کر کے میری لاش کا مشد کرے گا۔“

معرکہ ہوا تو حضرت عبد اللہ بن جحش اس بے جگرگی سے لڑے کہ گوارہ نگارے ٹکڑے ہو گئی۔ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کعبہ کی ایک چھتری عطا فرمائی، جس سے انہوں نے تلوار کا کام لیا اور اسی حالت میں لڑتے ہوئے مقام شہادت پر فائز ہوئے۔ (۹۸)

حرمیم نبوی میں آمد

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہو جانے کے بعد جب ہندت مگر گئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لیے پیغام بھیجا تو انہوں نے اپنے معاملہ کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دے دیا۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔ مہر میں بارہ اوقیہ اور ایک نش عطا فرمایا۔

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

نام و نسب

نام زینب اور کنیت ”ام المساکین“ تھی۔

سلسلہ نسب اس طرح ہے: زینب بنت خزیمہ بن الحارث بن عبد اللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔ (۹۳)

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بڑی رحمدل اور جود و سخا کی حامل تھیں۔ فقر اور مساکین کو نہایت فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں انہیں ”ام المساکین“ کہا جاتا تھا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو غریبوں سے محبت اور اُن کے ساتھ ہم نشینی کی وجہ سے ”ابو المساکین“ کا خطاب دیا تھا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے اور اُن کے ساتھ ہمیشہ احسان و مروت کا معاملہ کرتے تھے۔ ابن شہاب زہریؒ سے روایت ہے، جب زینبؒ مردہ و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں تو اُس وقت بھی ان کی کنیت ”ام المساکین“ تھی۔ اور یہ کنیت اُن کی اس وجہ سے تھی کہ وہ فقر اور مساکین کو نہایت کثرت سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ (۹۴)

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سیدہ مہموندہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن تھیں۔ (۹۵)

بیوی

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا پہلے طفیل بن حارث کی بیوی تھیں۔ طفیل نے انہیں طلاق دے دی تھی۔ پھر طفیل کے بھائی عبیدہ بن حارث نے ان سے شادی کر لی۔ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر میں جام شہادت نوش فرمایا تو حضرت زینبؒ بیوہ ہو گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے رمضان المبارک میں غزوہ احد سے ایک مہینہ پہلے اور ہجرت کے اکتیس ماہ بعد ۳ھ میں نکاح فرمایا تھا۔ (۹۹)

سیدہ زینت رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خنساء بنت عمر رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد انہیں ازواج مطہرات کے زمرہ میں شامل فرمایا تھا۔ (۱۰۰)

ساختہ اوتحال

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بین غفوان شباب میں تیس سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر خلد بریں میں جا گزریں ہو گئیں۔ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بعد سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی زندگی میں انتقال فرمایا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں بہت تھوڑا عرصہ رہیں۔ (۱۰۱)

سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں رہنے کی مدت بعض روایات میں صرف دو ماہ اور بعض میں تین ماہ جبکہ بعض میں آٹھ ماہ بیان ہوئی ہے۔ لیکن سیرت نگار حضرات اور مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ وفات ربیع الثانی کی آخری تاریخوں میں ہجرت کے ۳۹ ماہ بعد ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔ ازواج مطہرات میں پہلی بیوی ہیں جو جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ (۱۰۲)

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

ہند نام اور کنیت ام سلمہ تھی۔ قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: ہند بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم۔

والدہ بنو فہر اس سے تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن جزل الطعان بن فارس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔ (۱۰۳)

ابو امیہ (حضرت ام سلمہ کے والد) مکہ مکرمہ کے مشہور مخیر اور فیاض شخص تھے۔ سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے۔ اس وجہ سے انہیں ”ذوالمراکب“ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ یوں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا حکیم مادر سے چاندی کا چھپے لے کر پیدا ہوئی تھیں اور ان ہی کی آغوش تربیت میں نہایت ناز و نعم سے پرورش پائی تھی۔ (۱۰۴)

نکاح

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے چچا زاد بھائی عبد اللہ بن عبد الاسد سے ہوا، جو ”ابو سلمہ“ ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ (۱۰۵)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بھئی کے بیٹے ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد کے نکاح میں تھیں۔ یہ ابو سلمہ آپ ﷺ کی چھوٹی بھئی ”برہ بنت عبد المطلب“ کے بیٹے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ (۱۰۶)

ابو سلمہ سے سیدہ ام سلمہ کے باں سلمہ، عمرہ، درہ اور زینب پیدا ہوئے۔

ہجرت حبشہ

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آغاز نبوت ہی میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان الائیں۔ مشرکین

کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر نہیں، بلکہ کفر و شرک کے فتنے سے گھبرا کر اپنے دین کو ایمان کے رہزنوں کی دستبرد سے بچانے کے لیے اللہ کی طرف بھاگنے والے پہلے گیارہ روکنی قافلہ میں شامل تھیں، جو رجب ۵ ہجری حبشہ کو روانہ ہوا۔ اسی قافلہ میں سیدہ ام سلمہؓ اپنے شوہر عبد اللہ کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھیں۔ حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کے بعد واپس مکہ مکرمہ آ گئے اور پھر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف دوسرے ہجرت کی سعادت حاصل کی ہے۔ (۱۰۷)

امام نووی لکھتے ہیں:

هما اول من هاجر الى الحبشه. (۱۰۸)

ترجمہ: دونوں میاں بیوی نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

ہجرت مدینہ

مورخین اور اہل بیت لکھتے ہیں:

”وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئیں۔“ (۱۰۹)

دوسری روایت کے مطابق حضرت عامر بن ربیع کی زوجہ مکرمہ لیلیٰ بخت شدہ پہلی عورت تھیں جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں۔ (۱۱۰)

بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابوسلمہؓ سب سے پہلے مہاجر تھے جو سرزمین مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ لیکن دوسری روایت میں اولیت کا سہرا سیدہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سر جتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ان روایات میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جب حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر انہیں اذیت کا ہدف بنایا۔ اس پر ان کا مدینہ آگیا مشرکین کے خوف سے تھا۔ مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا، لیکن اس کے برعکس حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب مدینہ تشریف فرما ہوئے، اس وقت مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا، اس لیے ان دونوں روایات میں کوئی تضال نہیں ہے۔ (۱۱۱)

ہر کیف حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مدینہ منورہ پہنچے۔ یہ حرم کی دوسری تاریخ تھی۔ خاندان محمد بن عرف نے انہیں پورے دو ماہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف

آدھی تک اپنا مہمان رکھا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول میں مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ (۱۱۲)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے۔ حضرت ام سلمہؓ اپنے شوہر ابوسلمہؓ کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں۔ ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا۔ لیکن ام سلمہؓ کے قبیلہ نے مزاحمت کی اور کہا کہ ابوسلمہؓ کیلئے مدینہ جاسکتے ہیں لیکن ہم اپنی بیٹی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی اور بچے کو مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے۔

ام سلمہؓ بچے کو گود لیے گھر واپس آئیں۔ ابوسلمہؓ کے گھر والے ام سلمہؓ سے شیر خوار بچے کو بھی چھین کر لے گئے۔ اب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا عجیب کرب اور اضطراب میں مبتلا ہو گئیں۔ شوہر ابوسلمہؓ مدینہ چلے گئے، لخت جگر شیر خوار سلمہ اپنی دوھیال میں، اور ام سلمہؓ بے یار و مددگار اپنے گھر میں رہ گئیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ بات انتہائی تکلیف دہ تھی۔ خاوند کی جدائی کے ساتھ بچے کی جدائی نے سیدہ کو اضطراب و سہمی میں مبتلا کر دیا۔

چنانچہ سیدہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ”اٹھ“ کے مقام پر بیٹھ کر رویا کرتی تھیں۔ سات آٹھ روز تک یہی حالت زار رہی، لیکن خاندان کے لوگ بس سے کس تک نہ ہوئے۔ آخر ایک دن اٹھ سے ان کے خاندان کا ایک آدمی سیدہ کے پاس سے گزرا۔ انہیں روتے دیکھا تو اُس کا دل بھر آیا اور اُس کے دل میں ام سلمہؓ کے لیے دم کے جذبات پیدا ہوئے۔ گھر آ کر اُس نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا، اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو اسے مدینہ جانے دو اور اس کا بچہ بھی اس کے حوالے کر دو۔

لوگوں نے اس کی بات مان لی اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ان کا بچہ دے کر مدینہ روانگی کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ اپنے لخت جگر کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہوئیں اور مدینہ منورہ کا راستہ لیا۔

چونکہ سیدہ کے ساتھ کوئی مرد نہ تھا، بلکہ بالکل تنہا تھیں، لیکن دیار حبیب کا شوق انہیں کشاں کشاں لیے جا رہا تھا۔ جب صحیحہ کے مقام پر پہنچے تو کلید بردار کعبہ عثمان بن مظعون، جو اس وقت تک دائرہ اسلامی میں داخل نہیں ہوئے تھے، کی نظر پڑی۔ عثمان نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا،

کیونکہ ان کے شوہر ابوسلمہؑ سے ۱۱۰ کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ عثمان نے پوچھا، کدھر کا ارادہ ہے؟ ام سلمہؑ نے کہا، مدینے کا۔ عثمان نے پوچھا، کوئی ساتھ بھی ہے؟ سیدہ سلمہؑ نے کہا، بس خدا اور یہ بچے۔ عثمان نے کہا، یہ نہیں ہو سکتا کہ تم تنہا بغیر کسی مرد کے چلی جاؤ۔ یہ کہہ کر عثمان بن طلحہ نے اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ عثمان راستہ میں اگر کہیں ٹھہرتا تو اونٹ بٹھا کر خود ڈور کھینچ دیرت کے نیچے چلا جاتا اور میں نیچے اتر جاتی۔ اور جب روانگی کا وقت ہوتا تو اونٹ پر کچا وہ رکھ کر ڈور بٹھ جاتا اور مجھے کھتا، سوار ہو جاتا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے ساری زندگی میں ایسا شریف آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ اس طرح مختلف منازل پر قیام کرتا ہوا وہ مجھے مدینہ لایا۔ جب قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو کہنے لگا اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ، وہ یہیں قیام پذیر ہیں۔ سیدہ ام سلمہؑ اُدھر روانہ ہوئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا۔ (۱۱۳)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ایک مرتبہ میرے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ گھر میں آئے اور کہا کہ آج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی حدیث سن کر آیا ہوں جو میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ "إِنَّا لِلّٰہِ وَإِلَیْہِ رَاجِعُونَ" پڑھے، اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ اَخْشِیْتُ مَصِیْبَتِیْ هٰذِہٖ، اَللّٰهُمَّ اَخْلَفْنِیْ فِیْہَا بِخَیْرِ مِثْلِہَا۔ (۱۱۴)

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے اپنی اس مصیبت میں اجر کی امید رکھتا ہوں۔ اے اللہ! تو مجھے اس کا نعم البدل عطا فرماتا۔

بعض روایات میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ اَخْشِیْتُ مَصِیْبَتِیْ فَاَجْرِئْنِیْ فِیْہَا وَابْدِلْ لِّیْ بِہَا خَیْرًا مِّثْلِہَا۔ (۱۱۵)

یہی

غزوہ احد میں سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے بڑی بے جگری، جاں بازی اور شوق شہادت

سے مر شمار ہو کر قتال میں حصہ لیا۔ اسی موقع پر انہیں بہت گہرا زخم لگا، جو کچھ دنوں میں ٹھیک ہو گیا اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ صحت یاب ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بخواسد سے جہاد کرنے والی جماعت کا امیر بنا کر بھیجا۔ اس جنگ میں ان کا پرانا زخم پھر ہرا ہو گیا اور اُس کی شدید تکلیف ہونے لگی۔ اور اسی زخم کی وجہ سے ۸ جمادی الآخر ۳۳ھ کو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔ اور یہی جہود کا قول ہے۔ (۱۱۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عین حالب نزع میں میادوت کے لیے تشریف لائے تھے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی روح دیدار جمال کی منتظر تھی۔ ادھر آپ تشریف فرما ہوئے اور ادھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا۔ آپ ﷺ نے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا:

”انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اُس کی آنکھیں اس کے دیکھنے کے لیے کھلی رہ جاتی ہیں۔“

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے مغفرت فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَّابِیْ سَلَمَۃٍ وَّارْفَعْ ذَرَجَتَہٗ فِی الْمَقْبُرَتِیْنِ وَاَخْلِفْ فِیْ غَیْبِہٖ فِی الْمَغَابِرِیْنِ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ یَا رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَاَسْحَ لَہٗ فِی قَبْرِہٖ وَتَوَرَّ لَہٗ فِیْہِ۔

ترجمہ: اے اللہ! ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرما اور ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کا درجہ بلند فرما اور اس کے پس ماندگان کا حاکم بن جا اور ہماری اور اس کی بخشش فرما۔ اے رب العالمین! اور اس کی قبر کشادہ فرما اور اسے منور فرما دے۔

ایک روایت میں ہے، جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی کہ ابوسلمہ انتقال کر گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم اس طرح دعا کرو:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِّیْ وَلَہٗ وَاغْفِرْ لِّیْ مَنۡہُ عَقِبِیْ حَسَنَۃً۔

ترجمہ: اے اللہ! میری مغفرت فرما اور اُن کی بھی اور مجھے اُن کا اچھا جائزین عطا کر۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق دعا کی:
 اللَّهُمَّ إِنِّي اللَّهُ مِنْهُ خَيْرُ لِي مِنْهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۱۱۷)

ترجمہ: تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ان سے بہتر جانشین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو تو یہ وہم بھی نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکاح کریں گے۔ ان کا تجربہ یہی تھا کہ حضرت ابوسلمہ سے بہترین خاوند نہیں۔ انہوں نے دعا تو کر لی مگر جی میں یہ خیال تھا کہ اس کی قبولیت کی کیا صورت ہوگی؟ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو لفظ بلفظ قبولیت بخشی اور وہ ازواجِ مطہرات میں داخل ہو گئیں۔

سیدہ کہتی ہیں:

أَيُّ الْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ مِنْ أَبِي سَلَمَةَ أَوَّلَ بَيْتٍ هَاجَرَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۱۱۸)

ترجمہ: ابوسلمہ سے بہتر کون مسلمان ہو سکتا ہے، یہ پہلا گھرانہ تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔

حرمِ نبوی میں آمد

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو مجھے وہ حدیث یاد آئی کہ جس کو وہ مجھ سے بیان کرتے تھے۔ اور میں نے دعا شروع کی تو جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوند! مجھے ابوسلمہ سے بہتر جانشین عطا فرما، تو دل کہتا کہ ابوسلمہ سے بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے یہ دعا اٹکا شروع کر دی تو اللہ رب العزت نے ابوسلمہ کا جانشین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا دیا۔ (۱۱۹)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں۔ جب وضع حمل کے بعد عدت گزر گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ لیکن سیدہ نے انکار کر دیا۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے لیے پیغام نکاح دیا، لیکن ام سلمہ نے انہیں بھی انکار کر دیا۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر آئے تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو قبول کرنے میں مجھے چند عذر ہیں:

- ۱۔ میں بہت غیرت مند ہوں (جس کی وجہ سے سو کنوں کے ساتھ رہنا مشکل ہوگا)۔
 - ۲۔ میں عیال دار ہوں، یعنی یتیم بچے بھی ہیں۔
 - ۳۔ میری عمر زیادہ ہو گئی، یعنی اب مجھ سے اولاد پیدا نہ ہوگی۔
 - ۴۔ میرا کوئی ولی بھی نہیں۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

- ۱۔ جہاں تک مزاج میں غیرت زیادہ ہوئے کا تعلق ہے، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا، تمہاری غیرت والی بات جاتی رہے گی۔
 - ۲۔ تمہارے بچوں کا اللہ حافظ ہے۔ ان کی پرورش میں تمہیں کوئی دشواری نہ ہوگی۔
 - ۳۔ میری عمر تم سے زیادہ ہے، یہ کوئی عذر نہیں۔
 - ۴۔ رہا معاملہ ولی کا تو تمہارا کوئی ولی میرے ساتھ رشتہ دہانے کو ناپسند نہیں کرے گا۔
- اس پر حضرت ام سلمہ نے کہا، اے عمر! اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دو۔

ایک روایت میں ہے:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب میری عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاں تشریف فرما ہونے کی اجازت چاہی۔ میں اس وقت ایک چڑے کو پکانے کے لیے رنگ دیتے میں مشغول تھی۔ میں نے قرط کے چوں سے رنگین ہاتھ دھو لیے اور آپ ﷺ کو تشریف لانے کو کہا اور آپ ﷺ کے لیے ایک گدا بچھا دیا۔ آپ ﷺ اس پر تشریف فرما ہوئے اور مجھے اپنے لیے نکاح کا پیغام دیا۔ جب آپ ﷺ کی بات پوری ہو گئی تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مجھے آپ ﷺ سے رغبت نہ ہو، لیکن میں سخت غیرت مند ہوں، مجھے شہ ہے کہ اگر مجھ سے کوئی کو تاہی سرزد ہو جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نہ آجائے۔ اور میں بہت عمر رسیدہ ہو چکی ہوں اور میرے بچے بھی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جہاں تک تیری تازگہ مزاجی اور رشک کا تعلق ہے، سو اللہ تعالیٰ اسے تجھ سے دور کر دے گا۔ رہا معاملہ کبر سن کا تو میں تجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہوں۔ اور تیرا بچوں کے لیے فکر مند ہونا تو اب وہ تیرے بچے نہیں بلکہ اب میرے بچے ہیں۔ چنانچہ میں نے

اپنا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا۔
ام سلمہ رضی اللہ عنہ کتنی ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر مجھے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم عطا فرمادیے۔ (۱۲۰)

یوں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا امہات المؤمنین میں شامل ہو گئیں۔

فضل و کمال

اگرچہ تمام ازواج مطہرات علمی حیثیت سے بلند مرتبہ کی حامل تھیں، تاہم ام المومنین سیدہ
عائشہ صدیقہ طاہرہ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہیں یگانہ و فرزانہ تھیں۔ چنانچہ محمود بن لبید
فرماتے ہیں:

كان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحفظن من حدیث النبی
صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا، ولا مثلاً لعائشۃ و ام سلمۃ۔ (۱۲۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات احادیث نبوی کا مخزن تھیں۔ تاہم
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اُن میں کوئی حریف و مقابل نہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ازواجی رشتہ قائم ہو جانے کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ
عنہا نے آپ ﷺ کی مصاحبت کو غنیمت جانا اور براہِ آپ کے ملفوظات و ارشادات کو محفوظ کرتی
رہیں اور آپ ﷺ سے سوالات کر کے اپنے علم کو پروان چڑھاتی رہیں۔ پھر اس علم کی نشر و
اشاعت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ
وسلم سے حدیث سننے کا بے حد شوق تھا۔ ایک مرتبہ بال گوندھ رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم خطبہ کے لیے (مسجد نبوی میں) کھڑے ہوئے۔ زبان مبارک سے نکلا ہی تھا، ایہما الناس
(اے لوگو!)، تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سن لیا (کیونکہ ازواج مطہرات کے حجرے مسجد
نبوی سے ملے ہوئے تھے)۔ آواز سننے ہی بال باندھ کر کھڑی ہو گئیں اور پورا خطبہ نہایت توجہ
سے سنا۔ (۱۲۲)

علمی ذوق

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو مسائل کی جستجو دامن گیر رہتی اور اکثر و بیشتر رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کر کے اپنے علم میں اضافہ کرتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اپنے سر کی سینڈھیاں بہت سختی سے بانٹھتی ہوں
تو کیا غسلِ جنازہ کے لیے انہیں کھول لیا کروں؟ (تاکہ بالوں کی جڑیں تر ہو جائیں) پھر
سارے بدن پر پانی بہا لیا کروں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، سینڈھیاں کھولنے کی ضرورت نہیں۔ تین
مرتبہ اچھی طرح سر پر پانی بہا لیا کرو۔ (۱۲۳)

مسئلہ یہ ہے کہ عورت کو غسلِ جنازہ میں سر کے بالوں کی جڑوں کو تر کرنا فرض ہے۔ اگر
سینڈھیاں بندھی ہوں تو سارے بالوں کو بھگوننا فرض نہیں، جلد تک اچھی طرح پانی پہنچانا
ضروری ہے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وعائیں
اور فرمایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ پڑھا کرو:

اللہم ان هذا اقبال لیلک و ادبار نیارک و اصوات دعائک
فاغفر لی۔ (۱۲۴)

ترجمہ: اے اللہ! یہ تیری رات کے آنے اور دن کے جانے اور تیرے بلانے کی آواز کا
وقت ہے، سو مجھے بخش دے۔

ساختہ ارتحال

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سبب وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں سن وصال ۵۸ھ بیان کیا ہے۔ جبکہ واقدی کی
روایت میں ۵۹ھ میں انتقال ہوا۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ سیدہ کا ۶۱ھ میں انتقال ہوا، جب سیدنا امام حسینؑ کی شہادت کی خبر
پہنچی تھی۔ اور ابو نعیم کہتے ہیں ۶۲ھ میں انتقال ہوا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب
"الاصابہ" اور "تقریب" میں اسی قول کو رائج قرار دیا ہے۔ (۱۲۵)

ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ عمر سیدہ ام سلمہ نے پائی اور تمام ازواج کے بعد اُن کا
انتقال ہوا۔ وصال کے وقت آپ کی عمر مبارک ۸۳ سال تھی۔

امام ابن سعد فرماتے ہیں، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور البور صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ شوال کے آخری دنوں میں ۳۷ کوہ وا اور ذی قعدہ ۵۹ھ میں انتقال فرمایا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز چنانہ پڑھائی۔ سیدہ کے پہلے شوہر کے دو بیٹوں، عمر اور سلمہ نے، اور عبداللہ بن عبداللہ بن ابی امیہ اور عبداللہ بن وہب بن زمعہ نے قبر میں اتارا، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (۱۲۶)

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام و نسب

نام زینب، کنیت ام الحکم، قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں۔

سلسلہ نسب یہ ہے: زینب بنت جحش بن ریاب بن یحمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دووان بن سعد بن خزیمہ۔

والدہ کا نام امیہ تھا جو عبدالطلب کی صاحبزادی تھیں۔ اس رشتہ سے سیدہ زینب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی بیوی بھی زاد بہن تھیں۔ (۱۲۷)

سیدہ زینب کا پہلے نام ہسرتھا، پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کر کے زینب نام رکھا۔ امام بخاری نے ہسرتھا کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثت نبوی سے ۳۳ سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہوئی، بیسوی ۵۹۰ تھا۔ قبیلہ بنو اسد خزیمہ میں پیدا ہوئیں اور بڑے ناز و نعم، عزت و جمال اور حسب و نسب کے فخر کے ساتھ ان کی پرورش ہوئی۔

اسلام

جب مکہ مکرمہ اسلام کی منظر ہوا تو اس سے جہک رہا تھا، اور غفلت اور باشعور لوگ جاہلیت کے گھمٹا نوپ اندھیروں سے نجات کے متلاشی تھے اور سعادت مند لوگ دعوت اسلام قبول کر کے رب کی رضا حاصل کر رہے تھے، انہی ایام میں عبداللہ بن جحش نے بھی داعی اسلام کو بلبل کہا۔ اس وقت تک سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔

ان کے ساتھ جلد ہی ان کا خاندان بھی حلقہ گروش اسلام ہو گیا تھا، اور ان کی بہن زینب بھی ان ایمان لانے والوں میں شامل تھیں۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں:

کانت قدیمة الاسلام.

ترجمہ: آپ قدیم الاسلام تھیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ایک پُر خلوص، پاکباز دل کی مالک تھیں۔ اندھی جاہلیت سے متنفر تھیں۔ دل و جان سے اللہ جل مجدہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسلام میں اتنی بھلے غایت ہوئیں کہ عورتوں کی دنیا میں ورع، تقویٰ، سخاوت اور بھلائی کے اعتبار سے سردار قرار پائیں۔

ہجرت

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا قرآنی فیوض سے لطف اندوز ہوتی رہیں اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے سرد تھیں۔ لیکن قریش کا دستِ ستم بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ ان کے ظلم و جور سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا۔ انہوں نے دوسری مرتبہ ہجرت حبشہ کے موقع پر اپنے تمام خاندان یعنی دو بھائیوں (ابو احمد، عبید اللہ)، تین بہنوں (زینب، ام حبیبہ، حمنہ بنت جحش) اور عبد اللہ کی بیوی (ام حبیبہ بنت ابوسفیان) کے ساتھ ہجرت کی۔

عبید اللہ نے حبشہ میں نصرانیت اختیار کر لی اور وہیں پیوندِ خاک ہوا۔ حضرت عبد اللہ بن جحش اپنے بقیہ خاندان کو واپس مکہ لے آئے اور پھر مکہ مکرمہ سے اپنے قبیلہ بنی غنم بن دودان کے تمام افراد کو، جو سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، ساتھ لے کر مدینہ منورہ ہجرت کی۔

میں صوف نے اپنے کنبہ قبیلہ کے لوگوں سے مکہ مکرمہ خالی کر دیا۔ محلہ کا محلہ بے رونق ہو گیا اور بہت سے مکانات موقوف ہو گئے۔ بنو جحش نے حضرت عبد اللہ بن جحش کی قیادت میں ہجرت کی۔ اس پاک باز قافلہ میں ابو احمد، جحش، جو مینائی سے محروم ہو چکے تھے، محمد بن عبد اللہ بن جحش اور خاندان کی خواہش میں سے زینب بنت جحش، حمنہ بنت جحش یعنی مصعب بن عمیر کی زوجہ اور ام حبیبہ بنت جحش، جو حضرت عبد الرحمن بن عوف کی زوجہ مکرمہ تھیں، شامل تھے۔ (۱۲۸)

ابوسفیان نے بنو جحش کے تمام گھروں پر قبضہ کر لیا۔ جب عبد اللہ بن جحش نے ہار گاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا، عبد اللہ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان گھروں کے بدلے تمہیں جنت کے اعلیٰ ترین گھر عطا فرمائے۔ انہوں نے عرض کی، ہم راضی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ تمہیں ضرور ملیں گے۔

نکاح

ارشادِ باری ہے:

إِنَّ أَخْوَجَ مِنْكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتِّفَاقُكُمْ. (سورۃ الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ آدمی ہے جو زیادہ متفق ہے۔

اسلام کے اولین مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ لوگوں کے درمیان عصبيت، جاہلی غیرت اور رنگ و نسل کے امتیازات مٹا دیے جائیں اور فضیلت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ کے پیمانے سے لوگوں کے درمیان عملی مساوات کو فروغ دیا اور اس بے مقصد طبقاتی فرق کو پامال کرتے ہوئے آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کا پیغام دیا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدہ زینب کا سیدنا زید سے نکاح کر دینے میں یہ مصلحت بھی تھی کہ آپ سیدہ کو ان کے ذریعہ کتاب و سنت کی تعلیم سے بہرہ یاب کرانا چاہتے تھے۔

سیدہ زینب سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بیوی تھیں اور نہایت شریف اور معزز خاندان سے تعلق تھا۔ جبکہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ موالی (یعنی آزاد کردہ غلام) سے تھے۔ اور عرب میں دستور تھا کہ کسی آزاد کردہ غلام سے نکاح باعہتِ نکاح و عار سمجھا جاتا تھا۔ سردارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ کو اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کا بیٹا دیا تو سیدہ زینب اور ان کے بھائی عبد اللہ نے صاف انکار کر دیا، اور اس رشتہ پر راضی نہ ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ زید بنی اور خاندانی حیثیت سے کم ہیں اور زینب اعلیٰ خاندان سے ہیں۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا الْمُؤْمِنَاتِ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا.

(سورۃ الاحزاب: ۳۶)

ترجمہ: اور کام نہیں کسی ایمان دار مرد و عورت کا، جب ٹھہرا دے اللہ اور اس کا رسول کچھ کام کہ ان کو لیے اختیار اپنے کام کا اور جو کوئی بے حکم چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے سوا وہ بھولا صریح چوک کر۔

اس آیت میں مومن سے مراد عبداللہ بن جحش اور مومنہ سے سیدہ زینبؓ مراد ہیں۔ یعنی کسی مومن اور مومنہ کے لیے یہ زینبؓ تھیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اس پر راضی نہ ہوں۔ اس کے بعد سیدہ زینبؓ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کی ہمت نہ کر سکیں۔ انہوں نے اس فیصلہ کے سامنے ہر تسلیم کر دیا اور ان کا نکاح زید بن حارثہ سے ہو گیا۔

یہ ایک عظیم الشان طرہ افتخار تھا جو سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے دستار فضل پر نصب ہوا۔ لیکن یہ بیوہ نہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ یہی وہ خاندانی عدم توازن نے دونوں کے سطح مزاج میں نشیب و فراز پیدا کر دیا۔ سیدنا زیدؓ نے دربار نبوت میں ناموافقیت مزاجی اور زینبؓ کی بے اعتنائی کی شکایت کی۔ اور عرض کرنے لگے کہ میں نہ نہ نکاح کو طلاق دے دیتا ہوں۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری خاطر سے تم نے اس تعلق کو قبول کیا ہے، اس لیے اب چھوڑنے میں ذلت و رسوائی ہوگی اور مجھے خاندان میں ندامت اور شرمندگی ہوگی۔ لیکن اللہ جل مجدہ کی جانب سے زیدؓ اور زینبؓ کی زندگی میں پہنچی ٹھنک ٹھنک ہوئی تھی اور جدائی ان کی ازدواجی زندگی کا مقدر تھی۔ اس میں اللہ جل شانہ کی حکمت یہ تھی کہ وہ ”حتمی“ کے جاہلی اصول و قواعد کا قلع قمع کر دے۔

جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ ان سے اُکٹا گئے اور بہت تنگ ہو گئے تو پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے پھر بھانے کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ بھی اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ طلاق کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ بالآخر طلاق کی اجازت دے دی اور حضرت زیدؓ نے طلاق کے ذریعہ اپنا ازدواجی تعلق منقطع کر لیا۔

حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں، جب بار بار یہ جھگڑے اور تشیئے پیش آتے رہے تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دے دی تو زینبؓ کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ یہ لوگ یہ طعنے دیں گے کہ اپنے بیٹے کی جو رو کو گھر میں رکھ لیا، یعنی اس سے نکاح کر لیا۔

حالانکہ لے پا لک، یعنی ”صحیح“ کسی طرح بیٹے کے حکم میں نہیں۔ اور عرب میں مدت سے یہ ایک بڑا دستور چلا آ رہا تھا کہ جس کو منہ بولا بیٹا بنالیں، اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کو

نایت درجہ محبوب سمجھتے تھے۔

خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس رسم بد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور عمل سے توڑ دیں۔ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی آسمانی مطلع کر دیا گیا کہ زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد زینبؓ آپ ﷺ کی زوجیت میں آئے گی، تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ نہ بولے بیٹے کی بیوی کا وہ حکم نہیں جو مسلم بیٹے کی بیوی کا حکم ہے۔

غرض یہ کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا گیا کہ زینبؓ آپ کے نکاح میں آئے گی۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بد باطنوں کے طعن و تشنیع کے خیال سے، کہ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے حتمی کی جو رو سے نکاح کر لیا، شرم کے مارے اس پیشین گوئی کو کسی پر نکال نہیں فرمایا، بلکہ اس کو دل میں ہی پوشیدہ رکھا۔ اور خیال کیا کہ خدا کی خبر یا کھل حق اور صدق ہے اور وقت آنے پر خود نکال دیا جائے گی۔

نیز خدا تعالیٰ کی طرف سے فی الحال اس پیشین گوئی کے اظہار اور اعلان کا بھی کوئی حکم اور اشارہ نہ تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اس امر کو کوئی کوتاہی میں محسوس نہ کیا اور تشریحی طور پر زیدؓ کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ زینبؓ کو طلاق نہ دینا، اس لیے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ شوہر کو یہی مشورہ دیا جائے کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور بیوی کی بے اعتنائی اور چیرہ دستی پر صبر کرو۔

اگر کسی کو بذریعہ وحی اور الہام یہ معلوم ہو جائے کہ نکوئی طور پر آئندہ چل کر یہ ماجرا پیش آنے والا ہے اور قضاء و قدر میں یہ قدر ہو چکا ہے تو فی الحال تشریحی حکم کا اجراع کرنا ہوگا، قضا و قدر اپنے وقت پر خود ظاہر ہو جائے گی۔ (۱۲۹)

حرم نبویؐ میں آمد

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدہ زینبؓ رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو حکم دیا، تم خود جا کر زینبؓ سے میرے نکاح کا پیغام دو۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے نکاح کا پیغام لے کر سیدہ زینبؓ کے در و دولت پر حاضر ہوئے۔ سیدہ اس وقت آٹا گوندھنے میں مشغول تھیں۔

سیدنا زیدؓ محض اس خیال سے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کی خواہش کا اظہار فرمایا ہے، اس لیے قہراً زینبؓ کو دیکھنا بھی سوئے ادب سمجھا، اس لیے ان کی طرف پیشگی

اور دوسری طرف منکر کے کھڑے ہوئے، اور جو کچھ کہتا تھا، عرض کیا (حالانکہ ابھی تک پردہ اور حجاب کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ اُن کے تقویٰ اور ورع کے کمال کا اظہار تھا)۔ اور عرض پر دراز ہوئے، اے نبیؐ! مبارک ہو! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے، وہ آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ (۱۳۰)

عرش بریں پر نکاح

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک میں اپنے پروردگار عزوجل سے مشورہ، یعنی استخارہ نہ کر لوں۔ اسی وقت انھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لیے مخصوص کر رکھی تھی وہاں مشغول استخارہ ہو گئیں۔ چونکہ سیدہ نے اس معاملہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا، خدا نے عزوجل سے مشورہ چاہا اور اُسی سے خیر کی طلبگار ہوئیں، کیونکہ وہی ایمان والوں کا ولی ہے، اس لیے اللہ رب العزت نے اپنی خاص ولایت سے آسمانوں پر فرشتوں کی موجودگی میں بغیر کسی ولی اور گواہ کے سر درو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کروایا۔

آسمانوں میں تو اعلان ہو ہی گیا تھا، اب زمین پر بھی اس کے اعلان کی ضرورت تھی۔ چنانچہ جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوا:

فَلَمَّا قُضِيَ زَيْنَبُهَا وَطَرًا وَوَجَدَهَا. (سورۃ الاحزاب: ۳۷)

ترجمہ: پس جب زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے (اور اُن کو طلاق دے دی) تو اسے نبی کریم! ہم نے زینب کا نکاح آپ سے کر دیا۔

اس کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور بلا اذن داخل ہوئے۔ (۱۳۱)

ایک روایت میں ہے کہ سر درو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما ہوئے تو انہوں نے عرض کیا، کیا یہ آسمانی حکم سے نکاح ہوا ہے؟ پھر کیا یا رسول اللہ! بغیر خطبہ اور گواہ کے نکاح ہو گیا ہے؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ المزوج، و جبریل الشاهد. (۱۳۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نکاح خواں اور فرشتے گواہ تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ کے چہرہ انور پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، کون ہے جو زینب کو یہ بشارت سنا دے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر میرے ساتھ اُس کا نکاح کر دیا ہے۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ... أَلَيْسَ آخِرُهُ.

آپ ﷺ نے آخر تک یہ آیتیں پڑھ کر نہیں سنائیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیتیں تلاوت فرما چکے تو مجھے خیال آیا کہ حضرت زینب پہلے ہی حسین و جمیل تھیں، اور اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں کہ رسول ﷺ کے ساتھ اُن کا عقد ہو گیا۔

ولیمہ

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ جل مجدہ نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا تھا اور پھر اس کے متعلق قرآنی آیات بھی نازل فرمائیں، اس لیے سر درو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا تھا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا، جس قدر سیدہ زینب بنت جحش کے ولیمہ میں فرمایا۔ آپ ﷺ نے ایک بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کو مدعو کیا اور پیسے بھر کر لوگوں کو گوشت روٹی کھلائی۔

لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی بیٹھے باقیں کرتے رہے، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت حیا کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہ فرمایا لیکن مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تاکہ وہ کچھ جائیں۔ آپ ﷺ حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لے گئے اور فرمایا، السلام علیکم اهل البیت و رحمۃ اللہ۔ سیدہ نے جواب میں عرض کیا، و علیک و رحمۃ اللہ۔ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو مبارک باد دی۔ یکے بعد دیگر تمام ازواج کے حجرہوں میں تشریف لے گئے اور سب سے اسی طرح کلام فرمایا۔ اور یہ آیتیں نازل ہوئیں: (۱۳۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ

غَيْرِ نَظِيرِ إِنَّهُ لَا وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْصَرِفُوا

وَلَا مُتَعَابِينَ لِحَدِيثٍ إِذْ كَانَ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيُّ فَيَسْتَحْيِي
بِكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْخِي مِنَ الْحَقِّ إِذَا تَنَزَّلُوا مِنْهَا
فَاسْتَلَوْهُمْ مِنْ دُونِهِ حَتَّى أَطْفَرُوا بِقُلُوبِهِمْ وَقُلُوبِهِمْ
(سورۃ الاحزاب: ۵۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ داخل ہو، مگر جب تمہیں اذن دیا جائے،
کھانا کھانے کے لیے اس حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو، لیکن تم کو بلایا جائے کہ اب کھانا
تیار ہو گیا ہے تو آ جاؤ، اور جب کھانا کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اُنھ کو چلے جاؤ اور باتوں میں نہ
لگ جاؤ، اور وہ کہنے سے شرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو حق بات کہنے میں کوئی حجاب نہیں۔ اور اگر تم
یہودیوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، اس میں تمہارے دلوں اور اُن
کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب
رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو میری والدہ ام سلمہ نے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ میں
خالہ بنتی تھیں) سمجھو، گھٹی اور پتھر سے نہیں (ایک خاص قسم کا حلیہ) تیار کیا اور میرے ہاتھ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، اور کہا عرض کرنا کہ یہ میری والدہ نے بھیجا ہے، وہ آپ ﷺ
کی خدمت میں سلام کہتی ہیں اور عرض کرتی ہیں، ہماری طرف سے یہ قلیل سا ہدیہ ہی قبول
فرمائیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہ مالیدہ کا طشت لے کر سیدہ عالم صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی والدہ محترمہ کا سلام عرض کیا اور یہ بھی کہا کہ یہ ہماری طرف سے
تقلیل سا ہدیہ ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے رکھ دو۔ پھر ارشاد فرمایا، جاؤ اور فلاں فلاں کو
لانا لاؤ، اور جو بھی آدمی راستے میں ملے اسے بھی بلاؤ۔ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کے نام بھی لیے۔
چنانچہ جن کے نام لیے وہ بھی اور جو راستے میں ملا اسے بھی آپ ﷺ کی طرف سے دعوت دیتا گیا۔
جب وہ سب آ گئے، راوی حدیث کہتے ہیں، حضرت انسؓ سے پوچھا گیا، ان کی تعداد کتنی
تھی؟ تو انہوں نے بتایا، تین سو تھی۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انسؓ! وہ طشت لاؤ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں، کھانا کھانے والے آئے، یہاں تک کہ صفد اور آپ ﷺ کا حجر و بھر گیا۔
آپ ﷺ نے اس حلوے پر اپنا دست مبارک رکھ کر کچھ پڑھا اور پھر دس دس آدمیوں کو بلانے لگے
اور ان سے کہا کہ اللہ کا نام لے کر ہر ایک آدمی اپنے سامنے سے کھائے۔ سب نے شکم سیر ہو کر
کھایا۔ ایک گروہ داخل ہوتا، وہ کھانا کھا کر نکلتا، پھر دوسرا داخل ہوتا اور سیر ہو کر باہر نکلتا۔ یہاں
تک کہ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔

پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا، انسؓ! اب اس طشت کو اٹھا لو۔ میں نے
جب اسے اٹھایا تو میں نہیں سمجھتا کہ جب میں نے طشت رکھا تھا اُس وقت حلوہ زیادہ تھا یا جس
وقت سب کے کھالینے کے بعد جب طشت اٹھایا اُس وقت زیادہ تھا۔ (۱۳۳)

نزول حجاب

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
دعوت ولیمہ کی، اور یہی نزول حجاب کا سبب بنا۔ آیات حجاب لوگوں کی تعلیم اور نصیحت کے لیے
نازل ہوئیں کہ لوگ نبی کے گھر بغیر اجازت داخل نہ ہوں اور جب انہیں کھانے وغیرہ پر بلایا
جائے تو وہ آئیں، مگر کھانا کھا کر جلد چلے جائیں، گپ شپ کے لیے نہ رکیں۔

بعض روایات میں پردے کے حکم کا نزول سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے موافقات میں
سے ہے، جیسا کہ امام بخاری سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی سے نقل کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی
اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے ہاں
"نیک و بد" ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، اگر آپ ﷺ چاہیں تو انہیں ام المومنین کو پردہ کرنے کی
تفہیم فرمائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حجاب کی آیات نازل فرمائیں۔ (۱۳۵)

امام ابن سعدؒ نے حضرت انسؓ سے روایت نقل فرمائی ہے:
پہلی مرتبہ آیات حجاب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ
کے موقع پر نازل ہوئیں۔ یہ واقعہ ہجرت کے پانچویں سال کا ہے۔ اللہ جل شانہ نے سیدہ زینب
رضی اللہ عنہا کے نکاح کو مسلم خواتین کے لیے قیامت تک کے لیے پابست قرار دیا اور خواہی
نشیوں پر پردہ کو فرض قرار دے کر شرف پاکیزگی اور خلوص کا عقد عطا فرمایا۔ (۱۳۶)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع (م ۱۳۸۶ھ) لکھتے ہیں:

باتفاق علماء امت، اس پر وہ کے متعلق پہلی آیت وہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی (لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ) اور یہ آیت حضرت زینب بنت جحش کے نکاح اور حرم نبوی میں داخلہ کے وقت نازل ہوئی ہے۔ (۱۳۷)

جو دو سنا

شبہنشاہ و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصعب جو دو سنا کا مشاہدہ دن رات امہات المؤمنین کرتی رہتی تھیں، اس لیے ان میں بھی یہ وصف بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ تھوڑا یا زیادہ جو مال بھی آتا، اسے راہِ خدا میں خرچ کرنے میں جلدی کی جاتی۔ اپنی ذاتی ضروریات کی قطعاً پروا نہیں ہوتی تھی۔ ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی راہِ خدا میں بے دریغ خرچ کرتی تھیں۔ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس وصف کو ایک عجیب انداز میں بیان فرمایا۔

ازواجِ مطہرات میں سے کسی نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم میں سب سے پہلے کون وفات پا کر آپ ﷺ سے جا ملے گی؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہم میں سے جو سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہے۔

آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ سخاوت و بخشش اور جو دو و کرم کے لحاظ سے تم میں سے جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں وہ سب سے پہلے وفات پا کر میرے پاس آئے گی۔ ازواجِ مطہرات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ کو سمجھ سکیں، اس لیے وہ ایک لکڑی لے کر اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔

ایک روایت میں ہے، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب بھی ہم ازواجِ آپس میں کسی کے گھر پر جمع ہوتیں تو دیوار پر ہم اپنے ہاتھ خوب کھینچ کر رکھتیں اور ناپا کرتی تھیں۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہم میں سب سے زیادہ لمبی ہیں، لہذا ان ہی کے ہاتھ بھی سب سے زیادہ لمبے تھے۔ (۱۳۸)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، حالانکہ وہ بہت دھماکا مچا رہی تھیں اور مختصر قعدہ

قامت کی قمیص، اُس وقت ہم نے سمجھا کہ لمبے ہاتھوں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد صدقہ و خیرات اور فیاضی تھی، جسمانی ڈیل ڈول نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت زینب و سکار تھیں اور اپنی محنت سے کما کر چند صدقہ و خیرات کیا کرتی تھیں۔ (۱۳۹)

امام نووی فرماتے ہیں:

میرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ازواج میں حضرت زینب ہی وہ پہلی خاتون ہیں جو فوت ہوئیں۔ (۱۴۰)

امام نووی مزید فرماتے ہیں:

اہلِ اہانت کسی آدمی کی سخاوت اور فیاضی کا تذکرہ کریں تو یہ مجاہدہ و استعمال کرتے ہیں:

فلان طویل الید و طویل الباع.

اور جب کسی کی کٹوتی کا ذکر کرنا ہو تو کہتے ہیں:

قصیر الید و الباع. (۱۴۱)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کمالوں کو ریشم کی مزدوری کر کے رقم صدقہ کر دیتی تھیں۔ (۱۴۲)

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ سیدہ دستکاری کے ذریعہ جو کچھ کماتی تھیں، راہِ خدا میں صدقہ کر دیتی تھیں۔ (۱۴۳)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

زینب سے بڑھ کر کوئی عورت میں نے نہیں دیکھی جو اپنی جان کو محنت میں کھپا کر مال کماتی اور صدقہ کر دیتی ہو، اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتی ہو۔ (۱۴۴)

ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا محنت کر کے جتنا کچھ کماتیں، سارا مسکینوں پر صدقہ کر دیتی تھیں۔ اس سے بہت سے مسکین اور غریب لوگوں کا کام چلتا تھا، جس کی وجہ سے ان کا لقب "مائی المساکین" (مسکینوں کا تحکات) پڑ گیا تھا۔ (۱۴۵)

ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی قدس زندگی کے اختتام پر بھی صدقہ کرنے ہی کی وصیت فرما رہی ہیں۔

سیدہ نے فرمایا، میں نے اپنے لیے کفن تیار کر کے رکھا ہوا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفن میرے لیے کفن بھیجیں گے، اس لیے تم دونوں میں سے ایک کفن کو صدقہ کر دینا۔ چنانچہ ان کی

وصیت کے مطابق ان کی بہن حضرت سیدہ نے اس کفن کو صدقہ کر دیا تھا جسے سیدہ نے اپنے لیے تیار کیا تھا۔ (۱۳۶)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد فرمایا:

لقد ذهبت حميدة، منعبدة، مفزع اليتامى والاوامل. (۱۳۷)

ترجمہ: تشریف کے لائق اور عبادت گزار ہو کر دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئی کہ یتیموں اور یتیم خانوں کو گھبراہٹ میں ڈال گئیں، کیونکہ وہ اب سوچیں گے کہ ہم پر کون خرچ کرے گا۔ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دنیا کی رنگینوں، مال و دولت یا کسی اور چیز کا شوق نہیں رکھتی تھیں، بلکہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں۔ چڑا پکاتیں، است صاف کرتیں یا اپنے ہاتھ سے ریشم کا اون بنا کر بیچا کرتیں اور اس کی ساری آمدنی اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتی تھیں۔

زہد و قناعت

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے زہد و قناعت کے بیشمار واقعات ہیں۔ ہم سیدہ کی باندی حضرت برزہ بنت رافع کی زبانی ان حالات کو پیش کرتے ہیں:

برزہ فرماتی ہیں کہ جب سیدہ نازوق اعظم رضی اللہ عنہ نے دغائے تقسیم فرمائے تو سیدہ کی خدمت میں پہلی مرتبہ ان کا وظیفہ بھیجا۔ سیدہ نے خیال فرمایا کہ یہ مال تمام ازواج مطہرات کے لیے ہے۔ لیکن انہیں بتایا گیا کہ یہ مال صرف آپ کے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا: "سبحان اللہ!" پھر اپنے اور اس مال کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا (تاکہ وہ مال نظر بھی نہ آئے، کیونکہ وہ ایک اجنبی چیز اور نامحرم ہے)۔

سیدہ نے برزہ کو حکم دیا کہ یہ مال ایک طرف ڈال دو اور کپڑا اس پر ڈھا تک دو۔ پھر باندی کو فرمایا اس کپڑے کے نیچے سے منگی بھر کے فلاں یتیم کو دے آؤ اور منگی بھر فلاں کو دے آؤ۔ جب اس طرح وہ مال تقسیم ہوتا رہا اور تھوڑا سا رہ گیا تو برزہ نے عرض کیا، اے ام المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، اس مال میں آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ آپ نے فرمایا، اس کپڑے کے نیچے جو باقی ہے، سب تم لے لو۔ برزہ کہتی ہیں کہ جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو ۸۵ درہم تھے۔ جب سب مال تقسیم ہو چکا تو سیدہ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:

اللہم لا یدر کنی عطاء، عمر بعد عامی هذا. (۱۳۸)

ترجمہ: اے اللہ! اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھے نہ مل پائے۔

چنانچہ سال گزر سنے نہ پایا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم تھا۔

جب وہ بارہ ہزار درہم بیت المال سے آپ کی خدمت میں بھیجے گئے تو بارہ بار کہتی تھیں:

اللہم لا یدر کنی هذا المال من قابل فانه فتنة.

ترجمہ: اے اللہ! یہ مال آئندہ میرے پاس نہ آنے پائے، یہ بڑا فتنہ ہے۔

یہ کہہ کر اسی وقت وہ سارا مال اپنے اقرباء اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ جب سیدہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ ایسی خاتون ہیں جن سے خبر ہی کی امید کی جاسکتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے خیر اور بھلائی ہی کا ارادہ کیا گیا ہے۔

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود سیدہ کے در دولت پر تشریف لائے، دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام پیش کیا اور فرمایا، مجھے معلوم ہے کہ آپ نے وہ ساری رقم صدقہ کر دی ہے۔ یہ ایک ہزار درہم اور پیش خدمت ہیں، اپنی ضروریات کے لیے رکھ لیں۔ لیکن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اسے بھی اسی وقت غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرمادیا۔ (۱۳۹)

ام المومنین نے اپنے ترکہ میں نہ تو کوئی درہم پیوڑ اور نہ ہی دینار۔ ان کے پاس جو کچھ بھی آتا، راہ خدا میں صدقہ کر دیتی تھیں، اور یہ مساکین کی پناہ گاہ تھیں۔ (۱۴۰)

ورع و تقویٰ

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تقویٰ و طہارت، پرہیزگاری اور ورع میں بھی بہت بلند مقام رکھتی تھیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو چند مخلص صحابہ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ثقیلہ اس پر دو پیکندہ سے متاثر ہو گئے۔ لیکن سیدہ زینب کا دامن تقدس نا بدار رہا۔

چنانچہ جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب سے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کے متعلق رائے دریافت فرمائی تو انہوں نے یوں درفشانی فرمائی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احمی سمعی و بصری. واللہ

ما علمت علیہا الا خیرا۔ (۱۵۱)

ترجمہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں۔ خدا کی قسم! میں عائشہؓ کے متعلق سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں جانتی۔

یعنی جو چیز میری آنکھ نے نہیں دیکھی اور نہ میرے کان نے سنی، وہ میں اپنی زبان سے کہنے کہہ سکتی ہوں۔ سیدہ زینبؓ کو معلوم تھا کہ عائشہؓ میری سوکن ہے، اور وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اگر آپؐ چاہیں تو اس وقت کوئی کلمہ ایسا کہہ کر تم جو عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں گرانے کا سبب بن سکتا۔ لیکن ان کے کمال و روح اور تقویٰ نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ خاموشی اپنائیں، بلکہ قسم اور حصر کے ساتھ فرماتی ہیں:

واللہ ما علمت علیہا الا خیرا۔

ترجمہ: خدا کی قسم! میں تو عائشہؓ میں خیر و خوبی اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے ان کے روح اور تقویٰ کا اعتراف

ان الفاظ میں فرمایا:

فصمها اللہ بالورع۔ (۱۵۲)

یعنی: اللہ تعالیٰ نے ورع اور پرہیزگاری کی بدولت زینبؓ بہت بخشش کو اس فتنہ سے

محفوظ رکھا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وہ دین، تقویٰ، ورع، سخاوت اور بھلائی کے کاموں کے اعتبار سے خواتین کی سردار تھیں۔ (۱۵۳)

علامہ ذہبیؒ ایک اور شہادت اس طرح پیش فرماتے ہیں:

”سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نیک خو، کثرت سے روزے رکھنے والی، شب زندہ

دار، اپنے ہاتھ سے محنت کر کے آمدنی مساکین پر نچھاور کرنے والی خاتون تھیں۔“ (۱۵۴)

علامہ ابن کثیرؒ انتہائی محبت کے الفاظ میں مدح سرائی کرتے ہیں:

”سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پہلی مہاجر خواتین کی سرخیل، مہذبہ اور بھلائی کے

کاموں میں سب سے آگے تھیں۔“ (۱۵۵)

انتقال بدلال

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ۲۰ؓ مطابق ۶۳۱ء میں انتقال ہوا۔ جب سیدہؓ نے

محسوس کیا کہ اب وہ اپنے رب ذوالجلال کی خدمت میں حاضر ہونے والی ہیں، جبکہ وہ ہمیشہ اس

مبارک ملاقات کے لیے تیار رہتی تھیں۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آگیا تو فرمایا، میں نے

اپنا کفن تیار کیا ہوا ہے، ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کوئی کفن بھیجیں، تو دونوں میں سے

ایک کفن صدقہ کر دینا۔ اور اگر تم میری ازار (چہند) صدقہ کر سکو تو کر دینا۔ (۱۵۶)

سکرات موت کے عالم میں صدقہ اور بھلائی کرنا، بڑھکی ندیم النظر مثال ہے، اور سامان

آخرت کی پیش بندی کا نادر الوقوع واقعہ ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ایسی ہی بے مثال

سخاوت کے پیش نظر انہیں ”ام المساکین“ کا لقب ملا اور تھا۔

آخری لمحات میں سیدہؓ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ سرد و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی

چارپائی پر اٹھایا جائے۔ اس سے پہلے امیر المومنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تابوت نبویؐ پر

قبر تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہو چکی تھی، اور یہ پہلی خوش نصیب خاتون تھیں جو صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ کے بعد تابوت نبویؐ پر اٹھائی گئیں۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سیدہؓ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ملی تو

آپؓ نے منادی کو حکم دیا کہ اعلان کر دو کہ سیدہ زینبؓ کے ہاں ان محرم مردوں کے علاوہ کوئی آدمی

نہ جائے۔ اور امیر المومنینؓ اس تک دو میں مصروف ہو گئے کہ سیدہؓ کی میت کو غیر محرم مردوں کی

نظروں سے مستور رکھ سکیں۔

اسی اثنا میں حضرت اسماءؓ بہت عجمیں رضی اللہ عنہا نے پیغام بھیجا کہ میں نے حبشہ میں دیکھا

ہے کہ لوگ اپنے مردوں کے لیے گہوارہ بناتے ہیں۔ چنانچہ سیدہؓ کے لیے بھی گہوارہ بنا کر کپڑے

سے ڈھک دیا گیا۔ سیدنا عمرؓ نے دیکھ کر بہت پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا، یہ بہترین خیمہ اور پاکلی

ہے۔ پھر منادی کے ذریعہ اعلان کرایا گیا کہ اپنی ماں کی نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے آ جاؤ۔ لوگ

جوق در جوق سیدہؓ کے جنازہ کے لیے پہنچنا شروع ہو گئے۔ (۱۵۷)

اس دن گرمی بہت شدید تھی۔ جہاں قبر کھودی جا رہی تھی وہاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خیر لگوا دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو قیام میں قبر پر لگایا گیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی ابو احمد بن جحش، جو بینائی سے محروم ہو چکے تھے، چار پائی کے پاس افسردہ کھڑے تھے اور لوگوں کا بے پناہ اثر و حاکم تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، ابو احمد! چار پائی سے دور رہو، کنکریں اڑو حاکم میں کچلے نہ جاؤ۔

ابو احمد نے جواب دیا، اے عمر! یہ وہ خاتون ہیں جن کی وجہ سے ہمیں ساری بھلائیاں نصیب ہوئیں۔ آج میرے آنسو اس گرمی کی حرارت کو ٹھنڈا کر دیں گے۔ (۱۵۸)

ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا

تبدیلی نام

پہلے نام ”برہ“ تھا، جسے تبدیل کر کے ”جویریہ“ رکھا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نامناسب اور غلط نام تبدیل فرما کر مناسب اور صحیح نام تجویز فرما دیا کرتے تھے، اور یہ قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا کرتے تھے، تم لوگ قیامت کے دن اپنی ماؤں اور باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، لہذا نام اچھے رکھا کرو۔ (۱۵۹)

حضرت جویریہ کا پہلا نام ”برہ“ تھا، اور برہ کا معنی ہے ”نیک عورت“۔ جب اس نام کی کسی عورت سے دریافت کیا جائے کہ تمہارا نام کیا ہے تو وہ بتائے گی، میں برہ ہوں، یعنی میں نیک عورت ہوں۔ اس سے اپنی تعریف ہوتی ہے، اس لیے یہ نام پسندیدہ نہیں۔ یا کوئی پوچھے، تم کہاں سے آئے ہو، تو وہ کہے، میں ”برہ“ (نیک) کے پاس سے آیا ہوں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام برہ سے تبدیل فرما کر جویریہ رکھ دیا۔ (۱۶۰)

اسی طرح حضرت زینب بنت جحش، حضرت زینب بنت ابوسلمہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو اسی اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن کا پہلا نام ”برہ“ ہی تھا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرما دیا، اور زینب، میمونہ اور جویریہ نام رکھ دیے۔ (۱۶۱)

سلسلہ نسب

جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عامر بن مالک بن خدیجہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارث بن عمرو مزنیہ قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے تھیں۔ (۱۶۲)

سیدہ جویریہ کے والد حارث بن ابی ضرار خاندان بنو مصطلق کے نامور سردار تھے، اور اپنے چچا زاد مسافع بن صفوان ذی شفر کے نکاح میں تھیں۔ خاندان مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں

مارا گیا تھا۔ (۱۶۳)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنو مصطلق اپنے سردار حارث بن ضرار کی سربراہی میں آپ ﷺ کے خلاف جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں اپنے قائم مقام ابوذر غفاریؓ یا ثمالہؓ بن عبد اللہؓ یا ایک روایت کے مطابق عبد اللہ بن ام مکتومؓ کو چھوڑ کر سات سو جاں باز صحابہ کے ساتھ ۲ شعبان ۵ھ میں بنو مصطلق کی طرف روانہ ہوئے۔

حارث بن ضرار کو آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی۔ ساحل سمندر کے کنارے "قدید" کے نواح میں پانی کے ایک تالاب "مرسیح" کے مقام پر اُن سے آمنا سامنا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت پیش فرمائی اور ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا۔ لیکن انہوں نے اس کے جواب میں مسلمانوں پر تیرہ سائے شروع کر دیے۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین اسلام کو اُن کے مقابلے کی اجازت دی اور فرمایا کہ انہی لوگوں کو قتل کیا جائے جنہوں نے تیرہ سائے ہیں۔ (۱۶۴)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دشمنوں سے پکار کر کہہ دو:

قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، تَمْنَعُوا بِهَا أَنْفُسَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ.

ترجمہ: لا الہ الا اللہ کا اقرار کرو، ایسا کرنے سے تمہارے جان و مال محفوظ ہو جائیں گے۔

لیکن دشمن نے دعوت اسلام قبول کرنے کی بجائے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔

امام محمد بن سعد بن منیع الزہریؒ (م ۲۴۰ھ) رقم طراز ہیں:

قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے تحقیق احوال کے لیے حضرت بریدہ بن حصیبؓ سلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت بریدہؓ نے حارث بن ابی ضرار سے بالمشافہ بات کر کے واپس آ کر خبر کی تصدیق کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا۔

۲ شعبان ۵ھ کو اسلامی فوج مدینہ منورہ سے مرسیح کی طرف روانہ ہوئی۔ "مرسیح"

بنو مصطلق کے ایک کتوں کا نام ہے، جو مدینہ منورہ سے نو (۹) منزل پر واقع ہے۔ اسلامی لشکر میں انصار اور دس مہاجرین پر مشتمل تھا۔ مال غنیمت کی لالچ میں منافقین کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد لشکر میں شامل ہو گئی، جو اُس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زیدہ بن حارث رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اور ازواج مطہرات میں سے سیدہ عائشہ صدیقہؓ طاہرہؓ اور سیدہ ام سلمہؓ رضی اللہ عنہن بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔

حارث بن ابی ضرار کو جب یہ اطلاع ملی کہ اسلامی لشکر حملہ آور ہونے والا ہے تو ان پر سخت خوف و ہراس طاری ہو گیا اور اُن کی جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ خود بھی کسی طرف بھاگ گیا۔ اسلامی فوج نے دفعتاً اُن پر حملہ کر دیا۔ مرسیح میں آباد لوگ نصف آراء ہو کر دیرینک جم کر تیرہ سائے رہے۔ جب مسلمانوں نے یکبارگی زبردست حملہ کیا تو اُن کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہیں شکست فاش ہوئی۔ دشمن کے دس آدمی مارے گئے، چھ سو گرفتار ہوئے، غنیم میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ (۱۶۵)

اس غزوہ میں بھاری تعداد میں مرد، عورتیں اور بچے قیدی ہاتھ آئے، اور حضرت جویریہؓ بھی ان قیدیوں میں تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں کو اپنے صحابہ میں تقسیم فرمادیا۔ حضرت جویریہؓ اس تقسیم میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس یا اُن کے چچا زاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔ لیکن انہوں نے باندی بن کر رہنا پسند نہ کیا اور حضرت ثابت یا اُن کے چچے سے بھائی سے کتابت کے لیے درخواست کی۔ حضرت ثابت بن قیسؓ نے حضرت جویریہؓ سے نو (۹) اوقیہ سونے پر کتابت کا معاملہ کیا تھا (یعنی کچھ معاوضہ لے کر چھوڑ دیں۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا داتا ہے۔ جبکہ ایک درہم ۳ ماشہ ایک مثقال یا ۵۱ ارقی کا ہوتا ہے)۔

لیکن سیدہ جویریہؓ کے پاس اس وقت سونا نہ تھا۔ انہوں نے چاہا کہ لوگوں سے چند مانگ کر یہ رقم ادا کریں۔

حضرت جویریہؓ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض گزار ہوئیں، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں۔ میری اسیری کا حال آپ ﷺ سے پوشیدہ نہیں، تقسیم میں ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی

ہوں۔ انہوں نے مجھے مکہ جہ بنالیا ہے، بدل کتابت میں آپ ﷺ کی خدمت میں اعانت کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔ (۱۶۶)

حرم نبوی میں آمد

ابن اسحاقؒ نے اس واقعہ کو سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ سیدہ فرماتی ہیں کہ چونکہ جوڑیہ شیریں اور اقیص، میں نے انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے دیکھا کہ آپ ﷺ پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہ اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا ہے۔

غرض وہ حاضر خدمت ہوئیں اور اپنا مدعا بیان کیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تمہیں اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے عرض کیا، وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تمہاری طرف سے کتابت کی واجب الادا رقم میں ادا کر دوں اور آزاد کر کے تجھے اپنی زوجیت میں لے لوں۔ حضرت جوڑیہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! مجھے منظور ہے۔ (۱۶۷)

امام ابن کثیرؒ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ تم اسلام قبول کر لو اور میں تمہارے ساتھ نکاح کر لوں گا۔ چنانچہ آزاد ہو جانے کے بعد حضرت جوڑیہ نے اسلام قبول کر لیا اور پھر آپ ﷺ نے نکاح فرمایا۔ (۱۶۸)

دوسری روایت کے مطابق حضرت جوڑیہ کا والد حادث رئیس عرب تھا۔ جب حضرت جوڑیہ گرفتار ہوئیں تو حادث نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میری شان اس سے بالاتر ہے کہ میری بیٹی کثیر بن کر زندگی گزارے، میں اپنے قبیلہ کا سردار اور رئیس عرب ہوں، آپ ﷺ اسے آزاد کر دیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اس معاملہ کو خود جوڑیہ کی مرضی اور اختیار پر چھوڑ دوں؟ حادث نے جوڑیہ سے جا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ تیری مرضی پر چھوڑ دیا ہے، لہذا انہیں رسوا نہ کرنا۔ حضرت جوڑیہ نے جواب میں فرمایا:

انی قد اخترت رسول اللہ۔ (۱۶۹)

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنا پسند کرتی ہوں۔

سیدہ جوڑیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے تین

رات قبل میں نے خواب دیکھا کہ "شراب کا چاند" مدینہ سے آرہا ہے اور میری آغوش میں آکر گر رہا ہے۔ میں نے اپنا خواب ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم لوگ قید کر لیے گئے تو مجھے اپنے خواب کے پورا ہونے کی امید برآئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے آزاد فرما کر اپنی ازواج مطہرات میں شامل فرمایا۔ (۱۷۰)

نکاح کے وقت سیدہ جوڑیہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۰ سال تھی اور ۶۵ سال کی عمر میں وصال ہوا تھا۔ (۱۷۱)

مہر

ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ حضرت جوڑیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹک میں تھیں۔ آپ ﷺ نے انہیں آزاد فرمایا اور ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا اور بنو مطلق کے قیدی رہا کر دیے۔ (۱۷۲)

والد کا مشرف بہ اسلام ہونا

جب شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جوڑیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حرم میں داخل فرمایا تو ان کے والد حادث بہت سے اونٹ لے کر مدینہ روانہ ہوئے، تاکہ فدیہ دے کر بیٹی کو چھڑا لیں۔ ان میں سے دو اونٹ جو نہایت عمدہ اور پسندیدہ تھے، انہیں حقیق کی ایک گھائی میں چھپا دیا کہ واپسی پر ان کو لے لوں گا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ اونٹ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیے اور کہا، اے محمد! آپ نے میری بیٹی کو گرفتار کیا ہے، یہ اُس کا فدیہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ اونٹ کہاں ہیں جو تم گھائی میں چھپا آئے ہو؟ یہ سن کر حادث نے کہا:

اشهد ان لا اله الا الله و انتك رسول الله.

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

کیونکہ ان اونٹوں کا اللہ کے سوا اور کسی کو علم نہ تھا، اللہ ہی نے آپ ﷺ کو اس سے مطلع کر دیا ہے۔ (۱۷۳)

مسرت کے شادیاں

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب شہنشاہ دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں قبول فرمایا تو یہ خیر سارے مدینہ میں گونج گئی۔ سیدہ جویریہ کی قوم و خاندان کے سینکڑوں قیدی صحابہ کے گھروں میں موجود تھے جو غلام بنا کر تقسیم کر دیے گئے تھے۔ نکاح کی خبر پھیلنے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سب قیدیوں کو اس احترام کے پیش نظر آزاد کر دیا کہ اب تو یہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے ہو گئے، انہیں کیسے غلام بنا کر رکھیں!

سیدہ جویریہ فرماتی تھیں، میں نے تو سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاندان کے قیدیوں کو رہا کرنے کی بات بھی نہیں کی تھی کہ مسلمانوں نے خود ہی میری قوم اور خاندان والوں کو آزاد کر دیا، جس کی خوش کن خبر میری چچا زاد بہن نے مجھے دی۔ یہ خوشخبری سن کر میں نے اللہ جل شانہ کا شکر ادا کیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فقد اعتق بنو جہ ابناہا مائۃ اہل بیت من بنی المصطلق، فما اعلم امرۃ اعظم ہرکۃ علی قومہ منہا۔ (۱۷۳)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوڑیہ سے نکاح کر لینے سے بنو المصطلق کے سوا گھرانے آزاد ہوئے، میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو حضرت جوڑیہ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے برکت والی ثابت ہوئی ہو۔

اخلاق و عادات

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا خوبصورت، موزوں اندام تھیں۔ ان میں خلادت اور ملاحت دو وصف نمایاں تھے۔ جو انہیں دیکھ لیتا، اپنے دل میں جگہ دینے پر مجبور ہو جاتا۔ (۱۷۵)

ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو عبادت سے بہت شغف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو انہیں عبادت میں مشغول پاتے۔ ایک روز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صبح کے وقت عبادت میں مشغول دیکھا، پھر دوپہر کو جب دیکھا تو بھی سیدہ کو عبادت کی حالت میں پایا۔ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو ابھی تک تسبیحات میں مصروف ہے؟ سیدہ نے عرض کیا، جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا، میں تمہیں چند کلمات ایسے سکھا دوں جو وزن میں ان

تمام تسبیحات کے برابر ہوں جو تم نے اب تک پڑھا؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، وہ یہ کلمات ہیں:

سبحان اللہ عدد خلقہ، سبحان اللہ زینۃ عرشہ، سبحان اللہ رضا نفسہ، سبحان اللہ مداد کلماتہ۔ (۱۷۶)

ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی زندگی نہایت زاہدانشی۔ عبادت و ریاضت میں۔ ہر وقت مشغول رہتی تھیں۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت ان کے پاس سے گزرے تو آپ دعا کر رہی تھیں۔ جب آپ ﷺ دوپہر کے قریب تشریف لائے تو اس وقت بھی آپ کو دعا کی حالت میں پایا۔ (۱۷۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن سیدہ کے ہاں تشریف لائے تو وہ روزہ سے تھیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روزہ رکھنا پسند نہیں فرماتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے سیدہ سے پوچھا، کل بھی روزہ سے تھیں؟ عرض کیا، نہیں۔ فرمایا، کیا کل بھی روزہ رکھو گی؟ جواب دیا، نہیں۔ ارشاد فرمایا، پھر تمہیں روزہ افطار کر لینا چاہیے۔ (۱۷۸)

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے اور پوچھا، کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا، میری کنیر نے صدقہ کا گوشت دیا تھا، وہی رکھا ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ فرمایا، وہی لے آؤ، کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا، اسے پہنچ چکا ہے۔ (۱۷۹)

سانحہ ارتحال

ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ربیع الاول ۵۰ھ میں ہوا، اور یہی قول صحیح ہے۔ (۱۸۰)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ عبید اللہ کے لہرائی ہونے سے پہلے میں نے اسے نہایت نرمی اور ہدایت میں دیکھا، جس سے میں بہت گھبرائی۔ جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے اس کے سامنے اپنا خراب بیان کیا کہ شاید اُسے تنبیہ ہو جائے، مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ شراب اور کھاب میں برابر منہمک رہا، حتیٰ کہ اسی حالت میں انتقال کر گیا۔ (۱۸۶)

حرمِ نبوی میں آمد

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، عبید اللہ بن جحش کے انتقال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص ”یا ام المومنین“ کہہ کر پکار رہا ہے، جس سے میں چونک گئی۔ پھر نکال کر ایک اس کی تعبیر دل میں آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں آنے کا اشارہ ہے۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، جب میری عدت ختم ہوئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا۔ (۱۸۷)

ادھر جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مہاجر کے عالم میں سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے ان کی عدت کے دن پورے ہونے پر عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دے۔

جب شاہ حبشہ نجاشی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا تو بادشاہ نے اپنی خاص خدمت گار باندی ابرہہ کو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ کہلا بھیجا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے پاس پیغام آیا ہے کہ اگر تمہیں منظور ہو تو اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر لو اور میں تمہارا نکاح حضور علیہ السلام سے کروں۔ سیدہ نے یہ مژدہ جاں فزاں کر باندی کو دعا دی:

بِسْمِكَ اللَّهُ يَا خَيْرَ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تجھے بھی خبر کی خوشخبری سنائے۔

اور اس خوشخبری اور بشارت کے انعام میں ہاتھوں کے دونوں کلنگن، پیروں کی پازیب اور انگلیوں سے انگوٹھی جھلنے، جو سب نفرتی تھے، ابرہہ کو دے دیے اور خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل مقرر کیا، جو دو خیال کی طرف سے رشتہ دار تھے اور ہجرت کر کے حبشہ میں مقیم تھے۔ (۱۸۸)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

آپ کا نام ”رملہ“ اور ام حبیبہ کنیت تھی۔ ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں، رملہ بنت ابی سفیان مکر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔
والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ تھا۔ صفیہ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ (۱۸۱)

علامہ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ ان کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے رملہ بیان کیا ہے اور بعض کے نزدیک حند نام تھا اور مشہور رملہ تھا۔ اور جمہور اہل علم انس اب، میر، حدیث اور تاریخ کے نزدیک رملہ ہی صحیح ہے۔ (۱۸۲)

حضرت ام حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ (۱۸۳)

اسلام

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا، جو حرب بن امیہ کے حلیف تھے اور ان ہی کے ساتھ شرفِ اسلام ہوئیں اور اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کی۔ حبشہ جانے کے بعد عبید اللہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ ام حبیبہ سے بھی مذہب تبدیل کرنے کو کہا، لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں۔

حبشہ میں ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام حبیبہ رکھا، اور اسی کے نام پر ”ام حبیبہ“ کنیت رکھی گئی اور پھر اسی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ بعض کے نزدیک حبیبہ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی۔ (۱۸۴) بعد میں حبیبہ کا نکاح داود بن عمرو بن مسعود ثقفی سے ہوا تھا۔ (۱۸۵)

جب شام ہوئی تو بادشاہ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو بلایا، خطبہ نکاح پڑھ کر خود نکاح پڑھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا۔

مدینہ منیٰ و درو مسعود

نکاح کے دوسرے روز نجاشی نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس خوشبو اور جینے کا سامان بھیجا اور حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ انہیں مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ وہاں پہنچ کر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگیں، اور ان کا مبارک خواب، جس میں کسی نے یا ام المومنین کہہ کر پکارا تھا، صحیح ثابت ہوا۔ سیدہ کے نکاح کی تقریب ۶ یا ۷ھ میں منعقد ہوئی تھی۔ (۱۸۹)

امام ابن سعد فرماتے ہیں:

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا عقد ۷ھ میں ہوا، اور جب مدینہ منورہ تشریف لائیں تو ان کی عمر مبارک تیس سال سے زائد تھی۔ صاحب سیر صحابیات لکھتے ہیں، اس وقت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶/۳۷ سال تھی۔ (۱۹۰)

فضائل و مناقب

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پر بڑی پابندی سے عمل کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص دن رات میں بارہ رکعات نماز پڑھے تو اللہ جل شانہ اس کے لیے جنت میں محل عطا فرمائے گا۔ اس ارشاد پر پھر اس طرح عمل کیا کہ کبھی بھی یہ بارہ رکعت نوافل چھوٹے نہیں پائے۔ (۱۹۱)

ترمذی شریف کی روایت کے مطابق ان بارہ رکعات کی تفصیل اس طرح ہے؛ چار سنت ظہر سے پہلے، دو اُس کے بعد، دو سنت مغرب کے بعد، دو نماز عشاء کے بعد اور دو رکعت نماز فجر سے پہلے۔ (۱۹۲)

سیدہ ام حبیبہ بڑی قبیح شریعت تھیں۔ جب ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو تین دن کے بعد انہوں نے خوشبو منگائی جس میں زردی تھی۔ پھر اُس خوشبو کو اپنے دونوں ریشماروں اور بازوؤں پر ملا، پھر فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ کسی

عورت کے لیے، جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتی ہو، خلال نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، البتہ شوہر کے مرنے پر چار مہینہ دس دن سوگ کرے، تو مجھے اس وقت خوشبو کے استعمال کی بھی ضرورت تو نہیں تھی۔ (۱۹۳) (محض سنت کی پیروی میں تین دن سوگ کے بعد استعمال کی ہے)۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا یہ منفرد نوعیت کا حیرت افزا واقعہ جس سے اسلام اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عقیدت اور محبت آشکارا ہوتی ہے، اور جو سیدہ کے جوش ایمان کا قابل دید منظر ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ سے قبل ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی قدر ابوسفیان، جو ابھی تک حلقہ گوش اسلام نہیں ہوئے تھے، معاہدہ حدیبیہ کی تجدید اور توسیع کی غرض سے مکہ کرمہ سے مدینہ منورہ آئے۔ سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفت و شنید ہوئی، لیکن آپ ﷺ نے ان کی تجاویز مسترد کر دیں۔ وہاں سے باپوس ہو کر اپنی بیٹی سیدہ ام حبیبہ سے ملنے ان کے ہاں گئے۔ گھر پہنچ کر جب بستر پر بیٹھنے لگے تو سیدہ ام حبیبہ نے فوراً بستر پلٹ دیا۔ ابوسفیان نے برہم ہو کر کہا، بیٹی! تم نے یہ کیا کیا، بستر کیوں اٹھالیا ہے؟ کیا تم نے بستر کو میرے قابل نہ سمجھا، یا مجھے بستر کے قابل نہ سمجھا؟ سیدہ نے جواب دیا، یہ بستر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اس پر مشرک کا ٹاپاک جسم کیسے ٹس ہونے دیا جائے! ابوسفیان نے کہا، خدا کی قسم! تم میرے بعد شر میں مبتلا ہو گئی ہو۔ (۱۹۴)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر نہایت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب و تاکید کرتی تھیں۔ سیدہ کے بھتیجے ابوسفیان بن سعید بن امییرہ آپ کی خدمت میں آئے اور ستو کھائے، پھر کھلی کی، تو سیدہ نے فرمایا، تمہیں ستو کھا کر مفلک کرنا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ (۱۹۵)

پہلے یہ حکم تھا، بعد میں منسوخ ہو گیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آگ سے پکی ہوئی چیزیں کھاتے اور پھر وضو نہیں کرتے تھے، بلکہ پہلے وضو سے ہی نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری نے بھی 'باب من لم یوضأ من لحم المشاة

والسویق۔ "تاقم فرما کرو اس کو صبح کرو یا ہے، گوشت وغیرہ کھانے کے بعد وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

زر قانی کی روایت کے مطابق سیدہ کا نام "زینب" تھا، لیکن جنگ خیبر میں جب مال غنیمت میں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں، اور عرب میں یہ دستور تھا کہ غنیمت کا جو حصہ امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا، اسے "صفیہ" کہا جاتا تھا، اس لیے سیدہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ (۲۰۳)

ابن زبالہ نے اپنی کتاب المختب، ص ۵۸ میں لکھا ہے کہ صفیہ کا نام "حبیبہ" تھا۔ بعد میں صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں، کیونکہ خیبر کے موقع پر یہ مخصوص کردی گئی تھیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق ان کی کنیت "ام یحییٰ" تھی۔ (۲۰۴)

سلسلہ نسب اس طرح ہے، صفیہ بنت حمی بن اخطب بن سعد بن ثعلبہ بن عبید بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب ابن النضر بن انعام بن نجوم۔ (۲۰۵)

علامہ ابن سعد (م ۲۴۰ھ)، علامہ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ)، علامہ ابن اثیر (م ۶۳۰ھ) اور علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے صفیہ کی والدہ کا نام "برہ بنت سہیل" بیان کیا ہے، جو رفاہ بن سہیل القرظی کی بہن تھیں۔ (۲۰۶)

علامہ تہطاہی (م ۹۲۳ھ) اور علامہ زر قانی (م ۱۲۳۴ھ) نے "ضرہ" نام بیان کیا ہے۔ (۲۰۷)

نیز شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا سعید انصاری وغیرہ نے والدہ کا نام "ضرہ" بیان کیا ہے۔ (۲۰۸)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو باپ اور ماں دونوں طرف سے سیادت حاصل تھی۔ والد حمی بن

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے وصال سے پہلے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور کہنے لگیں، میرے اور آپ کے درمیان سوکنوں والے تعلقات تھے، اگر مجھ سے آپ کے حق میں کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو خدا را معاف کر دیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو معاف فرمائے اور تم سے درگزر فرمائے۔ سیدہ ام حبیبہ نے فرمایا، تم نے مجھے خوش کروایا، اللہ تعالیٰ تمہیں خوش و خرم رکھے۔ اسی طرح سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی کہا۔ (۱۹۶)

سانچہ ارتحال

علامہ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں، سیدہ ام حبیبہ کا انتقال ۴۲ھ میں ہوا۔ (۱۹۷)
علامہ ابن سعد نے بھی ۴۲ھ ہی بیان کیا ہے، اور مزید تصریح یہ کی ہے کہ اپنے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال ہوا ہے۔ (۱۹۸) یہی قول علامہ ابن کثیر کا ہے۔

البتہ ابو بکر بن ابی خثیمہ کہتے ہیں کہ سیدہ کا انتقال اپنے بھائی معاویہ سے ایک سال قبل ہوا، جبکہ معاویہ کا ۶۰ھ میں انتقال ہوا تھا۔ (۱۹۹)

تیسرا قول ابن حبان اور ابن قانع کا یہ ہے کہ ۴۲ھ میں انتقال ہوا ہے۔ لیکن بلاذری کہتے ہیں کہ پہلا قول (۴۲ھ) ہی زیادہ صحیح ہے۔ (۲۰۰)

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا اور جنت البقیع میں آسودہ خواب ہو گئیں۔ (۲۰۱)

اولاد

پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش سے دو اولادیں ہوئیں۔ بیٹا عبد اللہ اور بیٹی کا نام حبیبہ تھا۔ حبیبہ نے آغوش نبوت میں تربیت پائی اور عروہ بن مسعود ثقفی قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم کے بیٹے داؤد سے منسوب ہو گئیں۔ (۲۰۲)

اخطب سیدہ نامہ بنی علیہ السلام کے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اور بنو نضیر کا سردار تھا۔ والدہ رئیس قریطہ کی بہن تھی، اور یہ دونوں خاندان یعنی بنو قریطہ اور بنو نضیر، بنو اسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی علاقوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ (۲۰۹)

نکاح

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سلام بن مشکم القرظی سے ہوا تھا۔ وہ ایک نامور شاعر اور سردار تھا، لیکن دونوں میاں بیوی میں نہ بن سکی۔ آخر کار سلام بن مشکم القرظی نے انہیں طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد ان کے باپ نے ان کا نکاح بنو قریطہ کے ایک نامور سردار کنانہ بن ابی الحقیق سے کر دیا، جو ابورافع تاجر حجاز اور خیبر کے رئیس کا بھتیجا تھا۔ خود بھی بلند مرتبہ تھا اور خیبر کے مشہور قلعہ "القنوص" کا سردار تھا اور اپنے گھرانے کے ساتھ یہیں سکونت پذیر تھا۔ منہ بھری میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی سازشوں کا قلع قمع کرنے کے لیے ان کے مرکز خیبر کا رخ کیا۔ خیبر مدینہ منورہ کے شمال مغربی علاقہ میں نہایت زرخیز مقام تھا، جہاں یہود نے نہایت مضبوط قلعہ بنا رکھے تھے۔ یہیں جنگ خیبر ہوئی اور مسلمانوں کو تاریخی فتح و نصرت حاصل ہوئی اور "القنوص" جیسا مضبوط قلعہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

کنانہ بن ابی الحقیق اپنے قلعہ ہی میں مارا گیا۔ اس کے تمام اہل و عیال کے ساتھ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی قید ہوئیں۔ اس جنگ میں سیدہ کے باپ، شوہر اور بھائی بھی مارے گئے۔ مذکورہ دونوں خاندانوں سے سیدہ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (۲۱۰)

سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ صفیہؓ کے والد، بھائی اور خاوند کو گھرنی حالت میں نہیں نے قتل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسکراہٹ فرمائی۔ (۲۱۱)

حریم نبوی میں آمد

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جنگ خیبر میں قید ہو کر آئیں۔ وہ ابھی نئی نویلی لہن تھیں کہ ان کا شوہر جنگ میں قتل ہو گیا۔ بعض حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کا تذکرہ کیا، لیکن آپ ﷺ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ اسی اثناء میں حضرت

ذبیحہ کلبی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، مجھے ایک اونٹنی داؤد دیجیے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ایک اونٹنی انتخاب کرلو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے لیا۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، صفیہ بنو قریطہ کی رئیسہ ہیں، ایک سردار کی بیوی اور ایک سردار کی بیٹی ہیں، خاندانی وقار اور وجاہت ان کے چہرے سے عیاں ہے۔ حالانکہ وہ آپ ﷺ کے مواکس اور کے لیے مناسب نہیں، وہ تو صرف آپ ﷺ ہی کے لیے سزاوار ہیں۔

مقصود یہ تھا کہ عرب کی رئیسہ کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ مناسب نہیں۔ چنانچہ ماہر نفسیات سر دردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی انفسیات کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ ذبیحہ کو نبی اس لڑکی کے بلاؤ۔ حضرت ذبیحہ کلبی رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو ایک نظر دیکھا اور حضرت ذبیحہ سے فرمایا، (۲۱۲) اسے ذبیحہ! اس کی جگہ دوسری اونٹنی پسند کرلو۔ پھر ان کی دلجوئی کی خاطر سات اونٹنیوں کے بدلے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو ان سے خرید لیا۔ (۲۱۳)

سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا اور انہیں اختیار دے دیا کہ چاہیں تو اپنے گھر واپس چلی جائیں، یا پسند کریں تو آپ ﷺ کے نکاح میں آجائیں۔ سیدہ نے شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترہ جیت کو پسند فرمایا۔

سر دردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے وقت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک مگرہ سال کے قریب تھی۔ (۲۱۴)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ سے کہا، کیا تیری کوئی آرزو ہے؟ انہوں نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! میں تو زمانہ شرک میں بھی آپ ﷺ کی خواہش رکھتی تھی، اب تو اللہ نے میری خواہش پوری فرمادی اور اسلام کی دولت بھی عطا فرمادی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ (۲۱۵)

ولیمہ

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ بھی عجیب شان سے ہوا۔ چمڑے کا ایک دمتر خوان بچھا دیا گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا، جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے۔ کوئی کھجور لایا، کوئی پیڑ لایا، کوئی ستیلا لایا اور کوئی گھی لایا۔ جب اس طرح کچھ اشیاء جمع ہو گئیں تو سب نے ایک جگہ

بیٹے کرکھا لیا۔ اس ولیمہ میں نہ گوشت تھا اور نہ ہی روٹی۔ صحابہ میں یہ بات گردش کر رہی تھی کہ آیا صفیہؓ اب ام المومنین بن گئی ہیں یا کنیز ہیں؟ صحابہ کا خیال تھا کہ اگر انہیں پردہ کرنے کا حکم ہوا تب تو ام المومنین ہیں، اور اگر پردہ نہ کیا تو سمجھا جائے گا کہ حضورؐ کی باندی ہیں۔ (۲۱۹)

مقام صہبا میں آپ ﷺ نے تین دن قیام فرمایا اور سیدہ صفیہؓ پر دسے میں رہیں۔ جب وہاں سے روانہ ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہیں اونٹ پر سوار کرایا اور اپنی نہا سے ان پر پردہ کیا، تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے۔ گویا یہ اعلان تھا کہ سیدہ صفیہؓ ام المومنین ہیں، ام ولد نہیں۔ راستہ میں جب ام المومنین سیدہ صفیہؓ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہوئیں تو آپ ﷺ اونٹنی کے پاس بیٹھ جاتے، اپنا گھناڑ زمین پر نکا دیتے، سیدہ آپ ﷺ کے گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھ کر اونٹنی پر سوار ہو جاتیں۔ (۲۱۷)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کرنے کے بعد ان سے نکاح فرمایا۔ ثابت بنانی نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ نے سیدہ کا مہر کیا اور فرمایا تھا؟ تو حضرت انسؓ نے کہا کہ ان کو آزاد کرنا ہی مہر ٹھہرا تھا۔ (۲۱۸)

قافلہ نبوی کی مدینہ آمد

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ پہنچے تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حارث بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرایا۔ حضرت حارث بن نعمان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جانثار صحابی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت سے نوازا تھا۔ وہ آپ ﷺ کی ضروریات کا خصوصی خیال رکھنا اپنے لیے سعادت دارین سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر بھی ان کا ایک کام آیا۔

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کی شہرت من کر انصار مدینہ کی خواتین اور ازواجِ مطہرات بھی انہیں دیکھنے آئیں۔ جن میں سیدہ زینب بنت جحش، سیدہ خنصہ، سیدہ عائشہ اور سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نقاب اوڑھ کر آئی تھیں، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

پہچان لیا۔ اور جب واپس ہوئیں تو پوچھا:

کیف رايتھا یا عائشہ؟

ترجمہ: اے عائشہ! تم نے اسے کیسا پایا؟

وہ کہنے لگیں، ایک یہودیہ کو دیکھ کر آئی ہوں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایسا نہ کہو، وہ تو اب اسلام قبول کر چکی ہیں اور ان کا اسلام نہایت عمدہ ہے۔ (۲۱۹)

ایک روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا اور ان کا کپڑا پکڑ کر فرمایا:

کیف رايت یا شقیۃ؟ (۲۲۰)

ترجمہ: اے شقیۃ! اسے کیسا پایا ہے؟

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بڑے کریم اور شفیق تھے۔ اپنی بیویوں کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرتے تھے۔ جب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئی، راستہ میں اونٹنی پر مجھے خندا جاتی تھی اور میرا سر کجاوہ سے لگ جاتا تھا، آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے سہارا دیتے اور فرماتے کہ اے نبی کی بیٹی! دھیان سے بیٹھ، کہیں گرنہ جانا۔

جب صہبا کے مقام پر پہنچے، آپ ﷺ نے فرمایا، اے صفیہ! جو کچھ میری قوم کے ساتھ ہوا مجھے اس کا افسوس ہے، لیکن انہوں نے مجھے ہمارے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا ہے۔ (۲۲۱)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، جب میں ایک قیدی کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو اس وقت میری نگاہ میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی انسان ناپسندیدہ نہیں تھا، اس لیے کہ میرا باپ، خاوند، بھائی اور کئی رشتہ دار قتل ہو چکے تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صفیہ! تمہاری قوم نے ہمارے ساتھ یہ کچھ کیا ہے۔ سیدہ فرماتی ہیں، (پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور اخلاق کا مجھ پر ایسا اثر ہوا) جب میں اپنی جگہ سے اٹھی تو آپ ﷺ سے زیادہ اور کوئی محبوب اور پسندیدہ شخص میری نگاہ میں نہیں تھا۔ (۲۲۲)

فضل و کمال

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے۔

كانت عاقلة من عقلاء النساء. (۲۲۳)

ترجمہ: وہ عورتوں میں بہت ہی زیادہ عقلمند تھیں۔

علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

كانت صفية عاقلة حليمة فاضلة. (۲۲۴)

ترجمہ: سیدہ صفیہ عقل مند، بردبار، تحمل والی اور فاضلہ تھیں۔

غزوہ خیبر کے بعد جب وہ اپنی چچا زاد بہن کے ہمراہ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہود یوں کی لاشوں کو دیکھ کر غصہ نہ کر سکی اور چیخ و پکار کرنے لگی۔ لیکن سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا، جن کا باپ، بھائی اور خاوند اسی جنگ میں قتل ہو گئے تھے، اپنے محبوب خاوند کی لاش کے قریب سے گزریں لیکن وہ ہیکر متانت و صبر تھیں، جن کی جبین قتل پر کسی قسم کی شکایت نہیں آئی تھی۔ (۲۲۵)

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک باندی نے امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ شکایات کیں کہ:

۱۔ صفیہ میں اب بھی یہودیت کا اثر باقی ہے۔

۲۔ یوم السبت یعنی منیجر کو اچھا سمجھتی ہیں۔

۳۔ اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان شکایات کی تفتیش و تصدیق کے لیے ایک آدمی بھیجا۔

سیدہ نے اسے جواب دیا، یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ اللہ جل مجدہ نے اس کے بدلے یوم الجمعہ عزایت فرمایا ہے۔ البتہ یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم تو اسلام دیتا ہے، ان میں میرے خویش و اقارب ہیں۔ اس کے بعد باندی سے پوچھا، کیا تم نے میری شکایت کی تھی؟ اس نے کہا، ہاں! مجھے شیطان نے بہکا یا تھا۔ سیدہ نے اسے سزا دینے کے بجائے آزاد کر دیا۔ (۲۲۶)

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جب مدینہ طیبہ آئیں تو ان کے کانوں میں سونے کا کچھ نہ پڑا تھا۔ اس میں سے کچھ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو نقد دے دیا اور جو بچ گیا دوسری عورتوں کو دے کر خود فارغ ہو گئیں۔ (۲۲۷) یہ ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے

کے اثرات، کہ دنیا فانی کا قصہ ختم کر دیا۔

حب نبوی

میاں نبوی کی باہمی محبت و الفت ہی گھر کو مثل جنت بنا دیتی ہے اور زندگی کی کاڑی اچھی طرح رواں دواں رہتی ہے۔ ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے فدا تھیں۔ اپنی جان عزیز تک قربان کرنے کے لیے تیار تھیں۔ جب سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غلیل ہوئے اور آپ ﷺ کی ازواج آپ ﷺ کی بیمار پر ہی کے لیے حاضر تھیں، سیدہ صفیہ نے نہایت حسرت سے کہا:

اما واللہ یا نبی اللہ لو ددت ان الذی بک بی۔

ترجمہ: خدا کی قسم! اے رسول اللہ ﷺ! میں چاہتی ہوں کہ آپ ﷺ کی بیماری مجھے لگ جائے (اور آپ ﷺ صحت یاب ہو جائیں)۔

اس پر ازواج مطہرات سیدہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیفیت ملاحظہ فرماتے ہوئے یوں گویا ہوئے، بخدا! صفیہ سچ کہہ رہی ہے۔ (۲۲۸) یعنی ان کا طلبہ عقیدت نماں تھیں، بلکہ سچے دل سے وہ بھی چاہتی ہیں۔

سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں بھی ان کی نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلدادگی اور دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک سفر میں ازواج مطہرات بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ سیدہ نیش بست، تحش رضی اللہ عنہا کے پاس اونٹ ضرورت سے زیادہ تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر ایک اونٹ صفیہ کو دے دو تو بہتر ہوگا۔ انہوں نے کہا، میں اس یہودیہ کو اونٹ کیوں دوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جواب اس قدر شاق گزرا اور آپ ﷺ نے ذوالحجہ اور محرم دو مہینے یا تین ماہ تک سیدہ نیش بست سے قطع تعلق رکھا۔ (۲۲۹)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما ہوئے، دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، صفیہ! کیوں رو رہی ہو؟ عرض کی کہ عائشہ اور حفصہ مجھے چھینرتی ہیں، اور کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ عزت اور رتبہ حاصل ہے، کیونکہ میں آپ ﷺ کی بیویاں ہونے کے علاوہ آپ ﷺ کی چچا زاد بہن ہونے

کا شرف بھی حاصل ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صفیہؓ اتم نے یہ کیوں نہ کہا، تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو، میرے باپ حضرت یارون علیہ السلام، میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور میرے شوہر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تم کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو؟

قد بلغنی عن حفصة وعائشة کلام فذکرت ذلک لہ، قال الا قلت و کیف تکونان خیرا منی و ذرجی محمد و ابی ہارون و عسی مونی، و کان الذی بلغنا انہم قالوا نحن اکرم علی رسول اللہ ﷺ منہا، و قالوا نحن ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم و بنات عمہ (۲۳۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ سیدہ حفصہؓ نے انہیں یہودی کی بیٹی کہا ہے، سیدہ کو اس سے سخت صدمہ ہوا اور وہ رونے لگیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور رونے کی وجہ معلوم فرمائی۔ سیدہ نے بتایا کہ حفصہؓ مجھے کہتی ہیں، تم یہودی کی بیٹی ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انک لا بمنۃ نبی، و ان عمک لنبی، و انک لاحت نبی، ففہم نفخر علیک۔

ترجمہ: تم تو ایک نبی کی بیٹی ہو اور تیرا چچا بھی نبی ہے اور تم ایک نبی کی بیوی ہو، وہ کس بات میں تم پر فخر کر سکتی ہیں؟

پھر آپ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا، اللہ سے ڈرو۔ (۲۳۱)

سفر حج میں ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اوتھ بیٹھ گیا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے تو دیکھا، زار و قنار در رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی رواد اور وصیت مبارک سے ان کے آنسو پونچھے۔ آپ ﷺ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔ (۲۳۲)

ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے

قد قامت کی نسبت اشارہ کیا، یعنی کوتاہ قد ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نا کثرا تم نے ایسی بات کہی کہ اگر سندر میں ڈال دی جائے تو آ سے بھی گدلا کر دے۔ (۲۳۳)

امت کی رہنمائی

ازواج مطہرات کے ذریعہ بیچارہ مسائل میں امت کی رہنمائی ہوئی ہے۔ سفر حج میں کتنے ہی عورتوں کے مخصوص مسائل سے امت روشناس ہوئی ہے۔ چنانچہ اسی سفر حج میں ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو قیام منی کے دوران ایام شروع ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر تو ان کے پاک ہونے تک ہمیں رکنا پڑے گا، کیونکہ پاک ہو کر طواف زیارت ادا کریں گی۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ سیدہ صفیہؓ طواف زیارت کر چکی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، پھر تو رکنے کی ضرورت نہیں۔ (۲۳۳)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی نہایت تکریم فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں مسجد میں اعتکاف فرمایا۔ سیدہ صفیہؓ ملنے آئیں اور کچھ دیر فوج گفتگو رہیں۔ جب گھر جانے لگیں تو سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تک چھوڑنے کے لیے اٹھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ انہیں لے کر مسجد کے دروازہ تک پہنچے۔ اتفاق سے دو انصاری آپ ﷺ کے پاس سے گزرے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا، ذرا ٹھہرو، دیکھنا یہ میری بیوی صفیہؓ ہے (کہیں یہ خیال نہ آ جائے کہ رات کی تاریکی میں آپ ﷺ کے پاس کون عورت کھڑی ہے)۔ دونوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ہم ایسا سوچ بھی سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ میں وہ تمہارے دلوں میں کوئی ایسی بات نہ ڈال دے۔ (۲۳۵)

دوسری ازواج مطہرات کی طرح ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا گھر بھی علم و عرفان کا مرکز تھا۔ مرد و زن ان سے علمی استفادہ کرتے رہتے تھے۔ جیسا کہ مصیرہ بنت جابر فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو دیکھا کہ کوفہ کی بہت سی خواتین مسائل دریافت کرنے کے لیے ان کے پاس تھیں۔ مصیرہ بھی مسائل دریافت کرنے کی غرض سے آئی تھیں، اس لیے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے مختلف سوالات کرائے، جن میں بنید کے متعلق بھی ایک سوال تھا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس پر فرمایا، عراق کے لوگ اکثر

یہ مسئلہ پوچھتے رہتے ہیں۔ (۲۳۶)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت

امیر المومنین، خلیفہ ثالث، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جب فسادِ یلواہوں نے محاصرہ کر لیا اور اسبابِ زندگی (غلا، پانی) کی ترسہ بھی بند کر دی اور گھر پر یہر و خمد دیا گیا، تاکہ نہ تو کوئی اندر جاسکے اور نہ ہی وہ خود باہر نکل سکیں، تو اُم المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اُن کے پاس کھانا پانی بھجوانے کا خاص اہتمام فرمایا۔ سیدہ خود بھی خچر پر سوار ہو کر اپنے غلام کنانہ کے ہمراہ امام مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جا رہی تھیں کہ مالک الاشتر نے جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس نے آکر خچر کو مارنا شروع کر دیا۔ اس کا یہ ذلت آمیز رویہ دیکھ کر سیدہ نے الاشتر سے فرمایا۔ مجھے ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں، مجھے واپس جانے دو اور خچر کو چھوڑ دو۔ پھر سیدہ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو اس خدمت پر مامور کیا کہ وہ ان کے گھر سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا اور پانی پہنچائیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر اور سیدنا عثمان کے گھر کے مابین ایک لکڑی رکھ دی جس کے اوپر سے کھانا پانی پہنچایا جاتا تھا۔ (۲۳۷)

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے کھانے کی تعریف کیا کرتی تھیں، اور کبھی کبھار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عمدہ کھانا پکا کر تحفہ بھیجا کرتی تھیں۔

زہد و عبادت

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں بھی نیک شہرت کی مالک تھیں۔ علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكانت من سيدات النساء عبادة، وورعا، وزهادة وبرا وصدقة
رضی اللہ عنہا وارضاه۔ (۲۳۸)

ترکہ

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ترکہ میں ایک لاکھ روہم کی زمین و جائیداد چھوڑی تھی۔ انہوں نے اس میں سے ایک تہائی اپنے بھانجے کو دینے کی وصیت کی تھی۔ وہ بھانجا یہودی

تھا۔ امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ سیدہ صفیہؒ نے اپنے بھائی کے لیے تیس ہزار روہم کی وصیت کی تھی۔ (۲۳۹)

ساختہ ارتحال

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے رمضان المبارک ۵۰ھ میں وفات پائی۔ یہ زمانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ (۲۴۰)

بعض حضرات نے سن ۵۲ھ ذکر کیا ہے۔ لیکن علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں، پہلا قول صحیح ہے۔ (۲۴۱)

نکاح فرمائیں۔ آپ ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرمایا اور حضرت جعفر بن ابی طالب کو نکاح کا پیغام دے کر بھیج دیا۔ (۲۲۳)

۷۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ ادا کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے جب مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیہ کر دی تھی۔ (۲۲۵) اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَأَمْرًا ذُو مُنَّةٍ إِنَّ وَهَيْتَ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا فِي خَائِصَةٍ لَّكَ مِنْ ذُنُوبِ الْمُؤْمِنِينَ. (سورة الاحزاب: ۵۰)

ترجمہ: اور جو کوئی عورت ہو مسلمان اگر بخشہ اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لے لے کر نبی کو سوا سب مسلمانوں کے۔ (۲۲۶)

ابو عبیدہ سمر بن الجحی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷۔ میں جب خیبر سے فارغ ہوئے تو مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ ادھر حبشہ سے حضرت جعفر بن ابوطالب بھی مکہ مکرمہ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کے ذریعے حضرت میمونہ الحارث البہالیہ کو نکاح کا پیغام بھیجا، کیونکہ ان کے ہاں ان کی بہن اسماء بنت عمیس تھیں۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قبول کر لیا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل مقرر فرمایا اور سیدنا عباس نے ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں تھے۔ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو "سرف" کے مقام پر عروہ ادا فرمائی۔ (۲۲۷)

فضل و کمال

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا تعلق فی الدین اور مسائل کا ادراک اُن کی علمی حیثیت کو اُجاگر کرتا ہے۔ سیدہ سے ۶۱۳۶ احادیث مروی ہیں۔ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے حسب ذیل حضرات روایت کرتے ہیں:

سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن شداد بن ابیہ، سیدنا عبدالرحمن بن السائب اور سیدنا یزید بن اہم (یہ سب سیدہ کے بھانجے تھے)، عبید اللہ بن خولانی (سیدہ کے ربیب تھے)، ندبہ (باندی تھیں)، عطاء بن یسار، سلیمان بن یسار، ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس، کریم،

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

نام "برہ" تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر میمونہ نام رکھا۔ لفظ "میمونہ" یمن سے مشتق ہے اور اس کے معنی برکت ہیں۔ اور میمون اور میمونہ کے معنی "مبارک" کے ہیں۔

سلسلہ نسب یہ ہے: میمونہ بنت حارث بن حزن بن بحیر بن الہزم بن رومیہ بن عبد اللہ بن بلال بن عامر مضعہ بن معاویہ بن بکر۔

والدہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: ہند بنت عوف بن زہیر بن الحارث بن جاحلہ بن جرش۔

نکاح

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا تھا، لیکن کسی وجہ سے دونوں میں علیحدگی ہو گئی تھی۔ (۲۲۲)

سیدہ میمونہ آپ ﷺ کی زوجیت میں آنے سے پہلے ابوہریرہ بن عبد العزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سخرہ بن ابی رہم حوطب بن عبد العزیٰ یا قروہ بن عبد العزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ (۲۲۳)

حرم نبوی میں داخلہ

جب سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا پہلا شوہر ابوہریرہ بن عبد العزیٰ اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ القضاء کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے جا رہے تھے کہ سیدہ میمونہ کے بہنوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ مقام جھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور سیدہ کی بیوگی کا تذکرہ کیا، اور چاہا کہ آپ ﷺ اُن سے

میں آباد تھا۔ سیدہ کے والد شمعون مصری قبطی شخص تھے، جبکہ ماریہ کی والدہ ایک رومن خاتون تھیں۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے اپنا بچپن اپنے گاؤں میں گزارا، پھر اپنی بہن کے ساتھ متوقس کے محل میں منتقل ہو گئیں۔ یہ بات اہل تاریخ سے پرشیدہ ہے کہ آخر وہ کون سی چیز تھی جس نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنا شہر چھوڑنے پر برا بھلا کیا۔ کیونکہ اہل مصر کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنا ملک نہیں چھوڑتے اور دریائے نیل کی طرح مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی سخت مجبوری لاحق ہو تو اہل مصر اپنا ملک چھوڑنے پر بہر حال تیار ہوتی جاتے ہیں۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی طرح ہو جائیں۔ اُن کے دل میں یہ خواہش کیسے پیدا ہوئی؟... اس میں مختلف احتمال ہیں؛ یا تو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے کتب سابقہ کا مطالعہ کیا تھا، اُن کتابوں میں پیغمبرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ تھا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِي إِسْرَآءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ. (سورۃ النسا: ۶)

ترجمہ: جب عیسیٰ بن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام "احمد" ہوگا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے قصے اور اُن کے حالات کا مطالعہ کیا ہو۔

حَرِیمِ نَبَوِیِّ مِیں آمَد

جب حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے شاہِ متوقس کے تحائف سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلی معلوم ہوئیں، لہذا آپ ﷺ نے

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

سیدہ ماریہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا "ماریہ قبطیہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ ۶ھ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تو اسکندر یہ مصر قبط کے بادشاہ متوقس کی طرف بھی ایک نام مبارک حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ بادشاہ متوقس آپ ﷺ کی دعوت سے بے حد متاثر ہوا اور آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں تاوڑ، قیمتی اور عالی شان تحائف بھیجے، جن کی تفصیل اس طرح ہے:

- ۱۔ ایک حسین و جمیل باندی، جس کا نام "ماریہ بنت شمعون" تھا۔
- ۲۔ ماریہ کی بہن "سیرین" نامی باندی۔
- ۳۔ حبشی خادم، جس کا نام "ماہوز" تھا۔
- ۴۔ سفید پیشانی والا فخر، جس کا نام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے "ولدل" رکھا تھا۔ یہ اپنے خوبصورت سفید رنگ کی وجہ سے عرب میں ایک خاص یکتائی کا حامل تھا۔
- ۵۔ زین و لکام سے مسلح عمدہ گھوڑا، جس کا نام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے "سیمون" رکھا تھا۔
- ۶۔ بھورے رنگ کا حمار، آپ ﷺ اسے "عفیر" کے نام سے پکارتے تھے۔
- ۷۔ ایک ہزار مختال سونا
- ۸۔ بیس عدد انتہائی نفیس مصری کپڑے
- ۹۔ شہد، وغیرہ

خاندانی تعارف

سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا مصریہ ہیں، جنہیں مورخین "قبطیہ" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ سیدہ ماریہ مصر کے ایک اعلیٰ خاندان "عفن" سے تعلق رکھتی تھیں، جو مصر کے علاقہ "الجبنا"

دیں، تاکہ حضرت ہاجرہ معمریہ علیہا السلام کے مثل ہو جائیں، جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شادی فرمائی تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی اس خواہش کا پورا ہونا بظاہر ناممکن تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے اب تک کسی کے ساتھ یہ حالت پیدا نہ ہوئی تھی، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انہوں نے کئی سال گزار دیئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش کو پورا فرمایا۔ وہ حاملہ ہو گئیں اور ان کے ہاں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

ایک بدگمانی کا ازالہ

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر بعض لوگوں کی بدگمانی سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ مقوقس نے حضرت ماریہ اور ان کی بہن کے ساتھ مایور نامی ایک غلام کو بھی روانہ کیا تھا، تاکہ ان دونوں کی ضروریات کی دیکھ بھال اور انتظام و انصرام کرے اور ان کی خدمت کرے۔ لہذا مایور ان کے لیے کھڑیاں چٹا کرتا تھا، پانی کے مشکیزے بھرتا اور ضرورت کا سامان خرید کر لاتا۔

لوگوں نے طرح طرح کی باتیں بنائی شروع کر دیں اور پردیسوں کا خیال کیے بغیر ان کے بارے میں بدگمانی شروع کر دی۔ اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ ایک غلام نے ایک باندی سے صحبت کی ہے۔

یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ آپ ﷺ نے سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا تو دیکھا کہ غلام سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے لیے پانی بھر رہا ہے، پھر اس نے پانی کا مشکیزہ پھینکا اور کھجور کے درخت پر چڑھ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر مایور پر پڑی، کیا دیکھتے ہیں کہ وہ خفی اور نامرد تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو درست برائے تک پہنچا ہے، حاضرہ چیز دیکھ سکتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا۔ (۲۵۹)

حضور ﷺ کے بعد سیدہ کا طرز زندگی

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی زندگی اور آپ کی وفات کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باوفا اور ثابت قدم اہلیہ ثابت رہیں۔ لیکن حضرت ابراہیم کی وفات کے

اپنے لیے ان کا انتخاب فرمایا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا گوری رنگت اور خوبصورت بالوں کی حامل حسین و جمیل خاتون تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا حجروں میں نہ رہیں، لہذا آپ ﷺ نے مدینہ کے ”عالیہ“ نامی خوبصورت علاقہ میں حضرت ماریہ کی رہائش کا انتظام کر دیا۔ یہ علاقہ خوبصورت و شاداب درختوں پر مشتمل تھا۔ شاید کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت یہ تھی کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو سرسبز جگہ رہائش دی جائے، تاکہ یہ ان کے ملک معمر کے مشابہ ہو، کیونکہ معمر اپنی زرخیزی و شادابی میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا۔

آپ ﷺ کثرت سے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ بعض اوقات ان کے پاس کافی وقت گزار دیتے۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قلبی تعلق کی وجہ سے دوسری ازواج کو فطری انسوس لاحق تھا۔ لیکن انہیں اس بات سے تسلی ہو جاتی تھی کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی بیوی تھیں۔

سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا میں ایسی خصوصیات کا مشاہدہ فرمایا جو کسی دوسری زوجہ میں نہ تھیں۔ یہ معمری خاتون کی شان تھی۔ وہ اپنے معاملہ میں یکتا تھیں، لہذا انہوں نے کئی خصوصیات کو حاصل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پر دہا کر دیا۔ ان کے پاس اکثر تشریف لے جاتے۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ یہاں اس لیے آئی ہیں تاکہ خاتم الانبیاء والمرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کریں، جن کے بارے میں آسمانی کتابیں بھی خبر دیتی ہیں۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ وہ کسی ایسے مسلمان سے شادی کریں جو اس نبی پر ایمان لایا ہو۔ لیکن خدا کی قدرت اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مربوط ہو چکی تھیں، لہذا حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے ان اخلاق و آداب کو اختیار کیا جو انہیں اپنانے چاہئیں تھے۔ خاموشی کے ساتھ اللہ کی بندگی میں لگی رہیں۔ انسانیت کے رسول اور اپنے ذی قدر خاوند کے حقوق کی ادائیگی میں مصروف رہیں۔

قرنید اور جسد کی ولادت

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ کسی معجزہ کا ظہور ہو، وہ حاملہ ہوں اور لڑکے کو جنم

بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عرصہ دنیا میں موجود نہ رہے۔ آپ ﷺ کو مرض الوفات لاحق ہوا۔ آخری وقت میں تمام زوجات آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری تھیں۔ یہاں تک کہ داعی اجل نے پکارا۔ آپ ﷺ نے اسے لپک کر کہا اور جان جان آفریں کے سپرد کردی اور رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا غموں سے ڈوب گئیں اور آپ ﷺ کی وفات پر شدتِ الم سے آنسوؤں کی برسات اُن کی آنکھوں سے جاری تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے عینِ حق میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ مصر واپس جا کر اپنے خاندانِ والوں کے ساتھ مل جانے اور وہیں زندگی گزارنے کے بارے میں سوچا اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے عبادت گزاری اور مکمل گوشہ نشینی کی زندگی گزاری۔ وہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوی یعنی اپنی بہن سیرین کے علاوہ کسی سے نہ ملتی تھیں۔ خلیفہِ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت ماریہ کی دیکھ بھال فرمایا کرتے تھے۔ ان کے نان و نفقہ کی ذمہ داری بھی سنبھالی اور اُن کے احوال و حاجات کا انتظام بھی اپنے ذمے لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رفیقِ اعلیٰ سے وصال کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے۔ وہ بھی ان کی زیارت کرتے، ان کی ضروریات کو پورا کرتے اور اُن کے لیے قیمتی عطایا کا انتظام فرماتے، اُن کی زندگی عمدہ بنانے کی کوشش اور سعی فرماتے۔

سانچہ ارسنال

ہجرت کے سولہویں سال، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی خبر ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع فرمایا۔ حضرت ماریہ کی تجہیز و تکفین کا انتظام فرمایا اور انہیں جنت البقیع میں اُن کے بیٹے حضرت ابراہیم کے قریب دفن کر دیا۔

آلِ بیتِ ولادت

شاہ کونین ﷺ کی شہزادیاں

علامہ قسطلانی (م ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

ان جملہ ما اتفق علیہ منہم ستۃ، القاسم و ابراہیم، و اربع بنات،
 زینب و رقیہ و ام کلثوم و فاطمہ، و کلہن ادرکن الاسلام
 و ہاجرن معہ، و اما ابراہیم فمن ماریہ القبطیۃ۔^(۱)

ترجمہ: اس پر سب متفق ہیں کہ حضرت خدیجہؓ سے حضور ﷺ کی چھ اولادیں ہوئی ہیں؛
 قاسم، ابراہیم اور چار بیٹیاں: زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ۔ تمام بیٹیاں اسلام سے مشرف ہوئیں
 اور اپنے والد گرامی قدر کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا۔ سو حضور ﷺ کے بیٹے
 ابراہیمؓ کے، وہ سیدہ ماریہ قبطیہؓ سے پیدا ہوئے۔

شہزادی زینب رضی اللہ عنہا

شہزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ
 رضی اللہ عنہا کے بطن سے جنم لینے والی سب سے پہلی چشم و چراغ خاندان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
 تھیں۔ عربوں کی عادت یہ تھی کہ پہلے بچے کی پیدائش پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے۔
 جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک نکاح کے اس شہرہ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور
 اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ پر اس کا شکر ادا کیا۔

سب سے بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی ولادت کے وقت حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تیس سال کی تھی۔ (۲)

قبول اسلام

اعلان نبوت کے بعد اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے حلقہٴ مگوش اسلام میں داخل ہوئیں، اور ان کے ساتھ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد بھی مشرف بہ اسلام ہوئی۔ اس طرح آپ کی چاروں شیرادیاں بھی ابتدا ہی سے نور ایمان و اسلام سے شرف بار ہو گئی تھیں۔ (۳)

عقد نکاح

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ بنت خویلد نے اپنے بیٹے ابوالعاص کے لیے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خواہش بھی یہی تھی کیونکہ ابوالعاص بچپن ہی سے عمدہ عادات و خصائل اور شریفات اخلاق کے مالک تھے، اور سیدہ خدیجہ ان سے بیٹوں کی طرح محبت کرتی تھیں۔ بہر حال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے اتفاق فرمایا، اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص کے ساتھ ہو گیا۔ اور یہ نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہوا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو ابوالعاص کو بھی ایمان کی دعوت دی گئی، لیکن وہ اپنے قدیم دین پر عرصہ تک قائم رہے۔ (۴)

معرکہ بدر میں ابوالعاص کی شمولیت

معرکہ بدر میں ابوالعاص بھی مشرکین مکہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور مشرکین نئی طرح غائب و خاسر اور ناکام ہوئے۔ ستر نامی گرامی سردار قتل اور ستر آدمی گرفتار ہو گئے۔ ابوالعاص بھی قید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ مسلمان چاہتے تھے کہ مشرکین سے قیدیوں کے سلسلہ میں اپنا حق وصول کریں، لہٰذا وہ بہت زیادہ فدیہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اہل مکہ نے مسلمانوں کے اس مطالبہ کو اپنے قیدیوں کو آزاد کروانے کی فکر میں قبول کر لیا تھا، کیونکہ اہل مکہ جلد از جلد اپنے قیدیوں کو آزاد کروانا چاہتے تھے، تاکہ اس عار سے نکل سکیں جو ان کے مقدس میں لکھا جا چکا تھا۔

قیدیوں کو آزاد کروانے کے لیے آنے والوں میں ابوالعاص کے بھائی بھی تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ”میں زینب بنت محمد کی طرف سے آیا

ہوں اور میرے پاس ایک تھیلی ہے۔“ اُس نے وہ تھیلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا، ”یہ میرے پاس ابوالعاص کا فدیہ ہے۔“ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تھیلی کو کھولا تو دیکھا تو حیران ہوئے اور فرمایا، ”اے زینب! اللہ تیرا بھلا کرے، یہ تو خدیجہ کا ہار ہے۔“ پھر خاموش ہو گئے اور فرمایا کہ ”یہ ہار زینب کی والدہ نے ان کی شادی کے موقع پر انہیں ہدیہ کیا تھا۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش ہو گئے۔ انہوں نے معاملہ کی سنگینی کو بھانپ لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گویا ہوئے اور فرمایا، ”اگر تم بھاری رائے ہو تو اُس کا قیدی چھوڑ دو، اور اُس کا مال بھی واپس کر دو۔“ صحابہ نے خوشی کے ساتھ اس رائے کو قبول کر لیا۔ (۵)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے یہ وعدہ بھی لے لیا کہ وہ مکہ پہنچ کر زینب کو مدینہ منورہ پہنچا دیں۔

سیدہ زینب کی ہجرت مدینہ

جب ابوالعاص بن ریحہ مکہ پہنچے تو اپنی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ جانے کی تیاری کر لیں۔ پھر اپنے بھائی کسانہ بن ریحہ کو قسم دیا کہ ان کے لیے اونٹ تیار کریں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ کسانہ نے اپنی کمان کو پکڑا، تلوار کو لٹکایا اور دن کے وقت اونٹ کی لگام پکڑنے لوگوں کے سامنے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو گیارہ میں بٹھا کر لے کر چل پڑے۔

تو قریش کو اس واقعہ کی خبر ہو چکی تھی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ کو بھی اطلاع پہنچی۔ ”غزوہ بدر کے واقعات اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم رہے تھے اور جنگ کے مقتولوں کے چہرے اس کے تصورات میں چھائے ہوئے تھے۔ وہ روزانہ قریش کی محافل میں جاتی، لوگوں کو مسلمانوں سے انتقام لینے پر برا بھلا کہتی، کیونکہ انہوں نے اس کے باپ عتبہ بن ربیعہ، چچا شیبہ، اس کے بھائی ولید بن عتبہ، اس کے چچا زاد عبیدہ اور عاص بن سعید بن العاص اور اُس کے سوتیلے بیٹے حنظلہ بن ابی سفیان، بن حرب کو قتل کر دیا تھا۔

بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس آئی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اُس گفتگو کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں، میں کہ میں اپنے والد کے پاس جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ ہندہ بنت

عتبہ میرے پاس آئیں اور کہا، "اے محمد کی بیٹی! میں نے سنا ہے کہ تو اپنے والد کے پاس جا رہی ہے، کیا واقعی ایسا ہے؟" میں نے کہا کہ "میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔"

ہند نے کہا، "آپ ایسا نہ کریں، اگر آپ کو سفر میں ضرورت کو پورا کرنے کا سامان درکار ہو یا اپنے والد تک پہنچنے کے لیے مال کی ضرورت ہو تو میں آپ کی ضروریات پوری کر سکتی ہوں، آپ مجھ سے نہ ریں، کیونکہ جو دشمنی مردوں کے مابین ہے، وہ عورتوں کے درمیان داخل نہیں ہو سکتی۔"

مشکل کا سامنا

کفار مکہ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکہ سے نکلنے کا علم ہو گیا، لہذا انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا چھپا لیا۔ سب سے آگے بہار بن اسود اور نافع یا خالد بن عبد قیس تھے۔ بہار نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو نوکدار ہمیز چھوٹی اور انہیں چٹان پر گرادیا۔ ان دونوں حضرت زینب رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں اور آپ کے حمل کو چار ماہ گزر چکے تھے۔ حمل ساقط ہو گیا۔ حمل کے ساقط ہونے کی وجہ سے انہیں ضعف اور مرض لاحق ہو گیا۔

ابو العاص کا بھائی کنانہ (جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھا) لوگوں سے لڑنے کو تیار ہوا، لیکن وہ لوگ اس سے بہت دور تھے۔ ابوسفیان دور کھڑا کنانہ بن ریح سے گفتگو کرنے لگا اور پکار پکار کر کہا، "ہم آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں، اپنے حمل کو روک لو۔" ابوسفیان ان کے بالکل قریب آیا اور کہا، "اے کنانہ ابن الریح! تو نے درست کام نہیں کیا، تو علی الاطلاق اس عورت کو لوگوں کے سامنے سے لے کر نکال، حالانکہ تجھے اس مصیبت کا علم تھا جو ہمیں لاحق ہوئی تھی۔ اور تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر حمل کا بھی علم ہے۔ لوگ یہ خیال کر رہے ہیں کہ یہ مصیبت ہمیں بزدلی کی وجہ سے پہنچی ہے اور اب ہم کمزور اور شکستہ دل ہو چکے ہیں۔ بخدا ہمیں زینب کو اس کے والد کے پاس جانے سے روکنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن جب آوازیں ماند پڑ جائیں گی اور لوگ یہ باتیں کرنے لگیں گے کہ ہم نے اسے واپس کر دیا ہے تو خاموشی سے اسے لے جانا اور اسے اس کے والد سے ملا دینا۔"

جب ہند بنت عتبہ کو اس سارے واقعہ اور حضرت زینب کی واپسی کا علم ہوا تو انہیں بہت دکھ ہوا۔ وہ اپنی قوم کا مذاق اڑانے لگیں اور انہیں ملامت کرتے ہوئے کہا، "کیا ایک عورت کے خلاف معرکہ لڑ رہے ہو؟ یہ بہادری یوم بدر میں کیوں نہ تھی؟"

افى المسلم اعيار جفاء و غلظة

ولفى الحروب انباء النساء المعوارك

ترجمہ: امن کے موقع پر سخت اور پچھاڑنے والے بہادر مرد سے بن جاتے ہیں، جبکہ لڑائی میں پردہ نشین عورتوں کے مثل ہو جاتے ہو۔

(یعنی: امن کے موقع پر غم، بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہو، لیکن جنگ میں شریف عورتوں کی طرح شرمیلے بن جاتے ہو)۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مقام "ذوطوی" تک پہنچ چکی تھیں، لیکن ان کے خالہ زاد کنانہ بن ریح مجبور تھے کہ انہیں واپس مکہ لائیں۔ کیونکہ ان کا حمل بھی ضائع ہو چکا تھا اور کمزوری اور ناتوانی کا شکار ہو چکی تھیں۔

کچھ دن وہ گھر میں رہیں، آرام کیا، پھر سفر شروع کیا۔ یہاں تک کہ مدینہ کے قریب زید بن حارثہ اور ان کے ساتھ موجود صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی اور آپ مدینہ پہنچ گئیں۔^(۶)

ادبائشوں کے قتل کا حکم

بیٹی کے ان دل آزار حالات کی اطلاع جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو تمکین بھی ہوئے اور غضب ناک بھی۔ آپ ﷺ نے ان ظالم اور بدکردار افراد کو کفر کر دار تک پہنچانے کی ٹھان لی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ روانہ کیا۔ میں بھی اس میں شامل تھا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اگر بہار بن اسود اور نافع بن عبد قیس، جس نے سیدہ زینب کی طرف دست دراز کیا تھا، دونوں کو پکڑ کر جلا دینا۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں، یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو نہیں دیا تھا۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا، میں نے تمہیں دو آدمیوں کو جلا دینے کا حکم دیا تھا، بعد میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شخص کے لیے یہ بات سزاوار نہیں کہ وہ آگ کی سزا کسی کو دے، لہذا تم ان دونوں کو قتل کر دینا۔^(۷)

مدنی زندگی

حضرت زینب اپنے بچوں کے ساتھ اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں زندگی

علیہ وسلم نے "اللہ اکبر" فرمایا اور باقی لوگوں نے بھی "اللہ اکبر" کہا، اچانک سب نے ایک آواز مٹی۔ یہ حضرت زینب کی آواز تھی۔ وہ کہہ رہی تھیں، "اے لوگو! میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے۔"

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، "اے لوگو! جو میں نے سنا، وہ تم نے سنا ہے؟" لوگوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، "وتم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا، یہاں تک کہ میں نے بھی وہی سنا جو تم نے سنا ہے، مسلمانوں کا کوئی ترین شخص بھی پناہ دے سکتا ہے، اور تحقیق جس کو زینب نے پناہ دی، اُسے ہم نے بھی پناہ دی۔" (۸)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے پاس تشریف لائے۔ حضرت زینب نے عرض کیا، "یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ابوالعاص کو پناہ دے دی ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اے میری بیٹی! اس کے ساتھ اچھا سلوک کر، لیکن وہ آپ کے بارے میں بے لوث نہ ہونے پائے، کیونکہ اب آپ اس کے لیے حلال نہیں ہیں۔" (۹)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابوالعاص پہ احسان

ابوالعاص نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ساری بات سنائی کہ وہ مسلمان ہو کر نہیں آئے، بلکہ وہ تو کسی اور کام کے لیے آئے ہیں۔ یعنی صورت حال یہ ہے کہ وہ اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے تمہارت کی غرض سے شام سے واپس آ رہے تھے، ان کے ساتھ کچھ قریشی مرد بھی تھے کہ اچانک مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان پر حملہ کر دیا، جس میں زید بن حارثہ بھی تھے اور ان کے ساتھ ایک موسٹر آدمی تھے۔ انہوں نے قریشیوں سے سارا مال جین لیا اور قریشی قتل کے خوف سے فرار ہوئے۔ اور یہ بھی ڈرتے ہوئے اپنی خالہ کی بیٹی کے گھر میں پناہ گزین ہوئے ہیں۔ حضرت زینب نے کہا، "میں اپنی خالہ کے بیٹے اور علی اور امام کے والد کو خوش آمدید کہتی ہوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا، "اس شخص کا جو تعلق ہمارے ساتھ ہے، تم حضرات اچھی طرح جانتے ہو۔ جو مال تمہارے ہاتھ لگا ہے، یہ عنایت خداوندی ہے۔ مگر میں پسند کرتا ہوں کہ تم لوگ اس پر احسان کرو اور مال واپس کر دو۔ اگر تم مال واپس کرنے پر

گزار نہ لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملاقات کرتے، اپنے لوہے اور نواسی کو پیار کرتے۔ حضرت زینب دیکھتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے امور میں مصروف ہیں اور آپ ﷺ کی دعوت بجلی کی رفتار سے دنیا کے ملکوں میں پھیلتی جا رہی ہے، لیکن مکہ اور مدینہ والوں کے درمیان دشمنی جو حتیٰ جا رہی تھی۔ مسلمان ان تکالیف کو فراموش نہ کر سکے تھے جو انہیں قریشی سرداروں کے ہاتھوں سے پہنچی تھیں۔ دشمنی بدستور قائم تھی اور انتقام کے موقع کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ مسلمان صحراؤں کا چکر لگا کر رہتے تھے، تاکہ شام سے آنے یا شام کی طرف جانے والے کسی کافر کو پکڑ لیں۔ اور مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے لشکر اُن کے تاجروں اور قافلوں کو تاش کرتے تھے تاکہ مکہ کے لوگوں کو پکڑ لیں اور اُن کا سامان تجارت حاصل کر لیں۔

ابوالعاص کے تجارتی قافلے پر حملہ

اسی طرح ایک مرتبہ وہ صحرا کا چکر لگا رہے تھے کہ انہوں نے شام سے ایک قافلہ آتے ہوئے دیکھا۔ یہ اس کی گھات میں جڑے گئے، پھر اُس کو گھیر لیا۔ جو کچھ ان کے پاس تھا، سارے کا سارا جین لیا۔ اگر اُس قافلہ کے افراد اہل کے خوف سے فرار نہ ہو جاتے تو مسلمان ان کو قیدی بنا لیتے۔

قافلہ کے افراد اپنے شہر مکہ پہنچے، سوائے ابوالعاص کے۔ کیونکہ وہ مستقبل کی منصوبہ سازی کر رہا تھا۔ بہت سے قریشی لوگوں نے اسے بہت سامان دے رکھا تھا، جس کی واپسی کا وہ ذمہ دار تھا۔ وہ کوئی ایسا صلہ سوچ رہا تھا جس کے ذریعے سارا لیا بھش مال واپس لینے کا انتظام ہو جائے، یا پھر کوئی ایسا کام کرے جس سے مکہ والوں کو معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنے پاس موجود مال میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، اور اُس نے اس مال کی خاطر وہ سب کچھ کیا جو اُس کی قدرت میں تھا۔ مال کے لیے ابوالعاص کی تنگ دود

آخر کار ابوالعاص اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ اپنی خالہ زاد حضرت زینب کے پاس جائے اور ان سے مال کی واپسی کا کوئی راستہ نکوائے۔

جب مات ہوئی، وہ گھٹا نوپ اندھیرے میں مدینہ میں داخل ہوا۔ چلتے چلتے سیدہ زینب کے گھر پہنچا۔ اس نے حضرت زینب کو پناہ کے لیے پکارا۔ حضرت زینب نے اسے پناہ دے دی۔ صبح کی روشنی نمودار ہو چکی تھی، نمازی صبح کی نماز کی تیاری کر رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ

رضا منہ نہیں ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ تم مال کے زیادہ حقدار ہو۔“

صحابہ کرامؓ نے برضا و رغبت تمام مال واپس کر دیا یہاں تک کہ اوتھ کی تکمیل کی رشتی تک بھی واپس لوٹا دی۔ ابوالعاصؓ تمام مال لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ وہاں ہر کسی کا مال اس کے سپرد کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور پھر مدینہ منورہ لوٹ آئے۔^(۱۰)

تجدید نکاح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پایا اور دو گواہوں اور ایک ولی کی موجودگی میں نکاح جدید کروایا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک پہلے نکاح کو ہی لوٹا یا تھا۔

حضرت ابوالعاصؓ زینبؓ اور ان کے بیٹے علیؓ اور امامہؓ جمع ہو گئے۔ اس تعلق کو ایک سال گزر اٹھا کہ ۸ سن بھری شروع ہو گیا۔ حضرت زینبؓ اس واقعہ کی وجہ سے ابھی تک متاثر تھیں جو انہیں پہلی مرتبہ دینا آتے ہوئے پیش آیا تھا۔ ان کا اصل ساقط ہو گیا تھا اور وہ چٹان پر گر گئی تھیں۔ وہ اس تکلیف کو محسوس کرتی رہیں۔ مرض بڑھتا رہا، کوئی علاج معالجہ اور ابوالعاصؓ کی تیمارداری دیکھ بھال راس نہ آئی۔ حضرت زینبؓ بستر پر پڑی اللہ کے امر کا انتظار کرنے لگیں، یہاں تک کہ آخری وقت آیا اور وہ دار آخرت کی طرف منتقل ہو گئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فلکین دل کے ساتھ تشریف لائے۔ ان کے لیے اللہ سے دعا کی۔ عورتوں کو نصیحت کی کہ ان کو طلاق عد میں غسل دیں اور آخر میں انہیں کا نور خوشبو لگائیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔ پھر مدینہ میں موجود صحابہ کرامؓ نے انہیں ان کے آخری گھر میں منتقل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر رحم کرے اور ان سے راضی ہو۔

شہزادی رقیہ رضی اللہ عنہا

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش سیدہ زینبؓ کے تین سال بعد ہوئی۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ مکرمہ ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ازواجی زندگی

قدیم دستور کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہیں کا رشتہ یعنی منکلی اپنے چچا ابولہب کے دو بیٹوں متبہ اور صحیب سے کر دیا تھا۔ یہ صرف امتساب نکاح تھا، رخصتی اور عروسی کی نوبت نہیں آئی تھی۔

جب یہ آیات نازل ہوئیں، تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ، تو ابولہب نے دونوں بیٹوں پر زور دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دے کر فارغ کر دو۔ چنانچہ طلاق دے کر انہیں علیحدہ کر دیا گیا۔^(۱۱)

سیدہ کے ساتھ عثمانؓ کا عقد

چونکہ اب اسلام کا دور درود شروع ہو چکا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و عمل حکم خداوندی کے تابع ہوتا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا أَنَا أَزْوَاجٌ يَنْتَابِي. وَلَكِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَزْوَاجُهُنَّ. (۱۲)

ترجمہ: میں اپنی لخت جگر شہزادیوں کا نکاح اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ نہیں کرتا، بلکہ اللہ کی جانب سے ان کے نکاحوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کروایا تو ارشاد فرمایا:

وما زوجتہ الا بالوحي من اللہ. (۱۳)

ترجمہ: میں نے اللہ کے حکم سے اپنی بیٹی کا نکاح عثمان کے ساتھ کیا ہے۔

ہجرت حبشہ

مسلمانوں کی ایک جماعت، جو کفار کی تکالیف سے تنگ آ چکی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ برائی کا بدلہ برائی کی بدولت لڑائی سے دیا جائے۔ لیکن اکثریت کی رائے یہ تھی کہ ایسا کرنا اُس وقت تک فائدہ نہیں دے سکتا جب تک مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں تھوڑی ہے۔

تمام لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کے منتظر تھے، لہذا آپ ﷺ نے مسلمانوں سے جو نکتہ فرمایا، اُس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ کفار کی سختیوں کو روکنے کی قدرت نہیں رکھتے، لیکن ان کو اس بات کا مشورہ دیتے ہیں کہ وہ سرزمین حبشہ کی طرف نکل جائیں، وہاں ایک بادشاہ ہے جس کی موجودگی میں کسی پر ظلم نہیں ہو سکتا۔ وہ سلامتی والی سرزمین ہے، یہ لوگ وہیں رہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کشادگی پیدا فرما دے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سرفہرست تھے۔ ان کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون تھیں جنہوں نے ہجرت میں اپنے خاوند کی موافقت کی۔ عجیب بات تو یہ تھی کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے کبھی نہ کو نہ چھوڑا تھا اور نہ ہی ان کے بس میں تھا کہ وہ اپنے گھر کو چھوڑ دیں۔ لیکن اپنے خاوند کی موافقت کی محبت اور ان کی خاطر قربانی کے جذبہ نے ہجرت پر انہماک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی جدائی برداشت نہ کر سکی تھیں، لیکن انہوں نے اس جدائی کو جھٹلایا اس لیے برداشت کیا کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کے ساتھ رہیں۔

یہ نیک بخت خاتون اپنے عظیم خاوند کے ساتھ لیے سفر کے لیے روانہ ہو گئی۔ یہ ایک بہت مختصر سی جماعت تھی جو تقریباً دس افراد پر مشتمل تھی۔ آل عثمان میں سے ابو جہل بن عبد بن ربیعہ جو ابوسفیان کی اہلیہ ہند کے بھائی تھے اور ان کی بیوی سہلہ بنت سمیل عامریہ رضی اللہ عنہم شامل

تھے۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زبیر بن عوام، معتب بن عمیر بن ہاشم اور دوسرے اہل وقارب شامل جماعت و رفقاء سفر تھے۔

یہ ایمانی قافلہ نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں ارض حبشہ میں پہنچا۔ وہاں امن و امان، عبادت کی آزادی اور اطمینان میسر آیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اسلام میں پہلی ہجرت ملک حبشہ کی طرف تھی، اور مسلمانوں میں سب سے پہلے جو شخص ہجرت کے لیے نکلا، وہ عثمان بن عفان تھا اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“ (۱۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیدء ائہ اول من ہاجر بعد ابراہیم و لوط۔ (۱۵)

ترجمہ: اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ

مسلمان چند سال تک حبشہ میں مقیم رہے۔ پھر ایک غلط فہم پانچواں سال کی طرف واپس ایلے۔ جب یہ قافلہ اسلام مکہ کے قریب پہنچا تو انہیں مکہ کا ایک شخص ملا، جس کا تعلق کنانہ قبیلہ سے تھا۔ مہاجرین نے اس سے قریش اور ان کی حالت کے بارے میں پوچھا تو اُس شخص نے جواب دیا، ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم بدستور ان کے معبودوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں، قریش والے ان کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں، ہم نے انہیں اس حال میں چھوڑا ہے۔“

مہاجرین نے دوبارہ حبشہ کی طرف لوٹ جانے کے بارے میں غور و فکر کیا۔ پھر کہا کہ ہمیں خود مکہ میں داخل ہو کر قریش کے رویہ پر غور کرنا چاہیے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ سے لوٹ آئے۔

اسی اثنا میں مدینہ منورہ کی ہجرت کی صورت سامنے آ گئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مدینہ کی ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیہ کے

نہراہدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

سیدنا عثمان اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا وہ خوش نصیب انسان ہیں جنہیں وہ ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہ اعزاز بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، اور پھر ہجرت حبشہ میں سبقت کا اعزاز بھی انہی کو حاصل ہوا۔ ہجرت اولیٰ کے مہاجرین میں سب سے پہلی و اذل آپ ہی تھے۔ گویا کہ "ام المہاجرین" کی حیثیت کے حامل تھے، اور لسان نبوت سے بھی اس شرف و افتخار کا اعلان ہوا تھا۔

شوہر کی خدمت گزاری

جیسا کہ ایک وفادار بیوی خادمہ پر سو جان سے نثار ہوتی ہے، اور خاوند کی خدمت اپنا فرض منصبی سمجھتی ہے، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر نامہ دار کی خدمت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتی تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی ترغیب اور تربیت تھی۔ حدیث شریف میں ہے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو اُس وقت سیدہ رقیہ اپنے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کا سر دھو رہی تھیں اور کنگھی سے اُن کے بال سنوار رہی تھیں۔ آپ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا:

يا بنیة! احسبى الى ابی عبد اللہ. فانه انبہ اصحابی ہي خلقا. (۱۶)

ترجمہ: اے جان پدار! اپنے شوہر عثمان کے ساتھ حسن معاملہ اور عمدہ سلوک کرنا۔ حسن اخلاق کے اعتبار سے وہ تمام صحابہ میں سے میرے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کرشمہ تھا کہ وہ تازہ پروردہ صاحبزادی شوہر کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ بھی کتنے خوش نصیب ہیں جن کی توصیف لسان نبوت سے کی جا رہی ہے۔

شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی باہمی محبت و اُلفت اور حسن معاشرت لوگوں میں ضرب المثل بن گئی تھی۔ اور اُن کے اس قابل تحسین لائحہ عمل کے پیش نظر یہ بات زبان زد عام تھی:

احسن الزوجین راہما الانسان
رقیة وزوجها العثمان (۱۷)

ترجمہ: میاں بیوی کا سب سے اچھا جوڑا جو لوگوں نے دیکھا ہے، وہ رقیہ اور عثمان ہیں۔

سانچہ ارتحال

۳۲ میں جب کفر اور اسلام کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ جنگ بدر پر پا ہونے والا تھا، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام غزوہ بدر کی تیاری میں مصروف تھے۔ شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو خسرہ کا عارضہ لاحق ہو گیا اور نہایت سخت تکلیف ہوئی۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی سے فرمایا، رقیہ بیمار ہیں، آپ ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ ہی میں رہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے خادم خاص حضرت اسامہ بن زید کو بھی مدینہ ٹھہرنے کا حکم دیا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غزوہ بدر میں حضرت عثمان کی عدم شمولیت کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی، جو آپ کی بیوی تھیں، بیمار تھیں۔

لنقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لك اجور رجل ممن
شهد بدوا و سبعة. (۱۸)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اس کی تیمارداری کرو اور ہمیں اس شخص کے برابر اجور مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا، جتنا بدر میں شریک ہونے والے کو ملے گا۔
علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۳۶۳ھ) رقم طراز ہیں:

تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عثمان غزوہ بدر میں محض اس وجہ سے شریک نہ ہو سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ اپنی بیوی حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی تیمارداری پر مامور تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مال غنیمت میں حصہ عطا فرمایا، اور شرکت بدر کے اجر و ثواب کی بشارت بھی سنائی۔ (۱۹)

عین اسی دن، جس دن حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں آکر فتح بدر کا مشرودہ سنایا، سیدہ رقیہ نے وفات پائی۔ ابھر مسلمان غزوہ بدر میں اللہ کی مدد کے نزول کی فرحت سے سرشار ہو کر مدینہ واپس لوٹ رہے تھے، اسی خوشی میں سیدہ کے انتقال کے غم کا پہلو بھی شامل ہو گیا۔

وصال کے وقت سیدہ کی عمر بیس سال تھی۔ (۲۰)

سیدہ کا انتقال ہجرت کے دوسرے سال ہوا۔ (۲۱)

اولاد و امجاد

شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہا سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ دونوں کی ولادت حبشہ کے دوران ہوئی۔ ایک بچہ ناتمام پیدا ہوا۔ پھر دوسرا بچہ اللہ نے عطا فرمایا، جس کا نام عبد اللہ رکھا گیا۔ اسی کے نام سے حضرت عثمان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ چھ سال کی عمر میں سرخ نے بچے کے چہرے پر ٹھونگ ماری۔ چہرہ پر قرم آگیا، اور اسی عارضہ میں بچے کا انتقال ہو گیا۔ (۲۲)

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

ولادت باسعادت

شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی ولادت کے متعلق مؤرخین کی مختلف آراء ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ وہ اپنی بہن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی اور اپنی بہن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑی تھیں۔

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ (م ۳۶۳ھ) لکھتے ہیں:

حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی والدہ خدیجہ بنت خویلد تھیں، ان کی پیدائش مصعب کے بیان کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوئی۔ اور علم الانساب کے اکثر علماء کے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی کے متعلق بھی بہت اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن بڑی بیٹی کے متعلق اختلاف شاذ ہے (یعنی بڑی زینب رضی اللہ عنہا ہی ہیں)۔ اور صحیح یہی ہے کہ سب سے بڑی زینب رضی اللہ عنہا ہیں، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رقیہ کے وصال کے بعد ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے عقد کیا۔ اور اس میں بھی یہ دلیل ہے کہ بڑی رقیہ تھیں اور ام کلثوم ان سے چھوٹی۔ کیونکہ عام دستور یہی ہے کہ پہلے بڑی کا عقد ہوا کرتا ہے اور پھر چھوٹی کا۔ (۲۳)

اسم گرامی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تیسری شہزادی ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ اپنی کنیت "ام کلثوم" ہی کے نام سے شہرت رکھتی ہیں، اس کے علاوہ کوئی نام حاوہ مذکور نہ ہو سکا۔

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق خاص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ پھر اپنے خادم خاص زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اپنے اہل بیت کو بھی مدینہ بلوا لیا۔ اس طرح شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی خاندان کے دوسرے افراد کی طرح مکہ سے مدینہ چاہتی تھیں۔

نکاح کے فیسی اسباب

ادھر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے بچہ محبت تھی اور یہ رشتہ محبت تامہ آخر قائم رہا۔ شہزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کے فراق میں ہر وقت مضطرب اور غمگین رہتے تھے۔

ایک دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسی رنج و غم کے عالم میں بیٹھے تھے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم آپ پر پڑی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو افسردہ و طول دیکھ کر پوچھا، ”ابو عبد اللہ! تمہیں کیا ہوا ہے جو چہرے سے حزن و ملال کے آثار ظاہر ہیں؟“ عثمان عرض گزار ہوئے، ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا مجھ سے زیادہ کوئی ملول و غمگین ہوگا؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رقیہ کی جدائی نے میری کمر توڑ دی ہے۔ رقیہ رضی اللہ عنہا کی موت سے خاندان نبوت سے میرا رشتہ ٹوٹ گیا ہے اور اب دوبارہ اس مقدس رشتہ کے قائم ہونے کی کوئی امید نہیں۔“

توفیق بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنہی رحمہا اللہ۔

و انقطع الظہر، و ذهب الصہر فیہا بینی و بینک۔ (۲۴)

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں یہ فکر لاحق تھی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے غم فراق کا مداوا ہونا چاہیے اور ان کا رنج و ملال پھر مسرت و شادمانی سے بدل جائے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا، بھائی عثمان رضی اللہ عنہ! میں دیکھتا ہوں کہ جب سے تمہاری وفا کشش بیوی رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا ہے، تم ہر وقت اداس اور غمگین رہتے ہو۔ تمہاری گرفتاری بھی خراب ہو رہی ہے۔ میں نے اس صورت حال کا ایک حل تجویز کیا ہے کہ آپ میری بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لو۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے پہلو تہی کی اور معاملہ پر غور کرنے کو

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

وامام ام کلثوم ولا یعرف لها اسم۔ النما تعرف بکمیثیا۔ (۲۴)

ترجمہ: اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نام معلوم نہیں، وہ کنیت ہی سے مشہور ہیں۔

اس کی شرح میں علامہ ذرقانی (م ۱۱۲۲ھ) فرماتے ہیں:

لا اعلم احد اسمها۔ والظاهر ان اسمها کنیتہا۔ (۲۵)

نکاح اول

جیسا کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں بیان ہو چکا ہے کہ آغاز اسلام سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور کے دستور کے مطابق سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہ کی نسبت، منقہ یا ناطہ اپنے چچا ابولہب کے دو بیٹوں تیبہ اور حنیہ سے کر دی تھی۔ اعلان نبوت کے بعد جب آیت ”ثَبَّتْ يَدَا ابْنِي لِقَبْ وَقَبْ“ نازل ہوئی تو ابولہب اور اس کی بیوی ام جہیل نے اسلام دشمنی میں دونوں بیٹوں کو طلاق دے کر دیویوں کو قارغ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ دونوں لڑکوں تیبہ اور حنیہ نے ماں باپ کی رضا جوئی کی خاطر اللہ اور اس کے رسول کی عداوت میں اپنی دیویوں کو قارغ کر دیا۔

اللہ جل مجدہ کی رحمت سے ان پاک بیویوں کا مقدر جاگ اٹھا اور یہ پاک طہیست شہزادیاں پاک طہیست خوش نصیب سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔ (۲۶)

ہجرت مدینہ

حالت بایں جا رسید کہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے چاشمار صحابہ کے لیے مکہ کی سرزمین میں امن و سکون کا سانس لینا دشوار ہو گیا۔ مشرکین کی ہمتیں اس حد تک بڑھ گئیں کہ وہ پیغمبر اسلام کے قتل کے ناپاک منصوبے بنانے لگے اور تحریک اسلامی کو کچلنے کی تدابیر سوچنے لگے۔ لیکن قدرت نے مکہ سے کوسوں دور ”یثرب“ میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے حالات سازگار کر دیئے تھے اور وہاں کے باشندوں کی ایک خاصی تعداد اذکارہ اسلام میں داخل ہو چکی تھی۔ یہ لوگ دل و جان سے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے کی تمنا رکھتے تھے۔ ان حالات میں اللہ جل مجدہ نے اپنے محبوب کو ہجرت کی اجازت عطا فرمائی۔ اسی کے ساتھ مکہ کے دوسرے بااشراف حق کو بھی مدینہ چلے جانے کا اذن عام ہو گیا۔

کہا۔ حضرت عمرؓ نے چند دن کے انتظار کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو توجہ دلائی۔ انہوں نے کہا، فی الحال نکاح کا ارادہ نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب سے ناگوار ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بھی یہ رشتہ قبول کرنے کی چیلنج کی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی کسی مصلحت کے پیش نظر خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک غیر متند اور خود ارغش شخص تھے، اپنی اس غیر متوقع ناکامی پر آپ کو طیش بھی آیا اور ترخ بھی ہوا۔ آپ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں عثمان رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے اعتنائی کی شکایت پیش کی۔

کچھ روز بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے کہا، عمر! آپ نے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی چیلنج کی اور میں نے خاموشی اختیار کی، آپ کو میری خاموشی بلکہ بے اعتنائی ناگوار گزری، لیکن میرے جواب دہیے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے حصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا اور میں آپ ﷺ کے راز کو فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہؓ سے نکاح نہ کرتے تو پھر میں اس کے لیے آمادہ تھا۔ (۲۸)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعل اللہ تعالیٰ یا عمر ان یاتیک بصیہر ہو خیر لک من عثمان. فتزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہنۃ عمر رضی اللہ عنہ، وزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام کلثوم من عثمان. (۲۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عمر! بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر داماد عطا کر دے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح فرمایا اور اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدنا عثمانؓ کے نکاح میں دے دی۔

ایک روایت ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، یا عمر! الا ادلک علی خیر لک

من عثمان، وادل عثمان علی خیر لک. قال نعم، یا نبی اللہ! قال زوجنی ابتک، وازوج عثمان ابنتی. (۳۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عمر! کیا میں تمہیں عثمانؓ سے بہتر داماد اور عثمانؓ کے لیے تیری بیٹی سے بہتر بیوی نہ بتاؤں؟ حضرت عمرؓ نے عرض کی، جی ضرور بتائیں اے اللہ کے نبی! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اپنی بیٹی کا ہند میرے ساتھ کرو اور میں اپنی بیٹی کا نکاح عثمانؓ سے کیے دیتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے:

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد زوج اللہ عثمان خیرا من بنتک، وزوج ابتک خیرا من عثمان فتزوج رسول اللہ حفصہ، وزوج ام کلثوم من عثمان بن عفان. (۳۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عمر! اللہ تعالیٰ نے عثمانؓ کے ساتھ تیری بیٹی سے بہتر عورت کا نکاح کر دیا ہے، اور تیری بیٹی کے لیے عثمانؓ سے بہتر خاوند عطا کر دیا ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں:

فخار اللہ لهما جلیفا. کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحفصہ خیرا من عثمان، وکانت بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعثمان خیرا من حفصہ بنت عمر. (۳۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سب ہی کے لیے فخر ناز کا موجب بنا دیا کہ حفصہؓ کے لیے عثمانؓ سے بہتر شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی (ام کلثوم) عمر کی بیٹی حفصہؓ سے بہتر عثمانؓ کو عطا فرمادی۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خوش آئند ارشاد سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور حزن و ملال کا فوراً ہو گیا اور مسرت و اطمینان سے چہرہ ٹکافت ہوا جاتا تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ خوش کن خبر سن کر جھوم اٹھے کہ حسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہونے کا شرف حاصل ہونے والا ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدہ ام کلثوم

رضی اللہ عنہا کا نکاح کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا، وہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پشپش نفیس خود روئے زوہیت قائم کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔

مذکورہ بالا احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے حق میں لفظ ”نخسہ“ استعمال فرمایا، جو سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے لیے بہت بڑا اعزاز اور اکرام ہے۔ یہی لفظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے بھی استعمال فرمایا۔ آپ ﷺ کی ذات والا صفات تو بالحق سب سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کے لیے یہ لفظ استعمال فرما کر ان کی شان اور مقام کو اجاگر فرمادیا ہے۔

علامہ زرقاتی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

و به استدلال علی فضل بقاء علی زو جاته. (۳۲)

حضور ﷺ کے اس ارشاد سے آپ ﷺ کی بیویوں پر بیٹیوں کی فضیلت پر استدلال کیا جاتا ہے، کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حفصہ رضی اللہ عنہا سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو لفظ ”نخسہ“ سے تعبیر فرمایا۔ جن نیک سرشت صاحبزادیوں کو زبان نبوت سے ”نخسہ“ کہا جائے پھر ان کے بچہ رسول ہونے سے انکار کس قدر شقاوت اور بد بختی ہے۔

عثمان سے نکاح کا امر ربی

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چاروں صاحبزادیوں کے نکاح اللہ جل مجدہ کے حکم سے ہی کیے تھے، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ما انا ازوج بنائی، ولكن الله تعالى يزوجهن. (۳۳)

ترجمہ: میں اپنی نعت جگر شہزادیوں کا نکاح اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ نہیں کرتا، بلکہ اللہ جل مجدہ کی جانب سے ان کے نکاحوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔

لیکن یہ اعزاز بالخصوص اور بالا التزام سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے مقدر میں تھا کہ ایک مرتبہ نہیں بار بار آپ ﷺ نے یہ بشارت عقلی سنائی ہے کہ جبرئیل اللہ کا حکم لائے ہیں کہ میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمان سے کروں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يا عثمان اهذا جبريل عليه السلام يامرني عن امر الله عز وجل ان

ازوجک اختہا ام کلثوم علی مثل صداقہا و علی مثل عسرتہا.

خبر وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایہا. (۳۴)

ترجمہ: اے عثمان! یہ جبرئیل امین ہیں، خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں رقیہ رضی اللہ عنہا کی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح کروں اور جو مہر رقیہ رضی اللہ عنہا کے لیے مقرر ہوا تھا، اس کے موافق ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا مہر ہو، اور ان کی عصاحت اور رفاقت بھی انہی کے مطابق ہوگی۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:

هذا جبريل اخبرني ان الله عز وجل امرني ان ازوجک اختہا

رقية. واجعل صداقہا مثل صداق اختہا. (۳۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما مني جبريل فقال، ان الله يامرک ان تزوج عثمان ام کلثوم،

علی مثل صداق رقیہ و علی مثل صاحبہا. (۳۶)

ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا، اللہ جل شانہ آپ کو حکم دیتے

ہیں کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کروں۔ اور جتنا مہر رقیہ

رضی اللہ عنہا کا تجویز ہوا تھا، اس کے برابر ہو اور صحبت و معاشرت بھی انہی کی مثل ہو۔

تاریخ نکاح

شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ

ربیع الاول ۳ھ میں ہوا۔ اور چند ماہ بعد جمادی الثانی ۳ھ میں رخصتی ہوئی تھی۔ اس طرح قلیل

مدت میں یہ تقریب عید پوری ہوئی۔

فلما توفيت رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم خلف

عثمان بن عفان علي ام كلثوم بنت رسول الله. وكانت بكرًا.

وذلك في شهر ربيع الاول سنة ثلاث من الهجرة، وادخلت

عليه في هذه السنة في جمادى الآخرة. (۳۸)

ترجمہ: اللہ جل جلالہ نے میری طرف وحی بھیجی کہ میں اپنی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے عثمان سے نکاح کروں۔

عن عائشہ قالت سمعت خلیلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقول، اوحی اللہ الی ان ازوج کریمتی عثمان بن عفان، یعنی رقیہ و ام کلثوم۔ (۳۳)

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی کہ میں اپنی دو بیاری بیٹیوں کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کروں، یعنی سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ ”نور“ ہے۔ عرض کیا گیا: ”نور“ سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وانی زوجتہ ابنتی فذلک سماء اللہ عند الملائکۃ ذالانور۔ وسماء فی الجنان ذالانورین۔ (۳۵)

ترجمہ: اور بیشک میں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں ان کا نام نور رکھا اور جنت میں انہیں ”ذوالانورین“ کہا گیا۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کو ”ذوالانورین“ کس وجہ سے کہا جاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضور تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح مجھ سے فرمایا، اس لیے آسمانوں میں مجھے ”ذوالانورین“ کہا جانے لگا۔ (۳۶)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ذلک امرؤ یدعی فی السماء ذالانورین۔ (۳۷)

ترجمہ: یہ ایسا خوش نصیب آدمی ہے جس کو آسمانوں میں ذوالانورین کہا جاتا ہے۔

خاندان کا بلند مقام

دفا شعار نبوی ہر جگہ اپنے شوہر کو بلند مرتبہ دیکھنا چاہتی ہے۔ سرچشمہ مہر و فناء، جگر گوشہ

ترجمہ: جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا دوشیزہ تھیں۔ نکاح ماہ ربیع الاول تین ہجری میں ہوا اور اسی سال جمادی الثانی میں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔

رخصتی کے وقت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہزادی سے فرمایا:

اما انه اشبه الناس بجدہ ابرہیم و ابیک محمد۔ (۳۹)

ترجمہ: جان پورا خوش نصیب ہے، تیرے شوہر کی شکل و صورت تیرے دادا ابراہیم اور تیرے والد محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی ہے۔

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری شہزادی کا نکاح بھی اللہ جل شانہ کے حکم سے کر دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما زوجت عثمان ام کلثوم الا بوحي من السماء۔ (۴۰)

ترجمہ: میں نے عثمان کے ساتھ ام کلثوم کا نکاح اللہ کے حکم سے کیا ہے۔

وما زوجتہ الا بوحي من السماء۔ (۴۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وما زوجتہن الا بوحي من السماء۔ (۴۲)

ذوالانورین رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو نور نظر کیے بعد دیگرے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں عطا فرمائی تھیں، اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دو بار دادا رسول ﷺ شرف حاصل ہوا ہے، اس لیے بارگاہ نبوت سے آپ ﷺ کو ”ذوالانورین“ کا ایک نہ فرزند خطاب عطا ہوا، یعنی دو نور والے۔

نامائے امت اس بات پر متفق ہیں، سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے سوا دنیا میں کوئی ایسا شخص نہ ہوا ہے اور نہ ہی ہوگا جس کے عقد میں کسی نبی کی دو صاحبزادیاں آئی ہوں۔ یہ ایسی امتیازی تفضیلت ہے کہ بنی نوع انسان میں کوئی بھی اس میں آپ کے شریک و ہم نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ اوحی الی ان ازوج کریمتی عثمان۔ (۴۳)

رسول اللہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے دل میں بھی یہ جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ ایک مرتبہ انیس یہ شوق ہوا کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کا کیا مرتبہ ہے؟ چنانچہ وہ اپنے والد بزرگوار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتی ہیں: ”اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں؟“ شفیق باپ نے خندہ روئی سے فرمایا: ”پوچھو بیٹی! کون سی بات ہے؟“

شہزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا شرم و حیا کے لہجہ میں بولیں: ”میں آپ سے معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کا مرتبہ زیادہ بلند ہے یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا؟“

جتنا اہم سوال تھا اتنا ہی نکتہ آفریں بھی، جسے سن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر گویا ہوئے:

زوجهک من یحبہ اللہ ورسولہ. ویحب اللہ ورسولہ. (۳۸)

ترجمہ: جہاں پر اچھے خوش ہو نا چاہیے کہ میرا شوہر عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول ان سے محبت کرتے ہیں۔

شہزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنے شوہر نامدار کی منقبت و فضیلت سن کر بے حد خوش ہوئیں۔

اوصاف وخصائل

شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نہایت نیک مزاج، خوش اطوار اور شیریں زبان تھیں۔ شوہر کی خدمت و فرمانبرداری دل و جان سے کرتی تھیں۔ میاں بیوی کے اندر ذاتی تعہدات نہایت خوشگوار رہے۔ آخر دم تک سیدہ عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے پاس رہیں، لیکن باہمی اخلاص و محبت کا یہ حال تھا کہ ایک بار بھی کسی شکر رنجی کی نوبت نہیں آئی۔

اولاد

اللہ تعالیٰ کی مسلماتیں وہی بہتر جانتا ہے۔ نظام عالم کے امور اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، اور اولاد کا معاملہ بھی صرف اور صرف اس کے اختیار میں ہے۔ ارشاد باری ہے:

يَتَّبِعُ لِمَنْ يُشَاءُ اِنَّا لَنُؤْتِيهِمْ لِمَنْ يُشَاءُ اللّٰهُ كُوْرٌ. اَوْ يُزَوِّرْهُمْ ذُنُوْرًا

وَاِنَّا لَاجِدٌ وَنَجْعَلُ لِمَنْ يُشَاءُ غَنِيْمًا. (سورۃ الشوری: ۴۹-۵۰)

ترجمہ: جسے چاہے ہم بنیادیں دے، جسے چاہے بیٹے دے، یا جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا فرمائے، اور جس کو چاہے یا کچھ کر دے۔

انبیاء و اولیاء سب ہی اس کے سامنے بے بس ہیں، کسی کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔ سورتین کا یہی اتفاق ہے کہ سیدہ کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔

وَلَمْ تَلِدْ لَدُنِّيْنَا. (۳۹)

ترجمہ: اور عثمان رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نہیں ہوئی۔

خوش پوش

شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا خوش پوش خاتون تھیں۔ مدہ اور باوقار لباس زیب تن کرتی تھیں۔ سیدہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے صاحب ثروت شوہر کے ساتھ یہ انداز معاشرت لازمی تھا۔ اور اس سے زوجین کے درمیان تعلقات کی شائستگی اور معاشرتی خوشحالی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

انه رآنی علی ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرد حریر سیراء. (۵۰)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم پر ایک بیش قیمت چادر دیکھی، جو ریشم کی دھاریوں سے بنی ہوئی تھی۔

ساختہ ارتحال

شہزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی اجل کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ مشیت ایزدی کے فیصلے کو کون ٹال سکتا ہے! آخر وہ حسرتاک گھڑی بھی آ ہی گئی جب سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہ اپنے مغموم شوہر اور غمزدہ باپ کو چھوڑ کر راضی فردوس ہوئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

وَمَاتَتْ لَیْلَی شَعْبَانَ سَنَۃِ تِسْعٍ مِّنَ الْهِجْرَةِ. (۵۱)

ترجمہ: سیدہ ماہ شعبان ۹ھ میں سفر آخرت پر روانہ ہو گئیں۔

اللہ جل شانہ کی شان بے نیازی کہ ۲ھ میں شہزادی رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خالق تعالیٰ سے جا ملیں، ۸ھ میں شہزادی زینب رضی اللہ عنہا غلدریں میں جا گزریں ہو گئیں، اور ۹ھ میں شہزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سب کو داغ مفارقت دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دارالافتا سے دارالبقا کو رحلت فرما گئیں۔

ہر شے مسافر ہر چیز راقی

کیا چاند تارے کیا مرغ و مائی

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں شہزادیوں کا ساتھ ارتحال آپ ﷺ کی حیات ہی میں ہوا۔ اور بیٹیوں شہزادے بھی صغریٰ ہی میں داغ مفارقت دے کر جاں بحق تسلیم ہو گئے تھے۔ سوائے شہزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا، ساری اولاد اجماعاً اللہ کو پیارے ہو چکے تھے، لیکن ان اندوہناک حالات میں بھی صبر و استقلال ہی کا مظاہرہ دکھایا۔ جن جاں گسل اور روح فرسا واقعات و حالات کا سامنا انبیاء علیہم السلام کو کرنا پڑتا ہے، اور اللہ نے ان کو جو حوصلہ، صبر اور قوت عطا فرماداشت عطا کر رکھی ہوتی ہے، وہ ان ہی کے شایان شان ہوتی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اشد الناس بلاء الانبياء ثم الامثل فالامثل۔ (۵۴)

ترجمہ: لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء کو پیش آتی ہیں، پھر جو ان سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔

یہ بھی امت کی تسکین و تسلی اور رہنمائی کا ایک عبرت انگیز نمونہ ہے۔

عثمانؓ پر فدا میریت بنات

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی حسن معاشرت، اعلیٰ کردار اور بیویوں کے ساتھ انتہائی عمدہ اخلاق سے پیش آنے، اور ایک نہیں، نبی کی دو زوجت جگر شہزادیوں کے ساتھ زندگی میں کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آنے کی وجہ سے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل عثمان رضی اللہ عنہ سے بے حد خوش اور ہر اختیار سے مطمئن تھا۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ سے نہ صرف سرور و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے، بلکہ ارشاد فرمایا:

والرب عنک راضی۔ (۵۳)

ترجمہ: اور تجھ سے تیرا رب بھی راضی ہے۔

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اس انقطاع صبریت پر رنجیدہ اور تنگدست تھے، جن کی تسکین خاطر کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

زوجوا عثمان، لو كان لي ثالثة لزوجهه. وما زوجته الا بالوحي من الله۔ (۵۳)

ترجمہ: لوگو! عثمان سے اپنی بیٹیوں کا عقد کرو۔ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔ اور میں نے عثمان سے بیٹیوں کے نکاح اللہ تعالیٰ کی وحی کی رہنمائی میں کیے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگو! اگر تمہاری کوئی بیٹی یا بیٹی بغیر شوہر کے ہو تو تم بھی عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کا نکاح کرو۔

لو كانت عندنا ثالثة لزوجهه۔ (۵۵)

ترجمہ: اگر میری تیسری بیٹی بھی (بغیر نکاح) ہوتی، میں اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولو كن عشرا لزوجهن عثمان. وما زوجهن الا بالوحي من السماء۔ (۵۶)

ترجمہ: اور اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں ایک کے بعد دوسری کا عثمان سے نکاح کر دیتا۔ میں نے اپنی بیٹیوں کا نکاح اللہ کے حکم سے کیا ہے۔

وعن عثمان قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم حين زوجني ابنة الاخري، لو ان عندى عشرا لزوجهن واحدة بعد واحدة. فاني عنك راضی۔ (۵۷)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جس وقت آپ نے اپنی دوسری بیٹی کا مجھ سے عقد کیا، اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں ایک کے بعد دوسری، سب کا نکاح آپ سے کر دیتا، کیونکہ میں آپ سے راضی ہوں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ لِي أَرْبَعُونَ بَنًا زَوْجَتِ عِثْمَانَ وَاحِدَةٌ بَعْدَ وَاحِدَةٍ. حَتَّى لَا يَبْقَى مِنْهُنَّ وَاحِدَةٌ. (۵۸)

ترجمہ: اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے سب کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کرویتا، یہاں تک کہ کوئی بیٹی باقی نہ رہتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَنَّ عَبْدِي مِائَةَ بَنَاتٍ تَمُوتُ وَاحِدَةٌ بَعْدَ وَاحِدَةٍ زَوْجَتِكَ أَخَوِي، حَتَّى لَا يَبْقَى مِنَ الْعَائِلَةِ شَيْءٌ. (۵۹)

ترجمہ: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر میری ایک سو بیٹیاں ہوتیں تو ایک کے فوت ہو جانے کے بعد دوسری کا نکاح آپ سے کرویتا، یہاں تک کہ سو میں سے ایک بیٹی بھی باقی نہ رہتی۔
تجہیز و تکفین

حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی میت کو غسل دیے لگیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: تمین دفعہ یا پانچ دفعہ یا ضرورت سمجھو تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دو، اور پیری کے پتوں سے پانی سے غسل دینا اور آخر میں کافور، یا یہ فرمایا، کچھ حصہ کافور کا استعمال کر لیتا۔ (۶۰)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي صَاحِبِزَادِي كِي وَفَاتِ هُوَ كِي تَوَآبِ تَشْرِيفِ لَائِے اور فرمایا: تمین یا پانچ مرتبہ غسل دے دو، اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ بھی دے سکتی ہو۔ غسل پانی اور پیری کے پتوں سے ہونا چاہیے۔ اور آخر میں کافور، یا یہ کہا، کچھ حصہ کافور کا استعمال کر لیتا چاہیے، اور غسل سے فارغ ہونے پر مجھے اطلاع کرنا۔

چنانچہ جب ہم غسل دے چکے تو آپ ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے ہمیں اپنا ازار دیا

اور فرمایا کہ اس کی قمیص بنا دو۔ آپ ﷺ کی مراد اپنے ازار سے تھی۔ (۶۱)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں طاق مرتبہ غسل دینا اور میت کے دائیں طرف سے اور وضو کے اعضاء سے غسل کی ابتدا کرنا مذکور ہے۔ ام عطیہ کہتی ہیں، ہم نے غسل دینے کے بعد نگلھی کر کے ان کے بالوں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ (۶۲)

ابن ماجہ کی روایت میں صراحت ہے کہ جس صاحبزادی کے غسل کا ذکر ان احادیث میں ہے، وہ سیدہ ام کلثوم تھیں۔ لیکن بخاری کی روایات میں یہ تصریح نہیں۔ علامہ ذرقانی لکھتے ہیں:

وَقَدْ رَوَى الطَّبْرِيُّ وَطُحَاوِيُّ وَوَالِقَدِيُّ وَابْنُ سَعْدٍ وَالدُّوْلَابِيُّ مِنْ حَدِيثِ قَلْبِجٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ التَّصْرِيحَ بِأَنَّهَا أُمُّ كَلْثُومٍ. (۶۳)

ترجمہ: طبری، طحاوی، واقدی، ابن سعد اور دولابی، سب نے قلیج بن ہلال بن علی سے تصریح کر دی ہے کہ وہ صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) نے بڑی محققانہ بحث فرمائی ہے۔
”فَوَلَّاهُ ابْنَهُ“ بخاری شریف کی روایت میں صاحبزادی کا نام ذکر نہیں ہوا۔ اور مشہور یہ ہے کہ یہ صاحبزادی زینب زوجہ ابوالعاص بن ریحہ تھیں، جو حضرت امامہ کی والدہ تھیں۔ اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ اور طبری کی بیان کردہ روایات کے مطابق ان کی وفات ۸ھ کے ابتدا میں ہوئی تھی، جیسا کہ مسلم شریف کی روایت ہے:

عَنْ عَصَمٍ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةٍ قَالَتْ: لَمَّا مَاتَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَسَلْنَاهَا. الْخَوَرِ.

”حافظ“ کہتے ہیں، میں نے حفصہ اور محمد کی روایات میں سوا عاصم کی روایت کے صاحبزادی کا نام نہیں دیکھا۔

لیکن ابن اثیر نے داؤدی سے بڑے وثوق سے فرمایا ہے:

بِإِنَّ الْبِنْتَ الْمَذْكُورَةَ أُمُّ كَلْثُومُ زَوْجَةُ عِثْمَانَ.

لیکن اس کی سند بیان نہیں کی۔

اور منذری نے قاضی عیاض کی پیروی میں تعجب انگیز بات کہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال تو اُس وقت ہوا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ بدر میں مصروف تھے۔ یہ قول بالکل غلط ہے۔ اس وقت حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تھا۔ امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے:

عن ابی بکر بن ابی شیبۃ عن عبد الوہاب الثقفی عن ایوب،
”ذخلی علینا و نحن لغسل ابنہ ام کلثوم۔“ (۶۳)

اس کی اسناد امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام علیہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹیوں کو بھی غسل دیا ہو۔ ان کا غسل دینے کا بیان متعدد مرتبہ واقع ہوا، اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھی غسل دیا ہو۔

علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ حضرت ام علیہ رضی اللہ عنہا میتوں کے غسل دینے میں ہمیشہ شریک ہوتی تھیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ روایات میں تطبیق اس طرح فرماتے ہیں:

و يمكن الجمع بان تكون حضرتہما جميعا.

ترجمہ: ہو سکتا ہے کہ حضرت ام علیہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا دونوں کے انتقال کے بعد غسل میں شریک ہوتی ہوں۔

حضرت ام علیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس وقت غسل دے رہی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے کے باہر تشریف فرما تھے۔ ہم نے غسل سے فارغ ہونے پر آپ ﷺ کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے گفن کے کپڑے اس ترتیب سے عطا فرمائے: پہلے چادر، پھر قمیص، پھر اڑھنی، پھر ایک چادر اور آخر میں ایک بڑی چادر جس میں جسم کو لپیٹ دیا گیا۔ (۶۵)

نماز جنازہ

شہزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا جیسی مکرم و برگزیدہ اور اللہ کی پیاری بندی کا جب غسل و کفن کا مرحلہ مکمل ہو گیا، سرور و عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی حیات میں نماز جنازہ ادا کی۔

و صلی علیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۶۶)

یہ بھی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی ایک فضیلت اور منجبت ہے کہ سرور و عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کے لیے مغفرت و بخشش کی دعائیں فرمائیں، اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کا جم غفیر بھی دعا کرنے میں شامل اور شریک تھا۔

تدفین

نماز جنازہ ادا کر لینے کے بعد سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی میت تدفین کے لیے جنت البقیع لائی گئی۔ تدفین کے لیے حضرت ابو طلحہ انصاری، سیدنا علی المرتضیٰ، حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم قبر میں اترے اور دفن کرنے میں معاونت کی۔

ونزل علی حفصہ ابوطلحۃ، و علی بن ابی طالب، و الفضل ابن -

عباس و اسامۃ بن زید۔ (۶۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا،

آپ ﷺ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہیں، نپ نپ آنسو بہ رہے ہیں۔ (۶۸)

لفظ "فاطمہ" مشتق ہے "فَطَمَ" سے، یعنی منقطع کرنا، دور کرنا۔ جیسے "فَطَمَ الصَّبِيَّ" جب بچے کو دودھ چھڑا دیا جائے۔ "فَفَصَلَهُ مِنَ الرِّضَاعِ" اسے دودھ چھڑا دیا۔ (۷۲)

علامہ منادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں، آپ کا نام "فاطمہ" الہامی نام تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جہنم سے چھڑا لیا۔ ویلی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ سے اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک فاطمہ رضی اللہ عنہا نام اس لیے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چھڑا لیا اور جہنم سے آڑ بنا دیا۔ (۷۳)

علامہ تہذیبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں:

عن ابن مسعود انما سميت فاطمة بالهام من الله لرسوله ان كانت ولادتها انما سميت فاطمة: لان الله قد فطمها وذريتها عن النار يوم القيامة. اخرجه الحافظ الدمشقي و دوى الغساني والخطيب مروغا. لان الله فطمها ومجها عن النار. (۷۴)

ترجمہ: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ نے انہیں اور ان کی اولاد کو قیامت کے دن جہنم سے بچا لیا ہے۔ حافظ دمشقی نے اس روایت کو یوں بیان کیا ہے، اور غسانی اور خطیب نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

علامہ زرقاتی (م ۱۱۲۴ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قبل النبوة وان كانت بعدها فيحتمل بالوحى لان الله قد فطمها من الفطم وهو قطع الصبي وذريتها عن النار يوم القيامة اي منعهم منها. (۷۵)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدہ کا یہ نام بذریعہ الہام رکھا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف القا فرمایا۔

اگر سیدہ کی ولادت نبوت سے پہلے ہوئی ہو تو اسے الہام کہا جائے گا، اور اگر نبوت کے بعد ہوئی ہو تو بذریعہ وحی آپ ﷺ کو یہ نام رکھنے کو کہا گیا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ فرمایا اور سیدہ کی اولاد کو بھی جہنم سے بچا لیا ہے۔ غسانی اور خطیب کہتے ہیں، اس روایت میں جمہول راوی پائے جاتے ہیں۔

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا

ولادت باسعادت

شہزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت باسعادت کے متعلق امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں:

ولدتها و قریش بنی البيت وذلك قبل النبوة بخمس سنين. (۷۶)

جس زمانہ میں قریش بیت اللہ کی تعمیر میں مصروف تھے، رحمت کا نکات صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال کو پہنچ چکی تھی اور اعلان نبوت سے کوئی پانچ برس پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت باسعادت ہوئی۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے اکتالیسویں سال ہوئی۔ (۷۷)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

نقل ابو عمر عن عبد الله بن محمد بن سليمان بن جعفر الهاشمي انها ولدت احدي واربعين من مولد النبي صلى الله عليه وسلم وكان مولدها قبل البعثة بقليل نحو سنة او اكثر وهي اسن من عائشه بنحو خمس سنين. (۷۸)

اسم گرامی

چوتھی شہزادی کا نام نامی اسم گرامی "فاطمہ" ہے۔ شہزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی تہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب، اور والدہ محترمہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

وجہ تسمیہ

شہزادی کے اسماء

شہزادی سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نام نو (۹) عدد مذکور ہیں:

- | | | |
|----------|-----------|---------------|
| ۱۔ فاطمہ | ۲۔ مبارکہ | ۳۔ زکیہ |
| ۴۔ صدیقہ | ۵۔ راضیہ | ۶۔ مرضی |
| ۷۔ محدث | ۸۔ زہراء | ۹۔ طاہرہ (۷۶) |

القاب

شہزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے القاب بتول اور زہراء ہیں۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۴۳ھ) لکھتے ہیں:

وَمُسَمَّيَاتٌ بِتَوَلَّى لَا نَقْطَعُ عَنْهَا مِنْ نِسَاءِ زَمَانِهَا فَضْلًا وَ دِينًا وَ حَسَبًا
وَقِيلَ لَا نَقْطَعُ عَنْهَا عَنِ الدُّنْيَا إِلَى اللَّهِ تَعَالَى. (۷۷)

ترجمہ: انہیں بتول کا لقب اس لیے دیا گیا کہ اپنے زمانہ کی عورتوں سے حسن ثراوت، فضل و کمال، حسب و نسب اور دین و دانش کے اعتبار سے بہت معزز تھیں (یعنی الگ تھیں)، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدہ نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے اپنے آپ کو لوگوں سے الگ کر لیا تھا، اس لیے یہ لقب عطا ہوا۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "بَتُولٌ"؛ با کے فتح اور تا کے ضم کے ساتھ۔

"بَتْلَةٌ بَتْلًا كَأُنْثَا" عبادت کے لیے علیحدہ ہوتا۔ (۷۸)

"الْبَتُولُ" کنواری زائدہ عورت۔ (۷۹)

"زہراء" سیدہ کا لقب زہراء بھی تھا۔ (۸۰)

اس لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا ایک بھول تھیں۔ (۸۱)

علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۱۰ھ) لکھتے ہیں:

الزُّهْرَةُ، الْحَسَنُ وَالْبَيَاضُ، وَقَدْ ذُهِرَ ذَهْرًا، وَالْوَاهِرُ وَالْأَزْهَرُ،
الْحَسَنُ الْبَيَضُ مِنَ الرِّجَالِ وَقِيلَ هُوَ الْبَيَضُ فِيهِ حُمْرَةٌ. (۸۲)

ترجمہ: چمکدار سفیدی، آوی کا حسین و جمیل ہونا، سرخ و سفید حسن الزہراء، حسین عورت،

بھول، چمک و مک، بہار۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں:

الزُّهْرَاءُ، اس لیے لقب ہوا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا خوب رو اور حسن و جمال میں کمال مرتبہ میں تھیں۔ (۸۳)

سیدہ کی کنیت

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی کنیت "أُمُّ آيِبُهَا" تھی۔ (۸۴)

طبرانی نے ابن المدینی سے روایت نقل کی ہے: "أُمُّ آيِبُهَا" سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی کنیت "حُبُّ نَبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کی وجہ سے ہے۔ جب حضور انور ﷺ کے والدین دنیا سے رخصت ہو گئے تو آپ فاطمہ بنت اسد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ کے پاس رہے، آپ انہیں اماں ہی پکارتے تھے۔ جب فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو آپ غمزہ ہو گئے۔ آپ کہتے تھے، آج میری ماں کی وفات ہو گئی ہے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو "فاطمہ رضی اللہ عنہا" دیں تو آپ ﷺ جب بھی بیٹی فاطمہ کو دیکھتے تو "فاطمہ بنت اسد" یاد آ جاتیں تو بیٹی سے تسلی ہو جاتی، اس لیے سیدہ کی یہ کنیت قرار پائی۔

ہجرت مدینہ

شعب ابی طالب میں پورے تین برس شہزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا پورے خاندان کے ساتھ بے انداز مصائب و آلام برداشت کرتی رہیں۔ جب مکہ میں کافروں کا ظلم و تشدد حدت بڑھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے بنائے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ کر لیا۔ پہلے صحابہ کرام کی اکثریت ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلی گئی، بعد ازاں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثار، یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت فرمائی۔ وہاں پہنچ جانے کے چند دن بعد اپنے اہل بیت کو بھی مدینہ منورہ بلا لیا۔

عقیدہ مسنونہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا عقیدہ مسنونہ

ہجرت مدینہ کے کچھ عرصہ بعد وقوع پذیر ہوا۔ اس کی تفصیلات علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۲۴ھ) کی کتاب سے پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد کی درخواست پیش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”إِنِّي نَظَرْتُ بِهَا الْأَضَاءَ“

ترجمہ: حکم الہی کا انتظار کریں۔

علامہ بلاذری کی بیان کردہ روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”مجھے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار ہے۔“

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی یہ درخواست کی، مگر انہیں بھی وہی جواب ملا۔ ان دونوں حضرات نے باہم مشورہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جائزہ محبوب اور عم زاد بھی ہیں، ان سے کہا جائے کہ وہ یہ درخواست پیش کریں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہیں ترغیب دی، انہیں اپنی بے سرو سامانی کی بناء پر ایسا کرنے میں تامل تھا، لیکن ان حضرات کے اصرار سے وہ آمادہ ہو گئے۔ ولی خواہش تو ان کی بھی یہی تھی لیکن فطری حیاء پیغام بھیجنے میں مانع تھی۔ اب ہمت کر کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیج دیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی استدعا کو شرف قبولیت بخشا اور دریافت فرمایا:

هل عندك شئني؟ فقلت فوسى و بدنى۔

ترجمہ: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا، ایک گھوڑا اور زرہ ہے۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے:

هل عندك شئني؟ قال لا۔ قال فلما فعلت الدرع التي سلبتکھا۔

ترجمہ: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہا، نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ زرہ کہاں گئی جو میں نے تمہیں دی تھی؟

مسند احمد کی روایت میں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرنے کا ارادہ کیا:

”فقلت واللہ مالی من شئنی۔“

ترجمہ: میں نے کہا، خدا کی قسم! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔

بہر حال میں نے استدعا کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا، کچھ بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، وہ زرہ کہاں گئی جو میں نے فلاں موقع پر تمہیں دی تھی؟ میں نے عرض کیا، وہ تو میرے پاس موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”فَاعطیھا ایھاھا۔“

ترجمہ: پس وہی لے آؤ۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں، ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ بلکہ پہلی روایت میں نفی سے مراد نقد درہم و دینار ہیں، اور دوسری روایت میں دو چیزوں کی موجودگی کا اقرار ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گھوڑا تو جہاد کے لیے ضروری ہے، البتہ زرہ فروخت کرو۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے وہ زرہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ۵۸۰ھ میں خرید لی، اور پھر زرہ ہدیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واپس دے دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ رقم اور زرہ لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا، دو تہائی خوشبو وغیرہ پر صرف کرو اور ایک تہائی سامان شادی اور دیگر اشیائے خانہ داری پر خرچ کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ ابو بکر، عثمان، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم اور دیگر مہاجرین و انصار کو بلاؤ۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ پر وحی آنے کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ جب وہ کیفیت زور ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”قد امرنی وبی بذلک۔“

ترجمہ: مجھے اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے:

”ان اللہ امرنی ان ازوج فاطمة من علی۔“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد علی رضی اللہ عنہ سے کر دوں۔

ابن عساکر کی روایت میں ہے، حضرت انس بیان کرتے ہیں، جب وحی کی کیفیت جاتی رہی تو آپ ﷺ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا:

”فَإِنْ رُبِّيْ أَمْرِيْ أَنْ أَرْوِجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيٍّ.“

ترجمہ: مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی رضی اللہ عنہ سے کر دوں۔

جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ نکاح پڑھا:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَحْمُودِ بِمَعْنِيهِ. الْمَعْبُودِ بِقُدْرَتِهِ. الْمَطَاعِ الْمَرْهُوبِ
مِنْ عَذَابِهِ وَسَطْوِيَّتِهِ. الثَّابِتِ أَمْرُهُ فِي سَمَائِهِ وَأَرْضِهِ. الَّذِي خَلَقَ
الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهِ، وَمَيَّزَهُمْ بِأَخْصَابِهِ، وَأَعَدَّ لَهُمْ بِدِينِهِ وَأَحْرَمَهُمْ بِنَبِيِّهِ
مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى
وَتَعَالَتْ عَظَمَتُهُ جَعَلَ الْمَضَاهِرَةَ سَبَبًا لِاجْتِمَاعِ أَمْرٍ مُفْتَرَضًا، وَبَيَّحَ
بِهِ الْأَرْحَامَ وَالزَّمَّ بِهِ الْأَنَامَ فَقَالَ عَزَّ مِنْ قَابِلٍ. وَهَذَا الَّذِي خَلَقَ مِنَ
الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا.
فَأَمَرَ اللَّهُ بِجَعْرِىَ إِلَى قَهْرِهِ أَنْ يَجْعَلَ بِيَّ إِلَى قُدْرِهِ. وَلِكُلِّ قَضَاءٍ قُدْرٌ.
وَلِكُلِّ قُدْرٍ أَجَلٌ. وَلِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ.

ترجمہ: اللہ کا شکر ہے جو اپنی نعمتوں کی ہر تعریف و تحسین کا سزاوار ہے اور اپنی قدرت کی وجہ سے عبادت کے لائق ہے۔ اس کا اطاعت گزار اس کے عذاب سے لرزاں و ترساں ہے۔ اس کا حکم زمین و آسمان میں نافذ ہے۔ اس نے مخلوق کو اپنی قدرت سے بنایا۔ اپنے احکام کے ذریعہ انہیں الگ الگ کیا۔ انہیں اپنے دین کے ذریعہ عزت بخشی اور اپنے نبی کے ذریعے سے عظمت و سر بلندی سے بہرہ ور کیا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے شادی بیاہ کو لازم امر قرار دیا اور اس کے ذریعے رشتے چلائے اور اسے لوگوں کے لیے ضروری قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وہی ذات پاک ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا، اور بعض کو بعض کا بیٹا، بیٹی اور داماد بنایا، اور تیرا رب

ہر چیز پر قادر ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ہر کام کو قضا و قدر کے تحت کر دیا ہے، اور قضا و قدر کا ایک وقت مقرر ہے، اور ہر چیز اپنے وقت پر ہی پوری ہوتی ہے، اور ہر اہل کے لیے کتاب ہے، اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

خطبہ مستونہ کے بعد آپ ﷺ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَمَرَنِي أَنْ أَرْوِجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ.

فَأَشْهَدُ أَنَّكَ وَقَدْ زَوَّجْتَهُ عَلِيٌّ أَوْ بَعْمَانَةُ مِثْقَالُ فَتْنَةٍ.“

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے چار سو مِثْقَال چاندی کے مہر پر کر دوں و تم لوگ اس پر گواہ رہنا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”أَوْ جِئْتُ بِذَلِكَ؟“

ترجمہ: کیا تجھے منکور ہے؟

حضرت علی نے کہا، ”بسر و چشم!“

”فقد رضيت بذلك يا رسول الله صلى الله عليه وسلم.“

پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیں الفاظ دینا کی:

”جَمَعَ اللَّهُ شَمْلَكُمْ، وَأَعَدَّ جَذْمَكُمْ، وَتَبَارَكَ عَلَيْكُمْ، وَأَخْرَجَ

بَيْنَكُمْ كَبِيرًا.“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم دونوں کی پراگندگی کو جمع کرے، تمہاری کوشش میں برکت و ظافر مائے اور تم سے نیک و پاک اولاد پیدا کرے۔

ایجاب و قبول کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا۔
پھر ایک طباق میں سبوروں لائی گئیں جو حاضرین مجلس میں لٹا دی گئیں۔ (۸۵)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی واقعہ نکاح کی تفصیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سیدہ عالم شہزادی فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے رشتہ کا عندیہ دیا گیا تو میری خادمہ نے مجھے کہا، آپ کو معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

نکاح سیدہ کے گواہ

خاتون جنت، سیدہ عالم فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نکاح کی تفصیلات مذہب حق اہل سنت والجماعت کی کتب سے پیش کرنے کے بعد شیعہ کی تائید بھی پیش کی جاتی ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق، امیر المومنین سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قرینی تعلق تھا۔ وہ سب اس پاکباز اور فرشتہ صفت ماحشرے کے افراد تھے جن کا آپس میں پیارا اور بھائی چارہ قائم تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم اجمعین نے باہم مشورہ سے طے کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا جائے کہ وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا اعزاز حاصل کر لیں۔ اگر انہیں کچھ مالی تعاون درکار ہو تو اس کی پیشکش بھی کر دی جائے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، یہ تینوں حضرات مشورے کر کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ مسجد میں انہیں نہ پایا تو گھر سے دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنے اونٹ کے ذریعے پانی نکال کر ایک انصاری کا باغ سیراب کرنے گئے ہیں۔ یہ حضرات باغ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو آتے دیکھا تو پوچھا، کیسے تشریف آوری ہوئی؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

خبر خوبی کی کوئی ایسی خصلت نہیں جس میں آپ کو سبقت اور فضیلت نہ ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ میں، محبت میں اور قبول اسلام میں جو آپ کا مقام ہے وہ بھی کسی پر غنی نہیں۔ سر دارانِ قریش نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا ہے، لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ آپ اس سعادت کے حصول کے لیے کیوں عرض نہیں کرتے؟ مجھے توئی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس رشتہ کو آپ کے لیے روکے ہوئے ہیں۔

یہ سن کر شیر خدا رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو اُمد آئے۔ فرمایا، اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ نے میرے بڑے سکون جذبات میں بیجاں پیدا کر دیا اور ایک خوابیدہ تمنا کو بیدار کر دیا۔ میں تیرے دل سے اس سعادت کے حصول کا متمنی ہوں، لیکن مفلسی اور جنگ و سنی کے باعث اس خواہش کے اظہار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

کے رشتے کی بات ہو رہی ہے۔ میں نے کہا، نہیں۔ اس نے کہا، اس رشتے کا عندیہ دیا جا چکا ہے۔ آپ کو کیا چیز مانع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں جاتے، تاکہ وہ آپ کا نکاح اپنی صاحبزادی سے کرویں۔

میں نے اپنی ناداری کا عذر کیا کہ میرے پاس کیا ہے جس پر میں نکاح کروں۔ خادمہ کہنے لگی، آپ ﷺ کی خدمت میں جائیں تو سمجھی، وہ آپ کا نکاح کر دیں گے۔ وہ مجھے بار بار امید دلاتی رہی، حتیٰ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا تو میری آواز بند ہو گئی اور خدا کی قسم! مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ میں آپ ﷺ کی جلالت اور محبت کے آگے کچھ عرض کر سکوں۔

پھر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیوں آئے؟ کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ۔ میں بھر بھی خاموش رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فرمایا، شاید فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام دینے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا، مہر کی ادائیگی کے لیے کچھ ہے تمہارے پاس؟ میں نے کہا، جی نہیں، خدا کی قسم! یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا، وہ زورہ کیا ہوئی جو میں نے تمہیں دی تھی؟ میں نے عرض کیا، وہ تو ہے، لیکن دو جنگ میں حفاظت کے لیے ہے اور وہ بھی محض چار درہم کی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہارا نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کیسے دیتا ہوں۔ تم وہ زورہ مہر کے طور پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دو، یہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر ہوگا۔ (۸۶)

ایک روایت میں ہے کہ انصار اور مہاجرین کی ایک جماعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے نکاح کا پیغام بھیجنے کی ترغیب دی، جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حرفِ مدتہ عازبان پر لائے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اهلاً و مرحباً"، اور پھر خاموش ہو گئے۔ باہر صحابہ کی جماعت منتظر تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنایا۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مبارکباد پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا پیغام منظور فرمایا۔ (۸۷)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے ابوالحسن! ایسی کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک دنیا و مافیہا کی قدر و منزلت تو ایک ذرہ برابر بھی نہیں ہے۔

چنانچہ ان حضرات کے مشورہ اور حوصلہ افزائی سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ ان کی عرضداشت شرف قبولیت سے مشرف ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں، میری خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ میں جلدی سے باہر آیا تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنا منتظر پایا۔ انہوں نے پوچھا، کیا خبر ہے؟ میں نے انہیں خوشخبری سنائی تو ان کو بے اندازہ فرحت اور مسرت حاصل ہوئی، اور ہم اکٹھے مسجد میں آگئے۔ (۸۸)

لاما قرعہ جلیسی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رقم سے دو مٹھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیں، بازار سے کپڑا وغیرہ، جو عائشہ البیت درکار ہے، لے آؤ۔ بھر عمار بن یاسر صحابہ کی ایک جماعت لے کر ابوبکرؓ کے بعد بازار گئے۔ ان میں سے جو شخص جو چیز خریدتا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے لیتا تھا۔ (۸۹)

نکاح کی تاریخ

تاریخ نکاح کے متعلق مؤرخین نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۴۰ھ) لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ بدر سے واپس مدینہ منورہ آنے کے پانچ ماہ بعد رجب میں شہزادی سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ اُس وقت سیدہ کی عمر ۱۸ سال تھی۔ (۹۰)

علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ غزوہ احد کے بعد ہوا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد کرنے کے چار ماہ پندرہ دن بعد ہوا اور ان کی رخصتی سیدہ عائشہؓ کی رخصتی کے نو ماہ پندرہ دن بعد ہوئی۔

نکاح کے وقت سیدہ کی عمر پندرہ سال، پانچ ماہ اور پندرہ دن تھی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت ۲۱ سال، ۵ ماہ کے تھے۔ (۹۱)

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے چار ماہ پندرہ دن بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا اور نکاح کے سات ماہ، پندرہ دن بعد رخصتی ہوئی، اور نکاح کے وقت سیدہ کی عمر مبارک پندرہ سال اور پانچ ماہ تھی۔ (۹۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً پانچ سال بڑی تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اوائل محرم ۳ھ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے چار ماہ کے بعد ہوا۔ (۹۳)

نکاح کے وقت سیدہ کی عمر پندرہ سال، پانچ ماہ اور پندرہ دن تھی۔

علامہ ذرقانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۴۲ھ) رقم طراز ہیں:

شہزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۳ھ میں ہوا۔ اوائل محرم، یا صفر، یا رجب، یا رمضان کا مہینہ تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ غزوہ احد کے بعد ۳ھ میں ہوا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد شوال ۳ھ میں ہوا، یا ہجرت کے سات ماہ بعد ہوا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی نکاح کے سات ماہ، پندرہ دن بعد ہوئی، اور یہ شوال ۳ھ تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ماہ صفر ۳ھ میں نکاح ہوا اور رخصتی ہجرت کے ۲۲ ماہ بعد دی المجر میں ہوئی۔

آخر میں علامہ ذرقانی فرماتے ہیں:

ہی اقوال متباہیة لا یفتائی الجمع بینہا۔ (۹۴)

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک نکاح کے وقت پندرہ سال، پانچ ماہ پندرہ سال، چھ ماہ، پندرہ دن تھی، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۱ سال، پانچ ماہ تھی۔

لیکن ابن اسحاق کے قول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر نکاح کے وقت ۲۳ سال، ایک ماہ، پندرہ دن تھی، اور یہی قول رائج ہے۔ (۹۵)

مہر فاطمہ رضی اللہ عنہا

شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا حق مہر بھی باقی تینوں شہزادیوں، سیدہ رقیہ، سیدہ زینب اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن کے برابر ہی تھا۔ جیسا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما علمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکح شیئا من نسائه ولا نکح شیئا من بناته علی اکثر من ثنی عشرۃ اوقیہ۔ (۹۶)

ترجمہ: میری معلومات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو اپنی بیویوں اور نہ ہی اپنی بیٹیوں میں سے کسی ایک کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر کیا۔

ایک روایت میں ہے:

فزوجہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربع مائۃ وثمانین درهما۔ (۹۷)

ترجمہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۲۸۰ درہم مہر میں فرمایا۔

خاتونِ جنت کا جہیز

شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی، خاتونِ جنت، سیدہ عالم فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقع پر جو سامان دیا گیا وہ مختصر اور حسب ضرورت تھا۔ وہ آج کل کے رواج پرست مسلمانوں کے لیے ایک درسِ عبرت اور قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ اس میں نہ تو آرام و مآثرین قسم کا بیڈ تھا، نہ بھانٹ بھانٹ کے برتنوں کی چمکار۔

پہلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں تھے اور ان کا کوئی نخلہ و گھر نہ تھا، اس لیے آپ ﷺ نے ان کا گھر سامنے کے لیے کچھ ضروری سامان اس موقع پر عنایت فرمایا تھا۔ جس میں ایک چادر، ایک مشکیزہ، چمڑے کا ایک گدا، جس میں اذخر کی گھاس بھری ہوئی تھی۔ یہ سامان مرقیہ جہیز کی قسم سے نہ تھا، اس لیے جہیز کا ثبوت نہ ازواجِ مطہرات کے کسی نکاح میں ہے، نہ دیگر بناتِ مطہرات کے نکاح کے موقع پر آپ ﷺ نے کچھ دیا ہے اور نہ ہی اہل عرب میں اس کا رواج تھا۔ (۹۸)

عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما

زوجہ فاطمہ بعث معها بخمیلۃ ووسادۃ من ادم خشوها لیف ورحین وسقاء وجوتین۔ (۹۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہیں جہیز میں ایک بڑی چادر، ایک چمڑے کا تکیہ، جو کچھ جوڑی چھال یا اذخر (خوشبودار گھاس) سے بھرا ہوا تھا، ایک چکی اور ایک مشکیزہ اور دو گھڑے دیے گئے۔

ایک روایت میں ہے:

جهز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ فی خمیل وقربۃ ووسادۃ خشوها اذخر۔ (۱۰۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک چادر، ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ، جس میں اذخر کی گھاس بھری ہوئی تھی، جہیز میں عنایت فرمائے۔ حضرت عکرمہ سے روایت ہے:

سیرس مشروط، ووسادۃ من ادم خشوها لیف، وتور من ادم وقربۃ۔ (۱۰۱)

(۱۰۲)

وبردین ورحانین وسقاء وجوتین۔

ترجمہ: ایک چمڑا، ایک گدا، جس میں کچھ جوڑی چھال بھری ہوئی تھی، ایک چمڑے کا بڑا پھال اور مشکیزہ، دو چادریں، دو چکیاں اور دو گھڑے۔ حضرت عطاء کی روایت ہے:

بعث معها بخمیلۃ ووسادۃ آدم خشوها لیف، ورحانین، وسقائین۔ (۱۰۳)

ترجمہ: ایک چادر، ایک گدا، جس میں کچھ جوڑی چھال بھری تھی، دو چکیاں اور دو گھڑے۔

دعوتِ ولیمہ

خاتونِ جنت، سیدہ عالم شہزادی فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے بعد سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دعوتِ ولیمہ کا اہتمام فرمایا۔

کرنے لگا ہوں، تم اسے تیار کرو۔ چنانچہ عورتوں نے سیدہ عالم، خاتونِ جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو خوشبو میں بسایا۔ اپنی خوشبو میں سے، یعنی جس طرح کی عمدہ خوشبو عورتوں کے پاس تھی، وہ خوب لگائی، اور سیدہ کو اپنے پاس سے کپڑے زیب تن کیے اور اپنے زیورات میں سے سیدہ کو زیور بھی پہنایا۔ جب دلہن کو تیار کر دیا تو سب عورتیں چلی گئیں، لیکن اسماء بنت عمیس رک گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے رکنے کا سبب دریافت فرمایا۔ انہوں نے کہا، میں آپ کی صاحبزادی کی خبر گیری کروں گی، جب جوان لڑکی شوہر کے پاس بھیجنے کی رات ہوتی ہے تو ضروری ہے کہ کوئی عورت اس کے قریب ہو۔ اگر اسے کوئی حاجت درپیش ہو یا کسی کام کا ارادہ کرے تو اس کا تعاون کر سکے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے حق میں دعا دی۔

اے اللہ! تو اس کی حفاظت فرما، اس کے آگے سے، پیچھے سے، اس کے دائیں سے اور بائیں سے شیطان سرود کے شر سے۔ (۱۰۸)

عرب میں یہ عام دستور تھا کہ دلہن کو مستعار زیور اور پوشاک سے تیار کر لیا جاتا تھا، بلکہ بسا اوقات سفر پر جاتے ہوئے بھی خواتین کسی سے زیور مانگ کر زیب گھو کر لیتی تھیں۔ اور عام استعمال میں آنے والا سادہ لباس، جسے آج کے معاشرہ میں کوئی وقعت نہیں دی جاتی، وہی دلہن کی زیبائش کا موجب ہوتا تھا۔

ابن ابیمن کہتے ہیں، میں سیدہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ قطر کی قمیص (مین کا ایک دبیز کھردرا کپڑا) پہنے ہوئے تھیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا، میری اس باندی کو دیکھنا، اسے گھر میں رہتے ہوئے بھی یہ کپڑا پہننے سے انکار ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میرے پاس اسی کپڑے کی ایک قمیص تھی۔ جب کوئی لڑکی دلہن بنائی جاتی تو میرے یہاں آدی بھیج کر وہ قمیص منگالیتی تھیں۔ (۱۰۹)

نیا گھر

خاتونِ جنت سیدہ عالم حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے سسرال منتقل ہو جانے کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا تمہارا گھر قدرے دُور ہے، مجھے آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے۔ میں تمہیں اپنے گھر کے قریب منتقل کرنا چاہتا ہوں۔

كانت وليمته أصعاً من شعير وتمر و خيس والحيس، التمر والاقط. (۱۰۳)

و کبش من عند سعد، واصع ذرة من عند جماعة من الانصار. (۱۰۵)

ترجمہ: بڑا آنا، کھجور، خیر، تھی وغیرہ سب کو ملا کر لیدہ یعنی حلوہ بنالیا گیا۔ حضرت سعد نے ایک ذریعہ بک کر لیا اور انصار نے بھی جو کچھ دستیاب تھا، لاکر پیش کر دیا۔ حضرت فاطمہ بن عمیس کہتی ہیں:

ولقد اولى علي علي فاطمه، لما كانت وليمة في ذلك الزمان افضل من وليمة. (۱۰۶)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ، سیدہ عالم رضی اللہ عنہا کی دعوتِ ولیمہ جیسی بہترین اور عمدہ دعوتِ ولیمہ ہم نے اپنے زمانے میں کسی اور کی نہیں دیکھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں پسند کرتا ہوں کہ میری امت کے لیے نکاح کے وقت کھانا سنت ہو۔ اے بلال! تم ایک بکری اور چار منڈ غلے لے کر کھانا تیار کرو۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو ایک بڑے پیالے میں ذال کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس پیالے پر دست مبارک رکھا اور بلال سے کہا، مہاجرین اور انصار کو کھانے کے لیے بلاؤ۔ فرمایا، جب ایک جماعت کھانا کھالے تو دوسری جماعت گھر میں داخل ہو۔ چنانچہ ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ آتا گیا، یہاں تک کہ سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے۔

جو کھانا بچ گیا تھا، اُس میں آپ ﷺ نے لعابِ دہن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا، یہ کھانا اپنی ماؤں (امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن) کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو، وہ خود بھی کھائیں اور جو عورتیں ان کے پاس آئی ہوئی ہیں، انہیں بھی کھلائیں۔ (۱۰۷)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے خطاب ہو کر فرمایا، میں نے اپنی صاحبزادی اپنے بچپا کے بیٹے کے نکاح میں دے دی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ اس کا جو رتبہ میرے نزدیک ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں اپنی نسبتِ جگر کی رعیتی

سیدہ عالم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، آپ ﷺ کے قرب و جوار میں حارث رضی اللہ عنہ بن نعمان کے کئی مکانات ہیں، آپ ﷺ ان سے فرمائیے، وہ کوئی نہ کوئی مکان خالی کر دیں گے۔

حضرت حارث بن نعمان ایک متول انصاری تھے اور کئی مکانات کے مالک تھے۔ جب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، وہ اپنے کئی مکانات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر چکے تھے۔ جب سیدہ عالم رضی اللہ عنہا نے حارث رضی اللہ عنہ کے مکان کے لیے آپ ﷺ سے التماس کی تو حضور ﷺ نے فرمایا، جان پورا حارث سے اب کوئی مکان مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، وہ پہلے ہی کئی مکان دے چکے ہیں۔

سیدہ کا زہد و تقویٰ

خاتونِ جنت، سیدہ عالم سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا مخلص عبادت گزار، زہد و تقویٰ کی پیکر، دنیا اور اس کی آسائشوں اور آرائشوں سے بے پرواہ اور بے نیاز تھیں۔ سیدہ کی زندگی میں ایسے روشن واقعات و کردار کتنے ہی ہیں جو برکت اور نور کا فیضان ہیں، اور ان کے زہد و قناعت، ورع و تقویٰ اور خشیتِ الہی کے حامل اور رضائے الہی کے حصول کا موجب ہیں۔

علامہ شمس الدین القدی (م ۷۴۸ھ) بیان کرتے ہیں:

ایک مرتبہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عالم رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو اس وقت سیدہ کے گلے میں ایک سونے کا ہار تھا۔ شفیق و رحیم والد ماجد نے فرمایا، فاطمہ! کیا تمہیں اچھا لگے گا کہ لوگ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے گلے میں آگ کا ہار ہے؟ یہ فرما کر آپ ﷺ تو چلے گئے، لیکن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہار ﷻ کو اس کے بدلے ایک غلام خرید لیا اور اُسے آزاد کر دیا۔ جب یہ خوش کن خبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو فرمایا:

”اللہ کا شکر ہے! جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آگ سے نجات عطا فرمائی۔“ (۱۱۰)

زہد و ورع اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا یہ بے مثال کردار ہے۔ سیدہ الزہراء اور سیدہ الوردیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ تربیت کا اثر صاحبزادی میں نمایاں تھا۔

خاتونِ جنت زہد و قناعت، ورع و تقویٰ اور روحانی فضل و کمال کے اس مرتبہ پر فائز ہوئیں، جہاں ان کے دُور کی کوئی عورت نہ پہنچ سکی۔ اور انہوں نے سچائی کے پاکیزہ، مبارک اور

مقدس مقام کو حاصل کر لیا جو اپنے عظیم والد کی میراث سے ملا تھا۔

ام المومنین عائشہ کی گواہی

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بھی سیدہ عالم رضی اللہ عنہا کے صدق و راستی کی گواہی دیتی ہیں:

ما راایت احد مكان اصدق لهجة من فاطمة، الا ان يكون الذي ولدھا صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۱۱۱)

ترجمہ: میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو صاف گو اور راست باز نہیں دیکھا، البتہ اُن کے والد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔

عن عائشة رضي الله عنها، ما رايت احدا قط اصدق من فاطمة غير ابیھا۔ (۱۱۲)

ترجمہ: میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کبھی کوئی صاف گو نہیں دیکھا، سوا اُن کے والد گرامی قدر کے۔

دراغ بے پدیری

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں، اور اب تو صرف وہی باقی رہ گئی تھیں۔ غزوہ حنین کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورت نازل ہوئی:

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ،

تو یہ سن کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر رقت طاری ہو گئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو لُحْظ جگر کا رونا گوارا نہ ہوا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

البت اَوَّل اهل بيتي لحوقا بى۔

اس پر سیدہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔ (۱۱۳)

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بوجھل ہو گئی اور آپ ﷺ پر غمی طاری ہونے لگی تو سیدہ رضی اللہ عنہا یہ کیفیت دیکھ کر کہنے لگیں:

وَاخْتَرَبَ اَبَاهُ،

ترجمہ: ہائے میرے باپ کی بے چینی!

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب فرمایا، ”آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔“ (۱۱۳)

جب آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا اور آپ ﷺ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے تو سیدہ پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔ وہ بہت غمگین تھیں۔ آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا۔ غم والد میں کہہ رہی تھیں، میرے ابا جان! جبرئیل نے آپ کو اجل کا پیغام دیا، آپ کو رب نے بلا لیا، وہ چلے گئے۔ ہائے میرے والد کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے۔ (۱۱۴)

سیدہ النساء رضی اللہ عنہا پر والد گرامی قدر کے فراق کا ایسا گہرا اثر ہوا، جب تک زندہ رہیں کبھی ہنسم نہیں فرمایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے صحابہ کرام فارغ ہو گئے تو سیدہ عالم رضی اللہ عنہا نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا:

”تمہارے دلوں نے کیسے برداشت کر لیا کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈال رہے ہو۔“ (۱۱۵)

مرض الوفا

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خاتونِ جنت، سیدہ عالم، جگر گوشہ رسول سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا نہایت غمگین رہتی تھیں، اور اس پیشین گوئی کا بے قراری سے انتظار ہونے لگا جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رازدارانہ طور پر فرمائی تھی، ”میرے وصال کے بعد اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملو گی۔“

یہ ایام بھر دسکون کے ساتھ پورے کیے۔

سیدہ کی اولاد بیٹے اور بیٹیاں کم عمر تھیں۔ آپ کی تار داری کی خدمت انجام دینے سے قاصر تھے۔ قدرت نے یہ خدمت سیدہ النساء رضی اللہ عنہا ہی پر عیسٰی کو عطا فرمائی تھی۔ یہ خوش بخت خاتون سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں، ان سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ غزوہ سوتہ میں ان کی شہادت کے بعد سیدہ النساء سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

جب خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو ان کی تار داری میں سیدہ اسماء بنت عمیس زوجہ مکرمہ خلیفہ اول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھرپور حصہ لیا۔ اور اس حقیقت کا شیعہ علماء کو بھی

اعتراف ہے کہ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ مکرمہ سیدہ اسماء بنت عمیس خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے آخری ایام میں تار داری کی خدمات سرانجام دیتی رہی ہیں۔ چونکہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے مزاج میں انتہا کی حیا و شرم تھی، اس لیے انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کھلے جنازہ میں غورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے، جس کو میں ناپسند کرتی ہوں۔ میرا جنازہ لے جاتے وقت اور تدفین کے وقت پردے کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ سوائے اپنے اور میرے شوہر کے اور کسی سے میرے غسل میں مدد نہ لینا، اور رات میں جنازہ لے کر جانا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا، یا بنت رسول اللہ! میں نے ملک حبش میں دیکھا ہے کہ جنازہ پر درخت کی شاخیں باندھ کر اوپر کپڑا ڈال دیتے ہیں، جس سے ڈولی کی صورت بنا لیتے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کھجور کی چند شاخیں منگوا کیں، انہیں جوڑ کر ان پر کپڑا تان کر سیدہ بتول رضی اللہ عنہا کو دکھایا۔ سیدہ بعد سرور ہوئیں کہ یہ بہترین طریقہ ہے۔

مَا أَحْسَنَ هَذَا وَأَجْمَلُهُ.

سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا جنازہ بھی اسی طرح اٹھایا گیا۔ (۱۱۶)

نماز جنازہ

خاتونِ جنت، جگر گوشہ رسول سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کے غسل اور تجبیز و تکفین کے بعد نمازِ جنازہ پڑھانے کا مرحلہ پیش آیا۔ نمازِ جنازہ کی امامت کے فرائض کس شخصیت نے انجام دیے؟ حدیث، تاریخ، اہل سنت والجماعت اور کتب شیعہ میں تین نام ملتے ہیں: سیدنا علی المرتضیٰ، سیدنا عباس بن عبد المطلب اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (۱۱۷)

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں: حضرت فاطمہ دختر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئیں تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لائے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا، آپ جنازہ پڑھائیں۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، آپ خلیفہ الرسول ہیں، آپ سے پیش قدمی نہیں کر سکتا۔ پس امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقدم ہو کر نمازِ جنازہ پڑھائی۔

عن جعفر ابن محمد عن ابیہ قال ماتت فاطمة بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء ابو بکر و عمر یصلوا. فقال ابو بکر لعلی ابن ابی طالب تقدم. فقال ما کنت لاتقدم وانت خلیفة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. فتقدم ابو بکر و صلی علیہا. (۱۱۹)

علامہ محبت الطبری روایت نقل کرتے ہیں:

عن مالک عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ علی بن حسین قال ماتت فاطمة بین المغرب والعشاء. فحضرها ابو بکر و عمر و عثمان و الزبیر و عبدالرحمن بن عوف فلما وضعت لیصلی علیہا. قال علی تقدم یا ابو بکر. قال وانت شاهد یا ابا الحسن. قال نعم. تقدم. فواللہ لا یصلی علیہا غیرک. فیصلی علیہا ابو بکر رضی اللہ عنہم اجمعین. ودفنت لیلاً. خرج البتوری. وخرجہ ابن السمان فی لمرافقة. (۱۲۰)

ترجمہ: حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد محمد باقر سے اور وہ اپنے والد حضرت زین العابدین سے روایت کرتے ہیں کہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی وفات مغرب اور عشاء کے درمیان ہوئی۔ چنانچہ ابو بکر، عمر، عثمان، زبیر اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم نمازِ جنازہ کے لیے تشریف لائے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے امیر المومنین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا، تشریف لائیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا، اسے ابو الحسن! آپ کی موجودگی میں میں کیسے جنازہ پڑھاؤں؟ انہوں نے کہا، آپ تشریف لائیں، خدا کی قسم! آپ کے بغیر کوئی دوسرا شخص سیدہ کا جنازہ نہیں پڑھاؤں گا۔ پس ابو بکرؓ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور وہ رات کو ہی دفن کر دی گئیں۔

تدفین

اس بات پر سب ہی کا اتفاق ہے کہ خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی تدفین رات کے وقت عمل میں آئی۔ جنازہ بڑی خاموشی سے اٹھایا گیا۔ بنو ہاشم کے علاوہ بہت تھوڑی تعداد میں صحابہ شریک ہو سکے۔ سیدنا علی المرتضیٰ، سیدنا عباس اور سیدنا فضل بن عباس رضی

اللہ عنہم نے اس مقدس امانت کو قبر کے سپرد کیا۔

خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی آخری آرام گاہ کہاں بنی؟ اس میں متعدد اقوال پائے جاتے ہیں:

۱۔ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مدفن دار عقیل کے ایک گونے میں ہے۔

۲۔ آپ کی تربت جنت البقیع میں ہے۔

۳۔ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا اپنے گھر ہی میں مدفون ہیں، جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مقدسہ کے متصل ہے۔

پہلے قول کے مطابق امام ابن سعد روایت نقل کرتے ہیں:

محمد بن عمر کہتے ہیں، میں نے عبدالرحمن بن ابی سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک جنت البقیع میں واقع مسجد، جس کے پاس نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے، اس کے قریب واقع ہے۔ انہوں نے کہا، واللہ وہ مسجد ایک خاتون رقیہ نامی نے تعمیر کرائی تھی اور سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا دار عقیل کے ایک گونے میں مدفون ہیں۔ ان کی قبر اور راستہ کے درمیان سات ذراع کا فاصلہ ہے۔ (۱۲۱)

ابن زبالہ نے لکھا ہے کہ موزخ مسعودی نے ۳۳۲ھ میں جنت البقیع میں ایک قبر پر کتبہ دیکھا، جس پر تحریر تھا:

هذا القبر فاطمة الزهراء. (۱۲۲)

علامہ ابن کثیر اور علامہ عسقلانی نے بھی جنت البقیع کی روایت بیان کی ہے۔ (۱۲۳)

علامہ نور الدین علی بن احمد السہمی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) نے بڑی تفصیل سے اس پر کلام کیا ہے۔ ابن شیبہ سے متعدد روایات نقل کی ہیں کہ سیدہ خاتونِ جنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر جنت البقیع میں ہے۔ پھر ابن شیبہ ہی سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ ان کی قبر ان کے گھر ہی میں بنائی گئی تھی، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر اٹھا کر آئی جگہ قبر مبارک بنائی گئی تھی۔ سیدہ کی قبر بھی ان کے بستر والی جگہ ہی بنائی گئی تھی۔ بعد میں یہ جگہ عمر بن عبدالعزیز نے مسجد میں شامل کر لی تھی۔ (۱۲۴)

خاتونِ جنت کو سیدنا عباس، سیدنا علی اور سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہم نے قبر

میں اتارا۔ (۱۲۵)

اولادِ امجاد

خاتونِ جنت، سیدۃ النساء، جگر گوشہ رسول سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کی حیات تک سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ یہ محض سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے احترام و اکرام کی بنا پر تھا۔ اور یہ احترام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے دونوں داماد سیدنا ابوالعاص اور سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم نے بھی ملحوظ رکھا تھا۔

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پانچ اولادیں ہوئی ہیں: سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا محسن، سیدہ زینب، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (۱۲۶)

نبی ﷺ کے شہزادے

اللہ جل جلالہ نے اپنے حبیبِ حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تین شہزادے اور چار شہزادیاں مرحمت فرمائی تھیں۔ ایک بیٹے، حضرت ابراہیم کے علاوہ ساری اولاد ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پیدا ہوئی، جبکہ حضرت ابراہیم کی والدہ مکرمہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ بعثت ہوئی سے پہلے مکہ میں پیدا ہوئے، اور یہی سب سے بڑے تھے۔ ان ہی کی وجہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ”ابوالقاسم“ تھی۔ یہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکے اور شیر خوارگی کے زمانہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ (۱۲۷)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

پھر اللہ جل جلالہ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر احسان فرمایا اور انہیں دوسرا بیٹا عطا فرمایا، جس کا نام ”عبداللہ“ اور لقب طاہر اور طیب تھے۔ ان کی ولادت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ میں ہوئی۔ پھر اللہ جل شانہ کی مشیت کا ظہور ہوا، عبداللہ کا انتقال جبقولیت کے زمانہ میں ہو گیا۔ پہلے حضرت قاسم فوت ہوئے اور بعد میں حضرت عبداللہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اس پر عاصم بن وائل السہمی نے آپ ﷺ کی شان میں کہا تھا، ”بے اولاد اور بے نام و نشان رہنے والا شخص ہے۔“

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بیٹے کو دودھ پلانے کے سلسلہ میں گفتگو کی۔ پھر وہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے لگیں۔ اُم بردہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے کے جیسے کا دودھ پلایا کرتی تھیں، اور دودھ پلا کر بچے کو اس کی ماں کے حوالے کر دیتی تھیں۔ (۱۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنسا (مرصعہ) کو کھجور کا ایک درخت عطا کیا تھا اور انہیں سات بکریاں بھی عطا کی تھیں، تاکہ وہ جب بچے کی خوراک کو پورا نہ کر سکیں تو اُن کے ذریعے کی کو پورا کر لیں۔ اُم بردہ رضی اللہ عنہا بچے کو مستقل طور پر دودھ پلانے کا انتظام نہ کر سکیں، لہذا اُن کے بعد اُم سیف رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کی ذمہ داری سنبھال لی۔ (۱۳۱)

حضور ﷺ کی بیٹے سے محبت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے اُم سیف رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

حضرت شیمان فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے، میں حضور ﷺ کے پیچھے چلنے لگا، یہاں تک کہ حضور ﷺ ابو سیف کے گھر کے پاس پہنچ کر رک گئے۔ ابو سیف اپنی دھوئیں میں پھونک رہے تھے، جس کی وجہ سے پورے گھر میں دھواں ہو رہا تھا۔ میں تیزی سے چل کر حضور ﷺ سے آگے نکل گیا اور ابو سیف کے پاس پہنچ کر اُن سے کہا، اے ابو سیف! ٹھہر جائیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں۔ ابو سیف ٹھہر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کو آواز دی اور اُسے سینے سے لگا لیا اور وہ بات فرمائی جو اللہ نے چاہی۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہوتے تو اپنے بیٹے سے ملاقات کرتے، اُس کو گود میں اٹھاتے، اسے پیار کرتے اور اُس میں اُنسیت، مسرت اور دل لگی محسوس کرتے۔ کبھی حضور ﷺ اپنے بیٹے کو اٹھاتے اور انہیں اپنی ازواج کے پاس لے جاتے، پھر ان کے حوالے بھی کر دیتے۔ (۱۳۲)

ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال بے ملال

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرزند ولید کی پرورش اور نشوونما کا مشاہدہ فرما رہے

اس موقع پر اللہ جل شانہ نے سورۃ الکوثر نازل فرما کر اس کا دعوان ممکن جواب دیا:

إِنَّا أَغْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ. فَضَلَّ لِيْزِيْكَ وَانْحَوِ. إِنَّ شَأْنَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ. (سورۃ الکوثر)

ترجمہ: ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا، لہذا آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ بلاشبہ آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان رہے گا۔

علامہ زبخری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

آپ کا دشمن بے نام و نشان رہے گا نہ کہ آپ۔ اس لیے کہ قیامت تک پیدا ہونے والا ہر مومن آپ کی اولاد میں سے ہے۔ اور آپ کا ذکر خیر منبروں پر اور ہر عالم اور ہر ذکر کرنے والے کی زبان پر ہمیشہ جاری رہے گا۔

اللہ کے ذکر سے ابتدا کی جائے گی اور پھر آپ کا ذکر کیا جائے گا۔ لہذا آپ جیسے شخص کو بے نام و نشان رہنے والا نہیں کہا جاسکتا۔ بے نام و نشان رہنے والا اور حقیقت آپ کا دشمن ہے، جسے دنیا و آخرت میں کوئی یاد کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور جب بھی اس کا تذکرہ ہوگا تو لعنت کے ساتھ ہوگا۔ (۱۳۸)

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عبد اللہ کی مدت رضاعت پوری کرنے کے لیے جنت میں مرضعہ یعنی اُنکا کا انتظام ہو چکا ہے۔ (۱۳۹)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے فرزند ارجمند کا نام ”ابراہیم“ تھا۔ یہ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے اور ان کی والدہ سیدہ ماریہ مصریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ ﷺ نے ساتویں دن بیٹے کے حقیقت میں ایک بکری ذبح کی۔ اس کے سر کے بال منڈوا کر اُن کے دُرن کے برابر چاندی صدقہ فرمائی اور بال دُفن کرنے کا ارشاد فرمایا۔

انصار مدینہ بچہ کو دودھ پلانے کے انتظام میں رغبت کر رہے تھے اور ہر شخص چاہتا تھا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو لے جائے اور اُن کی رضاعت کا بندوبست کرے۔ اس اثناء میں بنو نجار سے تعلق رکھنے والے صحابی براء بن اوس کی اہلیہ اُم بردہ خولہ بنت منذر حاضر خدمت ہوئیں

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مارہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بہن سیرین کو قتل دینے کے لیے فرمایا: ”جنت میں ابراہیم کے لیے اٹکا یعنی دودھ پلانے والی کا انتظام ہو چکا ہے۔“

ام مردہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو غسل دیا اور بھجور کی شاخوں کی چار پانی پر ڈال دیا۔ لوگوں نے انہیں اٹھایا اور ایک جگہ لے گئے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اور بہت سے مسلمان موجود تھے، یہاں تک کہ وہ سب جنت البقیع پہنچے۔ حضور ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، چار بھجوریں کہیں۔ فضل بن عباس اور امامہ بن زیاد رضی اللہ عنہم قبر میں اترے۔ حضور ﷺ قبر کے دہانے پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: ”ہم نے اسے اپنے ساتھی عثمان بن مظعون کے ساتھ دفن کر دیا۔“ پھر آپ ﷺ نے ایک اینٹ کا خلاء دیکھا تو اسے بند کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا: ”ہم نے اسے اپنے اچھے نیک آدمی کے ساتھ دفن کر دیا۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر ہانے علامت کے طور پر ایک پتھر رکھا، اور فرمایا: ”یہ پتھر نفع نقصان نہیں دے سکتا، لیکن زندہ لوگوں کی آنکھوں کی خشک کا ذریعہ ہے، اور آدمی جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اللہ پاک چاہتے ہیں کہ اسے اچھی طرح کرے۔“

پھر حضور ﷺ نے اپنے سب مبارک سے قبر کی مٹی کو ہموار کیا اور فرمایا: ”کوئی شخص پانی کا مشکیزہ لا سکتا ہے؟“ ایک انصاری آدمی فوراً پانی کا مشکیزہ لے آیا۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اسے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر چھڑک دو۔ (۱۳۵)

سورج گرہن

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت سورج گرہن ہو گیا۔ لوگوں نے اسے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی کرامت خیال کیا، اور کہا: ”سورج کو ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت کی وجہ سے گرہن لگا ہے۔“ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو فرمایا: ”سورج اور چاند اللہ کی دو نشانیاں ہیں۔ ان میں کسی کی زندگی یا موت کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ جب تم ان کو اس حالت میں دیکھو تو فوراً نماز کے ذریعہ اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جاؤ۔“ (۱۳۶)

محمد حسین بریل فرماتے ہیں:

”ایک بہت بڑی نشانی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم معصیت و غم کی الٹا گھڑی کے اندر

تھے۔ اس سے دل لگی اور تنگ فرماتے۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہا۔ جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ دینہ سال کے ہوئے اور حضور ﷺ کا ان کے ساتھ قلمی تعلق میں اضافہ ہو گیا تو مرض نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو آگھیرا۔ ان کی والدہ بے چین اور پریشان ہو گئیں۔ انہیں کچھ نہ سوجھ رہا تھا کہ کیا کریں۔ اپنی بہن سیرین کو مدد کے لیے بلایا۔ وہ دونوں بچے کی دیکھ بھال اور تیمارداری کرنے لگیں۔ اس کے لیے دوائی تلاش کی، بچے کو ”نخل العالیہ“ لے گئے، لیکن مرض شدت اختیار کرتا گیا۔ دوا اور علاج محالہ کسی کام نہ آیا۔ اچانک انہیں بچے کا سانس اکھڑتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ تیزی سے بچے کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ کو ابراہیم رضی اللہ عنہ کی حالت کی خبر ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ عبدالرحمن بن عوف کے کندھے پر سہارا لگائے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کے چہرے سے شدید غم کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ پھر بچے کی روح نفسِ غصری سے جدا ہو گئی۔ (۱۳۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہو گئی۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ ”اے ابراہیم! ہم امرا اہلی کے مقابلے میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتے۔“ حضور ﷺ نے بچے کی ماں اور خادمہ کو پیٹتے ہوئے سنا تو انہیں منع کیا اور اتنی بات فرمائی: ”اے ابراہیم! اگر موت امر حق اور سچا وعدہ نہ ہوتی اور یہ کہ ہمارے آنکھوں کو پچھلوں کے ساتھ ملنا ہے تو ہم تجھ پر اس سے بھی زیادہ غم کرتے۔“

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غمگین ہے، لیکن ہم زبان سے وہی بات نکالیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اور اے ابراہیم! ہم تیرے فراق پر بڑے دکھی ہیں۔“

جب مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین دیکھا تو مسلمان بھی حضور ﷺ کے غم میں غمگین ہو کر رونے لگے۔ اور بعض مسلمانوں نے حضور ﷺ کی تکلیف دہ پریشانی کو کم کرنے کی کوشش بھی کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ احکام یاد دلانے جو آپ ﷺ نے فرمائے تھے۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں نے تمہیں غمگین ہونے سے تو منع نہیں کیا، بلکہ میں نے تو بلند آواز کے ساتھ رونے سے منع کیا ہے۔ اور جو حالت تم میری دیکھ رہے ہو، یہ تو دل کی محبت اور رحمت کا اثر ہے۔ اور جو شخص رحمت کو ظاہر نہیں کرتا، کوئی دوسرا بھی اس کے لیے رحمت کو ظاہر

بھی اپنے منصب رسالت سے غافل نہیں ہوئے! اس حدیث کو پڑھ کر مستشرقین (غیر مسلم علمائے اسلام) نے بھی حضور ﷺ کی عظمت و جلالت کا اعتراف کیا اور وہ اپنی حیرانگی، حضور ﷺ کی عظمت اور اس بات کی معرفت کے اعلان کو نہیں چھپا سکے کہ وہ شخص یقیناً سچا ہے جو ایسے حالات میں بھی سچائی اور حق سے دستبردار ہونے پر راضی نہیں۔

محمود فلکی نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کا دن ۲۹ شوال ۱۰ ہجری بمطابق ۲۷ جنوری ۶۱۲ عیسوی بروز جمعہ بتایا ہے۔ اس دن مدینہ میں مکمل طور پر سورج گرہن ہوا تھا۔

شاہ کونین رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے، نواسیاں

اہل بیت رسول ﷺ میں جس طرح آپ ﷺ کی بیویاں اور بیٹیاں شامل ہونا دلائل قاطعہ اور براین ساطعہ سے ثابت ہو چکا ہے، یہ بھی قمری ہے کہ رسول الثقلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد کی اولاد کو، یعنی آپ ﷺ کے نو اسوں اور نو اسیدوں کو اہل بیت سے خارج کر دیا گیا ہے۔ سوائے خاتون بنت سیدۃ النساء سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد کے، اس میں بھی دخل سے کام لیا گیا ہے۔

اگرچہ رسول الثقلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے نو اسے اور نو اسیاں اپنے باپ کی نسبت سے آل ابی العاص، آل عثمان اور آل علی ہیں، لیکن مجازاً اپنی ماؤں کی مناسبت سے وہ بھی مجازاً آل بیت ہیں۔

✦ شہزادی سیدہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ زوجہ محترمہ حضرت ابوالعاص الاموی
• علی • امامہ

✦ شہزادی سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ زوجہ محترمہ حضرت عثمان غنی الاموی
• عبداللہ

✦ شہزادی سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ زوجہ محترمہ حضرت علی المرتضیٰ الہاشمی
• حسن • حسین • ام کلثوم • زینب

رضی اللہ عنہم اجمعین

نواسہ رسول علی بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ

شہزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے لڑکے جگر علی بن ابی العاص بن المرتضیٰ بن عبدی بن عبد الشمس، اور نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضرت علی بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی غاضرہ کی ایک خاتون کا دودھ پیا تھا۔ رضاعت کی مدت پوری ہو جانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ذریعہ کفالت لے لیا تھا، کیونکہ ان کے باپ ابوالعاص اُس وقت مکہ میں مقیم تھے اور بتوزار اسلام نہیں لائے تھے۔^(۱)

سرور و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت و تربیت پر دان چڑھتے رہے۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ شان و شوکت اور جہاد و جلال کے ساتھ داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے نواسے علی بن ابوالعاص کو اپنے ساتھ سوار کر رکھا تھا۔^(۲)

علی بن ابوالعاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں باواعت کے قریب پہنچ کر وفات پائی۔ الہیہ ابن عساکر نے بعض اہل علم کا قول نقل فرمایا ہے، جنگ یرموک کے موقع پر شہید ہوئے ہیں۔^(۳)

نواسی رسول امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ عنہا

نام امامہ، والد کا نام ابوالعاص بن ربیع بن عبد العزی، والدہ مکرمہ سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رحمت و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی ہیں۔

رحمت و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتوں اور محبتوں کا محور و مرکز آپ ﷺ کی پیاری نواسی و شب نبوت کی شہسوار امامہ کی محبت آپ ﷺ کے قلب اطہر میں رچی بسی ہوئی تھی۔ آپ ہی کے ظلِ عاشقت میں پرورش پائی۔ چونکہ امامہ مادری پوری شفقتوں سے محروم تھی، اس لیے آپ ﷺ کی نظرِ شفقت ہمہ وقت ان کی دیکھری کرتی۔ محبت و پیار کا یہ عالم تھا کہ نماز جسی عظیم الشان عبادت کے دوران بھی آپ ﷺ ان کو جدا نہیں فرماتے تھے۔^(۴)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ شاہ حبشہ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش بہا قیمتی تحائف بھیجے۔ ان میں ایک باریجہ نہیں اور گراں قیمت تھا۔ اس وقت آپ ﷺ کی ازواج مطہرات آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں اور امامہ بنت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مصعومانہ انداز میں گھر کے ایک کونے میں کھیل رہی تھیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں یہ ہارا پتی محبوب ترین اہل گودوں کا۔“

ازواج مطہرات کا خیال تھا کہ یہ شرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوگا۔ لیکن یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنا بڑا اعزاز معصوم کلی امامہ کے مقدر میں ہے۔ آپ ﷺ نے امامہ کو بلا کر اپنے وسیع مبارک سے اس کے گلے کی زینت بنایا۔ لا دفع عنہا الی احب اہلی النبی۔^(۵)

شاہ کونین ﷺ کے نواسے نواسیاں

رسول انفقین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے اپنی نواسی کے لیے ”اہلسی“ کے مقدس الفاظ صادر ہوئے ہیں، لیکن بعض لوگ انہیں اہل بیت نبوی میں شامل نہیں کرتے۔ سرور و دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت پیاری امامہ سن شعور کو پہنچ چکی تھیں۔ جب سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اپنے آخری ایام میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد میری بہن کی بیٹی امامہ سے نکاح کر لیتا، وہ میری اولاد کے حق میں میری قائم مقام ہوگی۔^(۶)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خاتونِ جنت کی وصیت کے مطابق امامہ سے نکاح کر لیا تھا۔ وہ ان ہی کی زوجیت میں رہیں، لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

جب ۴۰ھ میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور پھر شہید ہو گئے تھے تو انہوں نے عبدالمطلب کے پڑپوتے مغیرہ بن نوفل کو امامہ سے نکاح کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اجازت سے امامہ کا نکاح مغیرہ سے ہو گیا، اور مغیرہ ہی کے ہاں امامہ نے وفات پائی۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔^(۷)

نواسیہ رسول عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ

شہزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے، جو اللہ رب العزت سے عطا فرمائی، وہ دو بیٹیوں پر مشتمل تھی۔ موذنین کی تصریح کے مطابق ایک ناقص پچھلے میں پیدا ہوا۔ اس کے بعد دوسرا پیدا ہوا جس کا نام عبد اللہ رکھا گیا اور اسی سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ چھ سال کی عمر میں بچے کے چہرے پر سرخ نے شوخ ماری۔ چہرے پر دم آ گیا۔ اسی عارضہ میں بچے کا انتقال ہو گیا تھا۔^(۸)

یہ واقعہ متعدد مؤرخین نے لکھا ہے، معارف ابن قتیبہ، ص ۶۲؛ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۰۰؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۳۵۶؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۰۴ وغیرہ۔

نواسیہ رسول حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

حسن نام، ابو محمد کنیت، سید اور ربیعہ النبی خطاب، شیخ رسول اللقب۔

دو حیا لی شجرہ طیبہ اس طرح ہے؛ ابو محمد حسن بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب قرشی مطہری۔

آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ بتول فاطمہ زہرا، جگر گوشہ رسول ﷺ تھیں۔ اور آپ کے پدر بزرگوار سیدنا علی المرتضیٰ ابن عم رسول تھے۔ اس لیے آپ کی ذات گرامی دہرے شرف کی حامل تھی۔

سنہ ہجری کے تیسرے سال رمضان المبارک میں معدن نبوت کا یہ گوہر شب چراغ استغنا و بے نیازی کی اقیم کا حصار، صلح و مسالمت کی پُر سکون مملکت کا شہنشاہ، دوش نبوت کا سوار، فتنہ و فساد کا بچ کن نور افزائے عالم وجود میں آیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”حسن“ نام تجویز فرمایا۔ پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا۔ عقیقہ میں دو ذبے ذبح کیے۔ سر کے بال اترا دئے اور ان کے ہم وزن چاندی خیرات کی۔

عہد نبویؐ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسنؑ کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی، وہ کم خوش قسمتوں کو نصیب ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے بڑے ناز و نعم سے ان کی پرورش فرمائی۔ کبھی آغوش شفقت میں لیے ہوئے نکلتے، کبھی دوش مبارک پر سوار کیے ہوئے برآمد ہوتے۔ ان کو دیکھنے کے لیے روزانہ صاحبزادی فاطمہؑ کے گھر تشریف لے جاتے۔ کبھی حالت نماز میں پشت مبارک پر پڑھ جاتے۔ جاں نثار نانا نہایت پیار اور محبت سے ان طفلانہ شوخیوں کو برداشت کرتے۔ ابھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ آٹھ سال ہی کے تھے کہ یہ بابرکت سایہ سر سے اٹھ گیا۔

عہد صدیقی

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند نبیین خلافت ہوئے۔ آپ بھی ذات نبوی کے تعلق کی وجہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز عصر سے فارغ ہو کر نکلے، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ راستے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کھیلنے دیکھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے پیار سے انھیں کندھے پر بٹھالیا، اور فرمانے لگے، خدا کی قسم! یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے، علیؑ کے مشابہ نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ مسکرا دیے۔ (۹)

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں دونوں بھائیوں کے ساتھ ایسا ہی محبت آمیز برتاؤ رکھا۔ جب آپ نے کبار صحابہ کے وظائف مقرر کیے تو گو حضرت اس صف میں شامل نہیں ہوتے تھے، لیکن آپ نے ان کا بھی پانچ ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ (۱۰)

امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانے میں ایسا ہی شفقت آمیز طرز عمل جاری رکھا۔ صدیقی اور فاروقی دور میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی کم سنی کے باعث کسی کام میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ سیدنا عثمانؓ کے عہد میں وہ جوان ہو چکے تھے، چنانچہ اسی دور میں ان کی عملی زندگی کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے آپ طبرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔

جب امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسند خلافت خالی ہو گئی اور مسلمانوں کی نگاہ انتخاب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر پڑی اور وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے تو حسن رضی اللہ عنہ نے غایت عاقبت اندیشی سے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ جب تک تمام ممالک اسلامیہ کے لوگ آپ سے خلافت کی درخواست نہ کریں، اس وقت تک آپ است قبول نہ کریں۔

لیکن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خلیفہ کا انتخاب صرف مجاہدین و انصار کا حق ہے۔ جب وہ کسی کو خلیفہ تسلیم کر لیں تو پھر تمام ممالک اسلامیہ پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ (۱۱)

امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینے کے معاملہ میں صحابہ کی آراء مختلف ہو گئیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم سے اس کا مطالبہ کر رہے تھے۔ لیکن حالات کی سنگینی امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو قصاص لینے سے رکاوٹ تھی، جس سے باہمی اختلافات کی خلیج بڑھ گئی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

خلافت کے پانچویں سال ۴۰ھ رمضان المبارک ۴۰ھ میں ابن ملجم کے ہاتھوں امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مجروح ہو گئے، جس کے باعث آپ کی شہادت واقع ہو گئی۔ اسی روز لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ (۱۲)

زمان خلافت سنبھالنے کے بعد جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کی فوج میں اختلاف و انتشار پایا جاتا ہے تو آپ ان سے ہزار اور مایوس ہوئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو اہل شام کے ساتھ مسکن تک آچکے تھے، ایک خط کے ذریعے صلح کی مشروط پیش کی۔ اگر وہ شرط قبول کر لیں تو وہ امارت سے حضرت معاویہ کے حق میں دستبردار ہو جائیں گے اور مسلمان خون ریزی سے بچ جائیں گے۔ لوگوں کو اس خط کا علم ہوا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اتفاق رائے ہو گیا۔^(۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی اپنی زندگی میں فرمادی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے گا۔“^(۱۴)

حسن و اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں شہزادوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

الحسن والحسين سيد الشبان اهل الجنة.

ترجمہ: حضرت حسن اور حضرت حسین جنتیوں کے سردار ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هما ریحان عافی من الدنيا.^(۱۵)

ترجمہ: حسن اور حسین میرے گل خنداں ہیں۔

شہادت کا واقعہ

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ۵۵ھ میں زہر دیا گیا، جو ان کی شہادت کا باعث ہوا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے عظیم والد ماجد کی جگہ ۴۱ھ میں والی مقرر ہوئے۔ اسی سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی۔ آپ کی خلافت چھ ماہ رہی۔

اس طرح ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں اس بوریہ نشین مسند بے نیازی نے اس دنیا سے دُنی کو خیر باد کہا۔ وفات کے وقت عمر مبارک ۴۸ یا ۴۹ سال تھی۔ اور جنت البقیع میں راحت گزری ہوئے۔

اولاد میں آنحضرت کے اور دلائل کمال چھوڑیں۔ بیویوں کی تعداد بہت زیادہ بیان کی جاتی ہے۔

نواسہ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

حسین نام، ابو عبد اللہ کنیت، سید شباب اہل الجنۃ اور ریحانۃ النبی لقب، والد گرامی قدر علیؑ، اور سیدہ بتول جگر گوشہ رسول فاطمہؑ والدہ ماجدہ تھیں۔ اس لحاظ سے آپ کی ذات ستودہ صفات قریش کا خلاصہ اور بنی ہاشم کا معطر تھی۔ شجرہ طیبہ یہ ہے: حسین بن علی بن ابی طالب بن ہاشم بن عبد مناف قرشی ہاشمی و مطلبی۔

ع دل و جان با وفہ اپنا چہ عجب خوش قسمتی

پیدائش

ابھی آپ شکم مادر میں تھے کہ حضرت ام الفضل بنت حارثؑ نے خواب دیکھا کہ کسی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میں نے ایک ناگوار اور بھیا تک خواب دیکھا ہے، جو ناقابل بیان ہے۔ آپ ﷺ کے اصرار پر انہوں نے خواب بیان کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یہ تو مبارک خواب ہے۔ فاطمہؑ کے ہاں لڑکا پیدا ہو گا اور تم اسے گود میں لوگی۔^(۱۶)

ولادت با سعادت کی خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ نومولود کو دیکھا۔ کانوں میں اذان دی۔ نام رکھا۔ سر کے بال اتروا کر ہم وزن چاندی خیرات کرنے کا حکم دیا۔ پھر بزرگوار کے حکم کے مطابق سیدہ فاطمہؑ زہراؑ رضی اللہ عنہا نے عقیقہ کیا۔^(۱۷)

خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی میں پروان چڑھے۔ خلافت عثمانی میں غفوان شباب کی بلند یوں کو چھونے لگے۔ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اپنے برادر بزرگ کے شانہ بشانہ شریک کار رہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دستبردار ہو جانے کے بعد ۵۶ھ میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینا چاہی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی ان حضرات کے ساتھ تھے جو اس بیعت کے حق میں نہیں تھے۔ یزید کی ہمنوائی اور اس کی بیعت سے انکار اور گر پڑا آخر میدانِ کربلا میں خانوادہ نبوت کی شہادت پر فوج ہوا۔ بالآخر وہ قیامت خیز ساعت بھی آگئی کہ فلک امامت کا آفتاب میدانِ جنگ کے افق پر طلوع ہوا۔ طویل اور شدید جنگ کے بعد محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ستمبر ۶۸۱ء کو خانوادہ نبوی کا آفتاب ہدایت ہمیشہ

کے لیے ردپوش ہو گیا۔

اولاد

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں علی اکبر، عبد اللہ اور ایک چھوٹے صاحبزادے واقعہ کر بلا میں شہید ہوئے۔ امام زین العابدین زندہ بچ گئے، ان ہی سے نسل چلی۔ صاحبزادیوں میں سیکت، فاطمہ اور زینب تھیں۔

امام زین العابدینؑ

نام و نسب

علی نام، ابو الحسن کنیت، زین العابدین لقب، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند، اصغر اور ریاض نبوت کے گل تر تھے۔ میدان کر بلا میں اہل بیت نبوی کا چمن اُجڑنے کے بعد یہی ایک پھول باقی رہ گیا تھا، جس سے دنیا میں شمیم سیادت پھیلی اور حسینؑ کا نام باقی رہا۔

درد خیالی شجرہ آفتاب سے زیادہ روشن اور مایہ ناز ہے۔ ناصحیالی شجرہ مختلف قید ہے۔ مشہور روایت کے مطابق آپ ایران کے آخری تاجدار بزد گرد کے نواسے یعنی مائی شہر بانوں کے فرزند ارجمند تھے۔

واقعہ کر بلا کے وقت عمر مبارک ۳۳ سال تھی۔ آپ کی ولادت ۳۸ھ اور وفات ۹۵ھ میں ہوئی۔

امام زین العابدین کی نسل دنیا میں چھ فرزندوں سے باقی ہے۔ محمد باقر، عبد اللہ الیاء، زید الشہید، عمر الاشرف، حسین الاصغر، علی الاصغر۔
دو بیٹیاں ام کلثوم اور خدیجہ تھیں۔

عبد اللہ

امام باقر کے برادر شفیق ہیں۔ ان کی نسل محمد الارقطہ سے جاری ہے۔

اس کا ایک ہی بیٹا اسماعیل تھا۔ ان کے دو بیٹے حسین اور محمد تھے اور محمد کی نسل تر سے آئم اور جرجان میں پائی جاتی ہے۔

زید الشہید

ان کی والدہ ام ولد تھیں۔ ان کا ۱۵ھ صفر ۱۲۱ھ میں ہوا چار فرزند تھے۔ یحییٰ، جو

اٹھارہ سال کی عمر میں شہید ہو گئے۔ ان کی ایک بیٹی اور تین بیٹے تھے۔ حسین ذی الدعو، یعنی موسیٰ الاشبال اور محمد، ان سے نسل چلی ہے۔

عمر الاشرف

زید شہید کے برادر شفیق ہیں۔ ان کی نسل علی الاصغر سے جاری ہوئی۔ ان کے تین فرزند تھے: قاسم، عمر اور ابو محمد الحسن۔ نسل کثیر باقی ہے۔

حسین الاصغر

ان کی والدہ ساعدہ ہے، جو ام ولد ہیں۔ حسین الاصغر نے ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔ بیٹے: عبد اللہ، عبد اللہ علی، ابو محمد الحسن، سلیمان تھے۔ حجاز، عراق، شام اور مغرب میں نسل پائی جاتی ہے۔

علی الاصغر

ان کی نسل انطس سے جاری ہے۔ انطس کی نسل علی الحوری، عمر، حسین، حسن، مکشوق، عبد اللہ الشہید سے جاری ہے۔

امام باقر

محمد نام، باقر لقب، ابو جعفر کنیت ہے۔ باقر العلوم، وافر الحکم، جلیل القدر تھے۔ صحاح میں ان کی مرویات پائی جاتی ہیں۔

واقعہ کر بلا کے وقت تقریباً تین سال عمر تھی۔ ان کی نسل امام جعفر صادق سے جاری ہے۔ (۱۸)

نواسی رسول سیدہ ام کلثومؑ

ام کلثوم نام، والد گرامی کا نام علی بن ابو طالب بن عبد المطلب، اور والدہ ماجدہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سیدہ ام کلثوم نواسی رسول اللہ، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نور نظر اور جگر گوشہ سیدہ فاطمہ بتولؑ ہیں۔

اپنی والدہ محترمہ کے وصال کے بعد اپنی خالہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی سیدہ امامہ بنت العاص، جن سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا تھا، کی پرورش اور نگہداشت و شفقت و محبت میں پروان چڑھیں۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نواسی رسول سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا اور ایک انتہائی معقول بات بھی کہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

كُلُّ نَسَبٍ وَ نَسَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِلَّا نَسَبِي وَ سَبَبِي.

ترجمہ: قیامت کے دن ہر ایک سلسلہ نسب ختم ہو جائے گا، لیکن میرا سلسلہ نسب منقطع نہیں ہوگا۔

اس لیے میری خواہش ہے کہ اس رشتے کے ذریعے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا نسب قائم ہو جائے، تاکہ قیامت کے دن یہ منقطع نہ ہونے پائے۔

چنانچہ جلیل القدر صحابہ کرام، جن میں حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم، جمعین اور دیگر مہاجرین شامل تھے، نے مجلس نکاح منعقد کی، اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔^(۱۹)

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی ولادت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے پہلے ہو چکی تھی۔ خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کا رشتہ طلب کرتے ہوئے کہا، میں اس رشتے کے ذریعے وہ عزت و کرامت حاصل کرنا چاہتا ہوں جو دوسرے کسی رشتے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

سیدہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اولاد صغریٰ کا عذر پیش کیا، لیکن پھر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی رضامندی حاصل ہو جانے پر ریاض الجحہ میں مہاجرین اور معزز صحابہ کرام کی مجلس میں چالیس ہزار درہم مہر کے عوض نکاح کر دیا۔^(۲۰)

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نواسی رسول مقبول ﷺ کے اطن سے امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد، ایک بیٹا زید اور ایک بیٹی رقیہ پیدا ہوئی۔ زید بن عمر اور سیدہ ام کلثوم بنت سیدہ فاطمہ بنوں دونوں ماں بیٹا ایک ہی دن فوت ہوئے اور دونوں کا جنازہ ایک ساتھ پڑھا گیا۔^(۲۱)

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عون بن جعفر بن ابی طالب سے کر دیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد عون کے بھائی محمد بن جعفر بن ابی طالب سے اور محمد کے وصال کے بعد عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تھا۔^(۲۲)

نواسی رسول سیدہ زینب بنت علیؑ

نام زینب، والد گرامی قد علی بن ابی طالب، اور والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ خاتون جنت اور نواسی رسول ہیں۔

عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے نکاح ہوا۔ جن سے علی، عون الاکبر، عباس، محمد اور ام کلثوم پیدا ہوئے۔^(۲۳)

میدان کربلا میں قافلہ شہداء کے ہمراہ تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دشمن کے کید و شر سے محفوظ رکھا۔

علامہ سید قاسم محمود لکھتے ہیں:

۵ جمادی الاولیٰ ۵۵ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۵ رجب ۶۲ھ میں وصال ہوا۔ فاطمہ الزہراء بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور تاریخ اسلام کی محترم شخصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں۔

انہیں عقیلہ بنی ہاشم کہا جاتا تھا۔ ام کلثوم اور ام الحسن آپ کی کنیت تھی۔ صدیقہ صغریٰ ان کا لقب تھا۔ ولادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زینب رکھا۔ ساتویں دن حضور انور ﷺ نے عقیقہ فرمایا۔ چھ سات برس کی تھیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بیٹے محمد بن عبداللہ بن جعفر کربلا میں شہید ہوئے۔ واقعہ کربلا کے بعد حضرت زینب دمشق میں اہل بیت کے ساتھ رہیں۔ استقامت، عبادت، ایثار، جہاد اور حمایت دین کا جو مظاہرہ آپ نے فرمایا، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔^(۲۴)

حواشی

آل اور اہل بیت کی توضیح

- ۱۔ لسان العرب، ج ۱۱، ص ۱۳۰، اہل
- ۲۔ ایضاً، ص ۲۹
- ۳۔ القاموس المحیط، ج ۲، ص ۶۷۱
- ۴۔ مفردات القرآن، اردو، ج ۱، ص ۵۸
- ۵۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ج ۱، ص ۵۴
- ۶۔ مفردات القرآن، اردو، ج ۱، ص ۵۶
- ۷۔ ایضاً، ص ۵۸
- ۸۔ شرح مہذب، ج ۳، ص ۳۴۸
- ۹۔ فتح الباری، ص ۱۹۴، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۶۳۵۸
- ۱۰۔ الصواعق المحرقة، ص ۱۳۴
- ۱۱۔ المختصر المفید، فارسی، ج ۳، ص ۶۸۰-۶۸۱
- ۱۲۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۶، کتاب الطہرہ
- ۱۳۔ ترمذی، ج ۲، ص ۸۵، کتاب الایمان
- ۱۴۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۴۳، کتاب الطلاق
- ۱۵۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح
- ۱۶۔ ابوداؤد، کتاب النکاح
- ۱۷۔ ترمذی، ج ۲، ابواب المناقب
- ۱۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۵۵

- ۱۹۔ بخاری، ج ۲، ص ۸۰۸، کتاب النکاح، باب نفقة المفسر علی اہله
 ۲۰۔ مسلم، ج ۱، ص ۳۹۰
 ۲۱۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۳۳، کتاب الحج، باب الثریات یوم النحر
 ۲۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۹۵، طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۱۰۳
 ۲۳۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۹۷، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۶۵، کتاب التوحید
 ۲۴۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۶۷، کتاب التوحید حدیث اکث
 ۲۵۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب نمبر ۱، حدیث نمبر ۶۳۶۰، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فی الکفاف والقناعة، حدیث نمبر ۱۰۵۵
 ۲۶۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب معیشتہ آل محمد، ص ۳۰۶
 ۲۷۔ بخاری، ج ۲، ص ۹۵۶، کتاب الرقاق
 ۲۸۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۰۹
 ۲۹۔ ایضاً
 ۳۰۔ ایضاً، ص ۳۱۰
 ۳۱۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۲۱، کتاب النکاح
 ۳۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۷۶، کتاب المغازی، حدیث نمبر ۱۲۰۵
 ۳۳۔ معارف الحدیث، ج ۵، ص ۲۳۳-۲۳۴
 ۳۴۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۳۱
 ۳۵۔ از تفسیر البخاری، ج ۲، ص ۵۱۹
 ۳۶۔ اشرف الجواب، ص ۸۵
 ۳۷۔ شفا قاضی عیاض، ج ۲، ص ۶۶، شرح شفا القاری، ج ۲، ص ۱۳۷، فتح الباری، ج ۱، ص ۱۶۱
 ۳۸۔ شرح مہذب، ج ۳، ص ۴۴۹
 ۳۹۔ اوجز المسالك، ج ۲، ص ۱۵۴
 ۴۰۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۷۹، کتاب فضائل صحابہ، باب قتل علی بن ابی طالب، حدیث نمبر ۲۴۰۸
 ۴۱۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۴۵، کتاب الزکاۃ، باب تحريم الزکاۃ علی رسول اللہ
 ۴۲۔ شرح نووی، مسلم، ج ۱، ص ۳۴۳، شرح مہذب، ج ۳، ص ۴۴۸
 ۴۳۔ شفا قاضی عیاض، ج ۲، ص ۳۷

- ۴۴۔ سند امام احمد، ج ۳، ص ۳۸۹، طبرانی کبیر، ج ۶، ص ۲۸۵
 ۴۵۔ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۸۷
 ۴۶۔ طبرانی کبیر، ج ۱۱، حدیث نمبر ۱۱۰۷، مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۸۷
 ۴۷۔ طبرانی کبیر، ج ۱۱، ص ۱۷۳، حدیث نمبر ۱۱۵۴۳، مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۸۸
 ۴۸۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۷۰۷، سورۃ احزاب، باب لا یمسوا بیوت النبی
 ۴۹۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۶۰
 ۵۰۔ ترمذی، ج ۲، ص ۱۵۲، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب
 ۵۱۔ درر السحاب، ص ۲۶۵-۲۷۲
 ۵۲۔ النسان فی رمضان، ص ۴، وعظ چہارم، از سلسلہ البلاغ
 ۵۳۔ تفسیر معارف القرآن اور لکھی، ج ۶، ص ۲۶۵
 ۵۴۔ تفسیر معارف القرآن، ج ۳، ص ۱۳۹
 ۵۵۔ تفسیر جواہر القرآن، ج ۳، ص ۹۳۹
 ۵۶۔ سیرت مصطفیٰ، ج ۳، ص ۷۲۸
 ۵۷۔ ایضاً، ص ۲۸۰
 ۵۸۔ تفسیر معارف القرآن اور لکھی، ج ۷، ص ۱۳۰
 ۵۹۔ فتح الباری، ج ۱۱، ص ۱۶۱، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۶۳۵۸
 ۶۰۔ مرقاة المفاتیح، ج ۱۱، ص ۳۷۰، مناقب اہل بیت
 ۶۱۔ اشعۃ المعانی، ج ۳، ص ۶۸۰-۶۸۱
 ۶۲۔ تحفۃ الثمینی، اردو
 ۶۳۔ اعلام اللہ، ج ۲، ص ۲۰۱
 ۶۴۔ تفسیر حقانی، ج ۶، ص ۹۰
 ۶۵۔ تفسیر قرطبی، ج ۱۳، ص ۱۸۴
 ۶۶۔ تفسیر بغوی، ج ۳، ص ۵۲۹
 ۶۷۔ تفسیر بحر المحیط، ج ۷، ص ۲۳۱-۲۳۲
 ۶۸۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۲۸۴
 ۶۹۔ فتح الباری، ج ۱۱، ص ۱۶۰، حدیث نمبر ۲۳۵۸

- ۷۰۔ تفسیر روح المعانی، ج ۱۲، پارہ نمبر ۲۲، ص ۱۵
 ۷۱۔ ایضاً، ص ۱۹
 ۷۲۔ تفسیر مظہری، اردو، ج ۹، ص ۲۵۲
 ۷۳۔ تفسیر معارف القرآن مفتی، ج ۷، ص ۱۳۰
 ۷۴۔ اوجز المسائل، ج ۲، ص ۱۵۷
 ۷۵۔ مجموعہ تفاسیر لکھنوی، ص ۷۹-۸۰
 ۷۶۔ معارف الحدیث، ج ۸، ص ۲۹۲
 ۷۷۔ احکام القرآن، ج ۶، ص ۶۹۷؛ احکام القرآن، ج ۵، ص ۲۳۰
 ۷۸۔ تفسیر بغوی، ج ۳، ص ۵۲۸
 ۷۹۔ تفسیر کشاف، ج ۳، ص ۵۳۸
 ۸۰۔ تفسیر زاد المسیر، ج ۳، ص ۳۶۲؛ سورۃ احزاب
 ۸۱۔ تفسیر کبیر، فتح الدین دازی، ج ۲۶، ص ۱۸۱
 ۸۲۔ تفسیر قرطبی، ج ۱۳، ص ۱۸۲؛ سورۃ احزاب
 ۸۳۔ تفسیر نفی، ج ۳، ص ۳۰۲
 ۸۴۔ تفسیر بحر الحیث، ج ۷، ص ۲۳۱-۲۳۲
 ۸۵۔ تفسیر درمنثور، ج ۶، ص ۳۳۳؛ سورۃ احزاب
 ۸۶۔ تفسیر ابن کثیر، اردو، ج ۵، سورۃ احزاب
 ۸۷۔ تفسیر روح المعانی، ج ۱۲، ص ۱۳؛ سورۃ احزاب
 ۸۸۔ تفسیر حقانی، ج ۶، ص ۸۹
 ۸۹۔ روح المعانی، ج ۱۲، ص ۲۲
 ۹۰۔ تفسیر معارف القرآن اردو، ج ۶، ص ۲۶۱-۲۶۵
 ۹۱۔ ترمذی، ج ۲، ص ۲۱۹؛ ابواب المناقب، باب مناقب اہل بیت
 ۹۲۔ سنن ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۰؛ باب مناقب اہل بیت
 ۹۳۔ مرقاۃ المفاتیح، ج ۱۱، ص ۲۸۵
 ۹۴۔ اتحاد اللمعات، ج ۳، ص ۶۹۰؛ مناقب اہل بیت، فصل ثانی
 ۹۵۔ تفسیر روح المعانی، ج ۱۲، ص ۱۶؛ سورۃ احزاب، آیت ۳۳

آل بیت نبی

- ۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۳۳
 ۲۔ المعارف ابن خثیر، ص ۵۲
 ۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۲۲
 ۴۔ ایضاً، ص ۳۲۳
 ۵۔ صحیح مسلم، ج ۱، کتاب الحج، باب الحجۃ النبی، حدیث نمبر ۱۲۱۸
 ۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۳۲۳
 ۷۔ الاصابہ، ج ۱، ص ۴۵۳
 ۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶
 ۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۷
 ۱۰۔ مستدرک احمد، ج ۳، ص ۱۲۸؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۹۶؛ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۷
 ۱۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۷
 ۱۲۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۶۶؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۳۳۳
 ۱۳۔ استیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۳، ص ۴۹۷؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۲۹۷
 ۱۴۔ الاصابہ، ج ۲، ص ۲۷۱
 ۱۵۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۰۹
 ۱۶۔ ایضاً، ص ۱۱۰
 ۱۷۔ ایضاً، ص ۱۰۹
 ۱۸۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۷۷؛ کتاب المغازی

- ۱۹۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۳۵۳
- ۲۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۳۳۳؛ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۱۰
- ۲۱۔ سنن ترمذی، ج ۲، ص ۲۱۷؛ ابواب المناقب، باب مناقب ابی الفضل
- ۲۲۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۳۰۰؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۲۹
- ۲۳۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب قول اللہ تعالیٰ - وفي الرقاب والغنمين، حدیث نمبر ۱۳۶۸؛ صحیح مسلم، ج ۱، کتاب الزکوۃ، باب فی تقدیم الزکوۃ، حدیث نمبر ۹۸۳
- ۲۴۔ سنن ترمذی، ابواب المناقب، ج ۲، ص ۲۱۷
- ۲۵۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۱۲
- ۲۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۲۱
- ۲۷۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۱۰
- ۲۸۔ ایضاً، ص ۱۱۲
- ۲۹۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۸۳
- ۳۰۔ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۳، ص ۲۰۸؛ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۸۳
- ۳۱۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۲۰۸
- ۳۲۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۳۰
- ۳۳۔ ایضاً، ص ۱۹۷
- ۳۴۔ ایضاً
- ۳۵۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۹۳؛ الاصابہ، ج ۲، ص ۳۳۰
- ۳۶۔ ایضاً
- ۳۷۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۲۹۱
- ۳۸۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۳۲۸؛ صحیح الترمذی، ج ۹، ص ۳۳۰
- ۳۹۔ طبرانی کبیر، ج ۱۱، ص ۲۱۰۸
- ۴۰۔ بخاری، ج ۵، ص ۵۳۱
- ۴۱۔ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۲، ص ۳۵۲؛ حلیہ، ج ۱، ص ۳۱۶
- ۴۲۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۵۲
- ۴۳۔ حلیہ الاولیاء، ج ۱، ص ۳۱۶

- ۴۴۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۹۵؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۳۳۳
- ۴۵۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۱۱۵؛ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۲
- ۴۶۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۲۶۱؛ ج ۳، ص ۳۸۲؛ بر حاشیہ الاصابہ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۲
- ۴۷۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۸۲؛ بر حاشیہ الاصابہ
- ۴۸۔ سیرت علی المرتضیٰ، ص ۲۲
- ۴۹۔ تفسیر بقوی، ج ۳، ص ۳۵۰؛ سورۃ قصص
- ۵۰۔ تفسیر کشاف، ج ۳، ص ۲۲۲
- ۵۱۔ تفسیر زاد المسیر، ج ۳، ص ۳۸۸؛ سورۃ قصص
- ۵۲۔ تفسیر کبیر، ج ۱۳، ص ۳
- ۵۳۔ تفسیر قرطبی، ج ۷، ص ۲۹۹
- ۵۴۔ تفسیر نفسی، ج ۳، ص ۲۳۰
- ۵۵۔ تفسیر بحر المحیط، ج ۷، ص ۱۲۶
- ۵۶۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۹۲
- ۵۷۔ تفسیر درمنثور، ج ۶، ص ۳۸۰؛ سورۃ قصص
- ۵۸۔ تفسیر جامع البیان، ج ۷، ص ۵۶؛ تفسیر نفسی، ج ۲، ص ۳۱۸؛ تفسیر بقوی، ج ۲، ص ۳۳۰؛ تفسیر کشاف، ج ۲، ص ۳۱۳؛ تفسیر کبیر رازی، ج ۸، ص ۱۲۵؛ تفسیر زاد المسیر، ج ۲، ص ۳۰۳؛ تفسیر قرطبی، ج ۸، ص ۲۷۲؛ تفسیر درمنثور، ج ۳، ص ۲۷۱
- ۵۹۔ صحیح بخاری، ج ۱، کتاب الجنائز، باب اذا قال المشرک عند الموت لا اله الا الله، حدیث نمبر ۱۳۶۰؛ بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب قصہ ابی طالب، حدیث نمبر ۳۸۸۳؛ بخاری، کتاب التفسیر، باب ما کان للنبی والبلدین امنوا ان يستغفر للمشرکین، حدیث نمبر ۳۸۷۵؛ بخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر ۳۷۷۷؛ بخاری، کتاب الايمان والفناء، حدیث نمبر ۶۸۱؛ صحیح مسلم، کتاب الايمان، حدیث نمبر ۳۳۲۱؛ مسند امام احمد، ج ۲، ص ۴۳۳؛ ج ۵، ص ۴۳۳
- ۶۰۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۲۶؛ تحت علی بن ابی طالب؛ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۲
- ۶۱۔ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۲۲
- ۶۲۔ تاریخ الخلفاء، ج ۱، ص ۱۶۳؛ بحوالہ سیرت علی المرتضیٰ، ص ۲۶

- ۶۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۴۰؛ تحت مقتل بن ابو طالب
 ۶۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۴۳؛ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۲۲
 ۶۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۳۱؛ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۲۳
 ۶۶۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۲۴
 ۶۷۔ ایضاً
 ۶۸۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۲۰۱-۲۰۳؛ ج ۵، ص ۲۹۰
 ۶۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۳۶؛ صحیح بخاری، غزوہ خبیر
 ۷۰۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۱۱؛ کتاب المغازی، باب غزوہ موت
 ۷۱۔ اسد الغابہ، ج ۱، ص ۲۸۸؛ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۳۲
 ۷۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۶۱۱؛ غزوہ موت
 ۷۳۔ اسد الغابہ، ج ۱، ص ۲۸۸
 ۷۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۳۹؛ ترمذی، ج ۲، ص ۲۱۷؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۰۹
 ۷۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۳۶
 ۷۶۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۱۵؛ کتاب الجہاد، باب غزوہ ذی قرد و غیرہا
 ۷۷۔ الہدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۲۳
 ۷۸۔ ایضاً، ص ۲۹؛ تحت فضل الی بکر
 ۷۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۲؛ الہدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۱۹۷؛ سیرت حلبیہ، ج ۲، ص ۲۸
 ۸۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۲
 ۸۱۔ مسند امام احمد، ج ۱، ص ۳۶۸؛ الہدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۳۳۶
 ۸۲۔ الہدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۲۰
 ۸۳۔ سیرت ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۳۸؛ غزوہ خندق
 ۸۴۔ سیرت ابن ہشام، ج ۳، ص ۲۵۹
 ۸۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۲۹۹؛ تحت سریدہ علی بن ابی طالب الی بنی سعد بن بکر
 ۸۶۔ بخاری، ج ۱، ص ۳۷۷؛ کتاب الصلح
 ۸۷۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۰۵؛ کتاب المغازی، باب غزوہ خبیر
 ۸۸۔ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ فتح

- ۸۹۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۱۱
 ۹۰۔ الہدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۵۵؛ تحت ص ۱۵
 ۹۱۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۲۹؛ بحوالہ سیر الصحابہ، ج ۱، ص ۲۶۶
 ۹۲۔ الہدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۳۳۲
 ۹۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۳۵
 ۹۴۔ ایضاً، ص ۳۶
 ۹۵۔ ایضاً
 ۹۶۔ مسند امام احمد، ج ۲، ص ۳۳۲
 ۹۷۔ ایضاً، ص ۳۳۳
 ۹۸۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۲۵۹
 ۹۹۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۹۳؛ تحت ذوالج عبداللہ من امر
 ۱۰۰۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۹۸
 ۱۰۱۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۹۳
 ۱۰۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۲
 ۱۰۳۔ ایضاً، ص ۱۵۳
 ۱۰۴۔ ایضاً، ص ۲۵۳
 ۱۰۵۔ ایضاً، ص ۱۵۳
 ۱۰۶۔ ایضاً

آل بیت سکنی

- ۱۔ کتب الہدیٰ والرشاد، ج ۲، ص ۲۱۳
 ۲۔ زرقانی، طبع جدید، ج ۱، ص ۳۷۰
 ۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۱-۶۲؛ شرح زرقانی، ج ۱، ص ۳۷۲
 ۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۲؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۱، ص ۳۷۴
 ۵۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۰۰
 ۶۔ صحیح بخاری، ج ۱، کتاب الوقی

- ٧- طبرانی، ج ٢٢، ص ٢٥١
 ٨- سيرت ابن هشام، ج ١، ص ٣٩١
 ٩- سيرت ابن هشام، ج ٢، ص ٥٤
 ١٠- طبقات ابن سعد، ج ٨، ص ٢٥١؛ الاصاب، ج ٢، ص ٢٨٣
 ١١- طبقات ابن سعد، ج ٨، ص ٢٩٣
 ١٢- صحيح بخاري، ج ١، ص ٥٣٩؛ صحيح مسلم، ج ٢، ص ٢٨٣
 ١٣- ايضاً
 ١٤- مستدرك احمد، ج ١، ص ٢٠٥
 ١٥- البدايه والنهايه، ج ٣، ص ١٢٤
 ١٦- زاد المعاد، ج ١، ص ١٠٥
 ١٧- مستدرك احمد، ج ٢، ص ٢٢٢
 ١٨- صحيح بخاري، ج ١، ص ٥؛ صحيح مسلم، ج ٢، ص ٢٨٣
 ١٩- طبرانی كبير، ج ٢٣، ص ١١٥؛ مجمع الزوائد، ج ١، ص ٢٦٥
 ٢٠- اسد الغاب، ج ٣، ص ٣٢٢
 ٢١- بخاري، ج ١، ص ٢٦٢
 ٢٢- ابوداؤد، ج ٢، ص ١٩٤؛ كتاب الادب
 ٢٣- سيرت عائشة، ص ١٨
 ٢٤- ترمذي، ج ٢، ص ١٣٤؛ تفسير سورة المومنون
 ٢٥- الاصاب، ج ٢، ص ٣٣١
 ٢٦- الاصاب، ج ٢، ص ٣٥٩؛ تذكرة عائشة؛ الاصاب، ج ٢، ص ٣٥٠
 ٢٧- ابوداؤد، ج ٢، ص ١٩٤؛ كتاب الادب، باب في المرأة يفتي: مستدرك احمد، ج ٦، ص ١٥١، ١٨٦
 ٢٨- مستدرك احمد، ج ٢، ص ٩٣
 ٢٩- مستدرك احمد، ج ٦، ص ١٠٤، ٢٦٠؛ تهجم طبرانی كبير، ج ٢٣، ص ١٨؛ مستدرك حاكم، ج ٢، ص ٣٥٨
 ٣٠- كشف الخفاء مزيل الالتباس مما اشهر على السنة الناس احمد عطا حلي، ج ١، ص ٣٤٤

- ٣١- سيرت عائشة، ص ١٨
 ٣٢- مجمع البحار الانوار، ج ١، ص ٥٥٨
 ٣٣- سير اعلام النبلاء، ج ٢، ص ١٣٠
 ٣٤- حلية الاولياء، ج ٢، ص ٣٣
 ٣٥- سير اعلام النبلاء، ج ٢، ص ١٣٥
 ٣٦- تهجم طبرانی كبير، ج ٢٣، ص ٢٢
 ٣٧- سيرت عائشة، ص ٢٩
 ٣٨- طبقات ابن سعد، ج ١، ص ١١٢
 ٣٩- تهجم طبرانی كبير، ج ٢٣، ص ١٨٣
 ٤٠- صحيح بخاري، ج ١، ص ٥٥١؛ باب تزوج عائشة؛ مستدرك احمد، ج ٢، ص ١٢٨، ١٦١
 ٤١- سنن ترمذي، ج ٢، ص ٢٢٨
 ٤٢- صحيح بخاري، ج ٢، ص ١٠٣٨
 ٤٣- ايضاً، كتاب الروايات
 ٤٤- شرح زرقاني على المواعظ، طبع جديد، ج ٢، ص ٣٨٤
 ٤٥- مستدرك ابن أبي شيبة، ج ٤، ص ٥٢٨
 ٤٦- مستدرك حاكم، ج ٣، ص ١٣
 ٤٧- مستدرك حاكم، ج ٣، ص ١٣؛ طبرانی كبير، ج ٢٣، ص ٢٩
 ٤٨- ترمذي، ج ٢، ص ٢٢٨
 ٤٩- ابن أبي شيبة، ج ٤، ص ٥٢٩
 ٥٠- ازواج النبي، ص ٩٠
 ٥١- اسد الغاب، ج ٥، ص ٥٠١
 ٥٢- سير اعلام النبلاء، ج ٢، ص ١٣٠
 ٥٣- ترمذي، ج ٢، ص ٥٨؛ ابواب التزود، باب حاجاء في معبشة النبي
 ٥٤- الترغيب والترهيب، ج ٢، ص ١٨٨
 ٥٥- ايضاً، ص ١٩٣
 ٥٦- ايضاً، ص ٢٠٥

- ۵۷۔ حدیث الاولیاء، ج ۲، ص ۳۲
- ۵۸۔ ادب المفرد امام بخاری، ج ۸۰، باب ستادۃ النفس، حدیث نمبر ۲۸۰
- ۵۹۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۹۹
- ۶۰۔ ادب المفرد فضل من یعول یتفق، ص ۳۵، باب نمبر ۷
- ۶۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۲
- ۶۲۔ سیرت عائشہ، ص ۱۶۹
- ۶۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۸
- ۶۴۔ ایضاً
- ۶۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۸؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۳۷۸
- ۶۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۸
- ۶۷۔ ایضاً
- ۶۸۔ مسلم، ج ۱، ص ۳۷۳؛ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۶۸
- ۶۹۔ معجم طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۳۰، حدیث نمبر ۸۰؛ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۱۳۲؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۲۳۷
- ۷۰۔ سیرت النبویہ، ج ۲، ص ۳۱۳
- ۷۱۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۷۰
- ۷۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۷۰؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۲۹۱
- ۷۳۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۳۲۲؛ مجمع الزوائد، ج ۳
- ۷۴۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۷۳؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۷۰؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۳۷۸
- ۷۵۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۳۳۹؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۳۸۰
- ۷۶۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۶
- ۷۷۔ بخاری، ج ۲، ص ۷۰
- ۷۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۹
- ۷۹۔ ایضاً، ص ۲۷۱
- ۸۰۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۳۹
- ۸۱۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۷۰
- ۸۲۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۲۶۰
- ۸۳۔ طبرانی کبیر، ج ۳، ص ۳۶؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۳۹
- ۸۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۳؛ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۴، ص ۲۶۸
- ۸۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۳
- ۸۶۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۷؛ کتاب الزکات
- ۸۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۵؛ الاستیعاب، ج ۴، ص ۲۶۹ بر حاشیہ
- ۸۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۶؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۵
- ۸۹۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۲۷۳
- ۹۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۶
- ۹۱۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۲۸۵
- ۹۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۷؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۲۷۳
- ۹۳۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۱۲ بر حاشیہ الاصابہ؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳
- ۹۴۔ طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۷۷
- ۹۵۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۳۶۶؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۱۱
- ۹۶۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۱۳ بر حاشیہ الاصابہ؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۳
- ۹۷۔ طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۵۸
- ۹۸۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۳۱
- ۹۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳
- ۱۰۰۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۵
- ۱۰۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳
- ۱۰۲۔ ایضاً
- ۱۰۳۔ ایضاً، ص ۲۸۷
- ۱۰۴۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۵۸
- ۱۰۵۔ ایضاً
- ۱۰۶۔ سیرت حلبیہ، اردو، ج ۶، ص ۲۲۸
- ۱۰۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۶

۱۰۸۔ ازواج النبیؐ

۱۰۹۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۵۴ بر حاشیہ الاصابہ

۱۱۰۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۵۴ بر حاشیہ الاصابہ

۱۱۱۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۲۲۸، کتاب المناقب

۱۱۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۲۸

۱۱۳۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۸۸؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۳۵۸

۱۱۴۔ سنن ابو داؤد، ج ۲، ص ۳۴۴، کتاب الزکات

۱۱۵۔ سنن ابو داؤد، ج ۲، ص ۳۴۴، ترمذی، ج ۲، ص ۱۸۹، ابواب الدعوات؛ مسند احمد، ج ۳، ص ۷۷

۱۱۶۔ زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۳۹۸

۱۱۷۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۰۰

۱۱۸۔ ایضاً

۱۱۹۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۰۰؛ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۱۳

۱۲۰۔ مسند امام احمد، ج ۴، ص ۲۷-۲۸

۱۲۱۔ طبقات ابن سعد

۱۲۲۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۳۰۱

۱۲۳۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۹، کتاب الخیض

۱۲۴۔ کتاب الاذکار، مترجم، ج ۱، ص ۲۲۳

۱۲۵۔ زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۴۰۲

۱۲۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲

۱۲۷۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۱۴ بر حاشیہ الاصابہ

۱۲۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۹؛ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۱۴

۱۲۹۔ سیرت المعطی، ج ۲، ص ۳۰۹

۱۳۰۔ زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۴۱۰

۱۳۱۔ مسند امام احمد، ج ۳، ص ۳۹، مسلم، ج ۲، ص ۳۶۱

۱۳۲۔ طبرانی، کبیر، ج ۴، ص ۳۹

۱۳۳۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۷۷، سورۃ احزاب؛ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۶۱

۱۳۴۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۶۱

۱۳۵۔ صحیح بخاری، ج ۲، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب

۱۳۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۱۸۰، بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین

۱۳۷۔ معارف القرآن، ج ۶، ص ۲۱۰

۱۳۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۹۱؛ مسلم، ج ۲، ص ۲۹۱

۱۳۹۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۲۵

۱۴۰۔ سیرت حلبیہ، و اردو، ج ۶، ص ۳۳۳؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۳۱۴

۱۴۱۔ شرح نووی، مسلم، ج ۲، ص ۲۹۱

۱۴۲۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۴

۱۴۳۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۱۵؛ حلبیہ الاولیاء، ج ۲، ص ۶۵

۱۴۴۔ مسلم، ج ۲، ص ۲۹۱؛ حلبیہ الاولیاء، ج ۲، ص ۶۴

۱۴۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۰۶

۱۴۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۳۰۰؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۴

۱۴۷۔ ایضاً

۱۴۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۹؛ حلبیہ الاولیاء، ج ۲، ص ۶۵؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۵۴

۱۴۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۰؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۱۴

۱۵۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۲

۱۵۱۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۶۵، کتاب الشہادۃ، باب تعدیل النساء یضعین بعضا

۱۵۲۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۶۵؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۴۱۴

۱۵۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۲

۱۵۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۰

۱۵۵۔ المبدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۲۸

۱۵۶۔ معارف ابن قتیبہ، بحوالہ جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین، ص ۱۸۸

۱۵۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۰-۳۰۱

۱۵۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۲؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۷۰۲

۱۵۹۔ مشکوٰۃ شریف، ج ۴، باب الاسلامی

- ۱۶۰۔ مسلم، ج ۲، ص ۲۰۸؛ کتاب الادب
 ۱۶۱۔ مسلم، ج ۲، ص ۲۰۸؛ دروس الائف، ج ۱، ص ۲۱۹؛ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۶۱؛ بر حاشیہ الاصابہ
 ۱۶۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۳۲۰
 ۱۶۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۲
 ۱۶۴۔ البدایہ والنہایہ، ص ۳۲؛ سیرت ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۰۲
 ۱۶۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۲۸۱؛ غزوہ بدر
 ۱۶۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۸۱
 ۱۶۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳؛ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۸۲
 ۱۶۸۔ البدایہ والنہایہ، ج ۲، ص ۱۵۹
 ۱۶۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۲، ص ۴۲۷
 ۱۷۰۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۷۷
 ۱۷۱۔ ایضاً
 ۱۷۲۔ طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۵۹
 ۱۷۳۔ الاستیعاب، ج ۱، ص ۲۹۹؛ بر حاشیہ الاصابہ؛ الاصابہ، ج ۱، ص ۲۸۱؛ ترجمہ: حارث بن ابی ضرار؛
 خصائص کبریٰ، اردو، ج ۱، ص ۲۸۵؛ میون الاثر، ج ۲، ص ۳۹۹
 ۱۷۴۔ مستدرک حاکم، ج ۶، ص ۲۷۷؛ طبرانی کبیر، ج ۲۳، ص ۶۱؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۷۷؛ البدایہ
 والنہایہ، ج ۳، ص ۱۵۹؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۲
 ۱۷۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۳؛ الاستیعاب، ج ۳، ص ۱۵۹؛ بر حاشیہ الاصابہ
 ۱۷۶۔ مسلم، ج ۲، ص ۳۵۰؛ کتاب الدعاء؛ مستدرک حاکم، ج ۶، ص ۳۳۵
 ۱۷۷۔ قرطبی؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۲، ص ۴۲۷
 ۱۷۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۶۶
 ۱۷۹۔ مسلم، ج ۱، ص ۳۳۵؛ کتاب الزکوٰۃ
 ۱۸۰۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸
 ۱۸۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۰
 ۱۸۲۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۰۳؛ بر حاشیہ الاصابہ؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۰
 ۱۸۳۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۳۰۵
 ۱۸۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۰
 ۱۸۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۰
 ۱۸۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۰
 ۱۸۷۔ ایضاً
 ۱۸۸۔ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۳۰۲
 ۱۸۹۔ سیر الصحابیات، ص ۸۲
 ۱۹۰۔ مسلم، ج ۱، ص ۲۵۱؛ فی صلوة المسافرین؛ مستدرک حاکم، ج ۶، ص ۳۲۷
 ۱۹۱۔ قرطبی، ج ۱، ص ۵۵؛ مستدرک حاکم، ج ۶، ص ۳۲۶
 ۱۹۲۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۷۰؛ کتاب الجنائز، باب احداث المرقا علی غیر زوجہا؛ مسلم، ج ۱، ص ۱۹۳
 ۱۹۳۔ الطلاق، باب وجوب الاحداث فی عدة الوفاة
 ۱۹۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۲
 ۱۹۵۔ مستدرک حاکم، ج ۶، ص ۳۲۶
 ۱۹۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۹۵
 ۱۹۷۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۰۶؛ بر حاشیہ الاصابہ
 ۱۹۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۹۵
 ۱۹۹۔ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۱۲۵
 ۲۰۰۔ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۱۳۶؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۳۰۷
 ۲۰۱۔ انساب الاشراف، ج ۱، ص ۲۴۰؛ بحوالہ از دلائل النبی، ج ۱، ص ۱۶۶
 ۲۰۲۔ الاصابہ، ج ۲، ص ۳۰۷
 ۲۰۳۔ سیر الصحابیات، ص ۹۰
 ۲۰۴۔ از دلائل النبی، حاشیہ، ص ۲۱۳؛ فتح الباری، ج ۳، ص ۲۷۸؛ حدیث نمبر ۲۰۳۵، کتاب الاعکاف
 ۲۰۵۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۲۶؛ بر حاشیہ الاصابہ؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۵
 ۲۰۶۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۲۶
 ۲۰۷۔ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۳۶۹
 ۲۰۸۔ سیرت المعصوفی، ج ۳، ص ۳۳۵؛ سیر الصحابیات، ص ۹۰

- ۲۰۹۔ میر العالیات، ج ۹
 ۲۱۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۵؛ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۴۶ بر حاشیہ الاصاب؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۴۵
 ۲۱۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۸
 ۲۱۲۔ ابوداؤد، ج ۴، ص ۲۱؛ باب ما جاء فی سهم الصفی
 ۲۱۳۔ بخاری، ج ۱، ص ۵۴، کتاب السلوة؛ ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۱
 ۲۱۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۱۰
 ۲۱۵۔ السیوط الثمین، ص ۱۲۰
 ۲۱۶۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۰۶
 ۲۱۷۔ ایضاً
 ۲۱۸۔ ایضاً، ص ۶۰۴
 ۲۱۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۸-۳۰۹؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۲۳۵
 ۲۲۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۸؛ الاصاب، ج ۴، ص ۳۴۷
 ۲۲۱۔ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۹۸، کتاب المناقب، حدیث نمبر ۱۵۳۸
 ۲۲۲۔ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۲۲۹
 ۲۲۳۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۳۹۰
 ۲۲۴۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۳۸ بر حاشیہ الاصاب؛ زرقانی، ج ۳، ص ۲۹۶؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۳۳۵؛ الاصاب، ج ۳، ص ۳۴۷
 ۲۲۵۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۳۹۵
 ۲۲۶۔ الاصاب، ج ۳، ص ۳۴۷
 ۲۲۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۹؛ الاصاب، ج ۳، ص ۳۴۷
 ۲۲۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۹
 ۲۲۹۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۱۳۱، ۲۶۱
 ۲۳۰۔ ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۹، ابواب المناقب؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۹
 ۲۳۱۔ ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۹، ابواب المناقب؛ مستد امام احمد، ج ۳، ص ۱۳۵
 ۲۳۲۔ زرقانی، ج ۳، ص ۲۹۶؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۳۳۵؛ السیوط الثمین، ص ۱۲۲؛ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۲۳۵
 ۲۳۳۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۲۳۷؛ ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۸۹، کتاب الادب، باب فی الغیۃ
 ۲۳۴۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۳۷، کتاب الحج، باب حاضرت المرأة بعد ما افلحت
 ۲۳۵۔ بخاری، ج ۱، ص ۲۰۲، باب هل یخرج المعتکف لحوائجہ الی باب المسجد؛ مسلم، ج ۲، ص ۲۱۶، کتاب السلام، باب انه یمسح لمن روی خالیا بامراة؛ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۲۳۷
 ۲۳۶۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۲۳۷
 ۲۳۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۰۹
 ۲۳۸۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۴۶، واقعات ۵۰
 ۲۳۹۔ سیرت حلبیہ، اردو، ج ۶، ص ۳۳۶؛ زرقانی، طبع جدید، ج ۳، ص ۲۳۶
 ۲۴۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۱۰؛ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۴۹ بر حاشیہ الاصاب
 ۲۴۱۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۳۶
 ۲۴۲۔ زرقانی، ج ۳، ص ۳۸۸؛ غیون الاثر، ج ۲، ص ۳۰۲
 ۲۴۳۔ ابن ہشام، ج ۳، ص ۲۹۶، ۳۰۶
 ۲۴۴۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۰۷؛ السیوط الثمین، ص ۱۱۳-۱۱۵
 ۲۴۵۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۰۶؛ الاصاب، ج ۳، ص ۳۱۲؛ سیرت ابن ہشام، ج ۳، ص ۲۹۶
 ۲۴۶۔ معارف اوردی، ج ۶، ص ۳۱۱
 ۲۴۷۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۰۵ بر حاشیہ الاصاب
 ۲۴۸۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۴، ص ۲۳۹؛ الطبر، ج ۱، ص ۸
 ۲۴۹۔ طبرانی، کبیر، ج ۲۳، ص ۱۹؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۹۵، حدیث نمبر ۱۵۳۶؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۹
 ۲۵۰۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۲۳۱
 ۲۵۱۔ ایضاً، ص ۳۳۲
 ۲۵۲۔ ایضاً، ص ۳۳۳
 ۲۵۳۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۴؛ طبقات ابن سعد، ج ۸؛ الاصاب، ج ۳، ص ۳۱۳
 ۲۵۴۔ مستد امام احمد، ج ۶، ص ۲۳۲

۲۵۵۔ ایضاً

۲۵۶۔ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۹۲، حدیث نمبر ۱۵۳۶۲

۲۵۷۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۰۸، بحاشیہ الاصاب

۲۵۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۱۶

۲۵۹۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے: طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۵۵؛ شرح زرقانی، طبع جدید، ج ۴، ص ۳۶۱-۳۵۹

آل بیت ولادت

۱۔ مواہب اللدنیہ، شرح زرقانی، ج ۴، ص ۳۱۳

۲۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۱۱، بحاشیہ الاصاب

۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۸

۴۔ میرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۳؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۵۸

۵۔ ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۲۶

۶۔ میرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۶

۷۔ بخاری، ج ۲، ص ۲۳۳؛ میرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۸

۸۔ سنن بیہقی، ج ۹، ص ۹۵

۹۔ سنن بیہقی، ج ۹، ص ۹۵؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۳۶

۱۰۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۲۸۱، بحاشیہ الاصاب؛ میرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۹

۱۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۱

۱۲۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۹

۱۳۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۸

۱۴۔ الہدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۶۶

۱۵۔ الاصاب، ج ۳، ص ۳۰۴

۱۶۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۴۱؛ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۸

۱۷۔ شرح مواہب اللدنیہ، جدید، ج ۴، ص ۳۲۳

۱۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۳۴۲

۱۹۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۰۲، بحاشیہ الاصاب، تذکرہ رقیۃ

۲۰۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۵۹

۲۱۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۷۰

۲۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۱

۲۳۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۸۲، بحاشیہ الاصاب

۲۴۔ شرح زرقانی، ج ۴، ص ۳۲۵

۲۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ تفسیر قرطبی، ج ۱۲، ص ۲۳۲

۲۶۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۱۶۱۲؛ الہدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۳۰۸

۲۷۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۳۶۴۰، حدیث ۳۶۴۰

۲۸۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۷، کتاب النکاح، باب عرض الانسان ابنته او اختہ علی اہل الخیر

۲۹۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۳۹

۳۰۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۰۷؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۳۱

۳۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۸۵

۳۲۔ ایضاً، ص ۲۸۶

۳۳۔ زرقانی، شرح مواہب جدید، ج ۴، ص ۳۲۶

۳۴۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۹

۳۵۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۹؛ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۸۹، حدیث نمبر ۳۲۸۱۶؛ ج ۱۳، ص ۴۳، حدیث نمبر ۳۶۲۰

۳۶۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۸۸، حدیث نمبر ۳۲۸۳۱؛ ج ۱۳، ص ۴۴، حدیث نمبر ۳۶۲۰۶

۳۷۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۸۸

۳۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ الاستیعاب، ج ۳، ص ۳۸۷؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۱۶۱۲، ذکر أم کلثوم

۳۹۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۹۰، حدیث نمبر ۳۲۸۲۳

۴۰۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۸۶، حدیث نمبر ۳۲۸۰۰؛ ج ۱۳، ص ۵۸۸، حدیث ۳۲۸۱۲

۴۱۔ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۹۱، حدیث نمبر ۳۲۸۲۸

۴۲۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۴۳، حدیث نمبر ۳۶۲۰۱

- ۳۳۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۴۴
 ۳۴۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۲؛ حدیث نمبر ۳۶۲۲۶
 ۳۵۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۳
 ۳۶۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۶۰
 ۳۷۔ ایضاً
 ۳۸۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۶؛ حدیث نمبر ۳۶۲۳۶
 ۳۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ج ۴، ص ۴۸۷
 ۵۰۔ بخاری، ج ۲، ص ۸۲۸، کتاب الباس، باب التحریر النساء؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛
 الاصابہ، ج ۳، ص ۴۶۶
 ۵۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۲۱۶؛ البدایہ، ج ۵، ص ۳۹
 ۵۲۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۳۳
 ۵۳۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۶۰؛ حدیث نمبر ۳۶۲۲۸
 ۵۴۔ تجم طبری کبیر، ج ۱۷، ص ۱۸۲؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۶۱؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۷
 ۵۵۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۶؛ حدیث نمبر ۳۶۲۳۷
 ۵۶۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۶۰
 ۵۷۔ تجم طبری کبیر، ج ۱۷، ص ۱۸۲؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۶۱؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۵۷
 ۵۸۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۶۰؛ حدیث نمبر ۳۶۲۳۸
 ۵۹۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۴۴؛ زرقانی، ج ۳، ص ۳۷۷
 ۶۰۔ سنن ابن ماجہ
 ۶۱۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۶۷، کتاب الجنائز، باب غسل الميت ووضوء بالماء والسدر
 ۶۲۔ ایضاً
 ۶۳۔ زرقانی شرح مواہب جدیدہ، ج ۳، ص ۳۲۸
 ۶۴۔ فتح الباری، ج ۳، ص ۱۲۸، کتاب الجنائز، باب غسل الميت ووضوء بالماء والسدر
 ۶۵۔ مستدرک امام احمد، ج ۶، ص ۳۸۰
 ۶۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۲۱۶
 ۶۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۲
- ۶۸۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۷۹، کتاب الجنائز، باب من یدخل قبر الممرأة
 ۶۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۲؛ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۷
 ۷۰۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۷؛ بر حاشیہ الاصابہ
 ۷۱۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۷۷؛ ذکر فاطمہ رضی اللہ عنہا
 ۷۲۔ اسان العرب، الفظ، ج ۱۲، ص ۲۵۳
 ۷۳۔ اتحاف السائل بما لفاطمہ بن المناقب، اردو، ص ۲۵
 ۷۴۔ مواہب مع زرقانی، ج ۳، ص ۳۳۲
 ۷۵۔ شرح سنن زرقانی، ج ۳، ص ۳۳۲
 ۷۶۔ اتحاف السائل بما لفاطمہ بن المناقب، اردو، ص ۲۵
 ۷۷۔ مواہب مع زرقانی، ج ۳، ص ۳۳۳
 ۷۸۔ لاؤ لے رسول ﷺ کی جیتی بیٹی، ص ۲۵
 ۷۹۔ القاموس الوحید، ص ۱۴۷
 ۸۰۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۷
 ۸۱۔ لاؤ لے رسول ﷺ کی جیتی بیٹی، ص ۲۵
 ۸۲۔ اسان العرب، ج ۵، ص ۳۳۲، عنوان دھر
 ۸۳۔ مدارج، اردو، ج ۲، ص ۷۸۷
 ۸۴۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۷
 ۸۵۔ زرقانی شرح مواہب، ج ۲، ص ۳۵۷-۳۶۴، ذکر تزویج علی فاطمہ رضی اللہ عنہا
 ۸۶۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۲۰؛ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۳۳۲
 ۸۷۔ زرقانی علی المواہب، ج ۲، ص ۳۶۵
 ۸۸۔ کشف الخفاء، ج ۱، ص ۲۸۳-۲۸۴؛ جلاء الحیون، اردو، ج ۱، ص ۱۶۸-۱۶۹
 ۸۹۔ جلاء الحیون، اردو، ج ۱، ص ۱۷۳
 ۹۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۳؛ ذکر فاطمہ رضی اللہ عنہا
 ۹۱۔ الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ
 ۹۲۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۲۱
 ۹۳۔ الاصابہ، ج ۴، ص ۳۷۷

- ۹۴۔ زرقانی علی موہب، ج ۲، ص ۳۵۷، ترویج فاطمہ، ج ۳، ص ۳۳۳، ذکر اولاد و اکرام
- ۹۵۔ زرقانی علی موہب، ج ۲، ص ۳۵۸
- ۹۶۔ فتاویٰ رحیمیہ، ج ۶، ص ۳۴۳-۳۴۵
- ۹۷۔ معارف الحدیث، ج ۸، ص ۳۴۹
- ۹۸۔ ایضاً
- ۹۹۔ سند امام احمد، ج ۱، ص ۱۰۳
- ۱۰۰۔ سنن نسائی، ج ۲، ص ۷۵، کتاب النکاح، باب جہاز الرجل ابنتہ
- ۱۰۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۳
- ۱۰۲۔ ایضاً، ص ۲۵۵
- ۱۰۳۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۳۷۹
- ۱۰۴۔ موہب الدینیہ مع زرقانی، ج ۲، ص ۳۶۶
- ۱۰۵۔ زرقانی شرح موہب، ج ۲، ص ۳۶۶
- ۱۰۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۳؛ موہب الدینیہ مع زرقانی، ج ۲، ص ۳۶۶
- ۱۰۷۔ نجم طبرانی کبیر، ج ۲، ص ۳۱۰؛ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۲۴۳؛ شفا قاضی عیاض، ج ۱، ص ۱۴۹
- ۱۰۸۔ نجم طبرانی کبیر، ج ۲، ص ۳۱۰؛ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۲۴۳؛ شفا قاضی عیاض، ج ۱، ص ۱۹۴
- ۱۰۹۔ بخاری، ج ۱، ص ۳۵۸، کتاب الجہد، باب الاستعواء للعروس عند البناء
- ۱۱۰۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۲۳
- ۱۱۱۔ الاستیعاب، ج ۲، ص ۳۷۷، حاشیہ الاصابہ ذکر فاطمہ رضی اللہ عنہا
- ۱۱۲۔ صلیہ الاولیاء، ج ۲، ص ۴۱، ذکر فاطمہ رضی اللہ عنہا؛ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۲۳۷
- ۱۱۳۔ تفسیر درمنثور، ج ۸، ص ۶۰۲، دورۃ النصارى بخاری، ج ۲، ص ۶۳۸
- ۱۱۴۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۴۱
- ۱۱۵۔ ایضاً
- ۱۱۶۔ ایضاً
- ۱۱۷۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۲۲؛ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۷
- ۱۱۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۷؛ البدایہ والنہایہ، ج ۶، ص ۳۳۳
- ۱۱۹۔ کنز العمال، طبع جدید حلب، ج ۱۲، ص ۵۱۵، حدیث نمبر ۳۵۶۷۷، فضائل الصحابہ فضل

- العبد حق؛ کنز العمال، طبع قدیم، ج ۶، ص ۳۱۸
- ۱۲۰۔ ریاض النضرۃ لمحب لطیفی، ج ۱، ص ۱۵۶، تحت وقفات الفاطمہ
- ۱۲۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۸، تحت ذکر فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ
- ۱۲۲۔ خلاصۃ الوفا، ص ۲۱۷
- ۱۲۳۔ البدایہ والنہایہ، ج ۶، ص ۳۳۳؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۳۸۰
- ۱۲۴۔ خلاصۃ الوفا، ج ۳، ص ۹۰۱، ذکر قبر فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ
- ۱۲۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۵۷
- ۱۲۶۔ نسب قریش، ج ۲، تحت اولاد فاطمہ؛ المعارف ابن قتیبہ، ج ۶، ص ۶۲
- ۱۲۷۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۲۷؛ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۳
- ۱۲۸۔ تفسیر کشاف، ج ۳، ص ۸۰۷
- ۱۲۹۔ سند امام احمد، ج ۳، ص ۳۰۲، ص ۳۹۷
- ۱۳۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۳
- ۱۳۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۵، زرقانی، ج ۳، ص ۳۴۶-۳۴۷
- ۱۳۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۳۵، زرقانی، ج ۳، ص ۳۴۸
- ۱۳۳۔ زرقانی، ج ۳، ص ۳۴۹
- ۱۳۴۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۷۴؛ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۵
- ۱۳۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۵-۶۶، زرقانی، ج ۳، ص ۳۵۱
- ۱۳۶۔ بخاری، ج ۱، ص ۱۷۵، کتاب الکسوف

شاہ کونینؒ کے نواسے، نواسیاں

- ۱۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۴۱؛ الاصابہ، ج ۲، ص ۵۲
- ۲۔ نجم طبرانی کبیر، ج ۲، ص ۳۱۲؛ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۲۵۰
- ۳۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۵۱۰؛ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۴۱
- ۴۔ بخاری، ج ۲، ص ۷۷، کتاب الصلوٰۃ، ج ۲، ص ۸۸۷، باب رحمت الولد
- ۵۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۲۴۵، حاشیہ الاصابہ تحت امامت العاصم؛ الاصابہ، ج ۳، ص ۲۵۳
- ۶۔ کتاب سلیم بن قیس الکوفی، ص ۲۲۶، بحوالہ بیانات اربعہ، ص ۱۳۸

تذکرہ اہل بیت اطہار	۳۲۸	۱۶
۷۔ الاصابہ، ج ۳، ص ۴۵۴، تحت مغیرہ بن نوفل؛ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۴۰۷؛ الاستیعاب، ج ۴، ص ۲۲۶ بر حاشیہ الاصابہ	۷۔	۱۳
۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۶۱؛ تحت ذکر رقیہ	۸۔	۱۵
۹۔ بخاری، ج ۱، ص ۵۳۰، کتاب المناقب، الحسن والحسین	۹۔	۱۶
۱۰۔ فتوح البلدان بلاذری، ذکر عطاء عمر بن خطاب	۱۰۔	۱۸
۱۱۔ اخبار الطوال، ص ۱۵۵، بحوالہ سیر صحابہ، ج ۶، ص ۱۶	۱۱۔	۱۹
۱۲۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۴	۱۲۔	۲۰
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۶	۱۳۔	۲۱
۱۴۔ بخاری، ج ۲، ص ۱۰۵۴، کتاب الفتن	۱۴۔	۲۲
۱۵۔ بخاری، ج ۱، ص ۵۳۰، کتاب المناقب	۱۵۔	۲۳
۱۶۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۷۶	۱۶۔	۲۴
۱۷۔ اسد الغابہ، ج ۲، ص ۱۸	۱۷۔	۲۵
۱۸۔ رحمت للعالمین، ج ۲، ص ۱۱۹-۱۲۰	۱۸۔	۲۶
۱۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۴۶۲	۱۹۔	۲۷
۲۰۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۴۹۰ بر حاشیہ الاصابہ	۲۰۔	۲۸
۲۱۔ ایضاً	۲۱۔	۲۹
۲۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۴۶۳	۲۲۔	۳۰
۲۳۔ ایضاً، ص ۴۶۴	۲۳۔	۳۱
۲۴۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ج ۲، ص ۱۰۰۳	۲۴۔	۳۲
		۳
		۱۴
		۱۵
		۱۶
		۱۷
		۱۸
		۱۱۹

تذکرہ اہل بیت اطہار

اللہ جل مجدہ نے جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خاندان کو دینی و دنیوی سیادت و قیادت سے سرفراز کیا، آپ ﷺ کے گھرانے کو بھی دنیا جہان کے گھرانوں میں افضل، معزز اور اشرف بنایا۔ زیر نظر کتاب میں معروف اصطلاح ”خاندان“ کے بجائے ”آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ اور ”اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ جیسی پاکیزہ اور ارفع نسبت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث کے تناظر میں ”آل اور اہل بیت“ کے استعمال پر بحث کی گئی ہے۔ لفظ ”آل“ اپنے وسیع تر معنوں میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان، ازواجِ مطہرات، اولادِ اطہار، صحابہ کبار اور ہر پرہیزگار متقی امتی پر محیط ہے، جبکہ ”اہل بیت“ کی حقیقی اور اصلی مصداق حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ہیں، اور انہی کی اولاد، یعنی چاروں صاحبزادیاں بھی ان کے ساتھ اس شرف میں برابر کی شریک و سہیم ہیں۔ اس ضمن میں علماء، مفسرین اور محدثین کی تصریحات بھی کتاب کا حصہ ہیں۔

Al-Fath Publications

—♦ Rawalpindi, Pakistan

alfathpublications@gmail.com

www.vprint.com.pk

US \$ 23.

Rs. 330.

+ 92 322 517 741

